

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

حوالہ جات روح البیان فیوض الرحمٰن مطابق عقائد و مسائل اہلسنّت پ۷

حوالہ جات روح البیان فیوض الرحمٰن مطابق عقائد و مسائل اہلسنت پ۸

فہرست فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ہفتم

پارہ : ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۴﴾

ترجمہ : اور جب سُنتے ہیں وہ جو رسُول کی طرف اُترا تو ان کی آنکھیں دیکھو آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے ۔ کہتے ہیں اے ربّ ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے[۱] تو ہمیں کیا ہُوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے[۲] تو اللہ نے ان کے کہنے کے بدلے انہیں باغ دیئے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے ۔ یہ بدلہ ہے نیکوں کا[۳] اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آئتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ والے[۴]

تفسیر عالمانہ :[۱] وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ الرَّسُوْلِ اس کا عطف لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ پر ہے ، چونکہ یہ لوگ تکبّر نہیں کرتے ۔ اس لئے قرآن سُنتے ہی حصُولِ عرفان کی وجہ سے اُن کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں ۔ اس میں ان کی رقّتِ قلبی اور خشیّتِ الٰہی کا بیان ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ یہ لوگ حق قبول کرنے میں عجلت کرتے ہیں ۔ اس سے انہیں ہرگز نفرت نہیں ۔

تَرٰٓی اَعْیُنَہُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ اُن کی آنکھوں کو دیکھو تو آنسو کے دریا بہاتی ہیں پُرزور پانی وغیرہ کے بہنے کو فیض کہا جاتا ہے۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور مِنَ الدَّمْعِ تفیض سے متعلق ہے اور مِن ابتداء غائت کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں کی کثرت سے بہت بہتی ہیں۔ یہاں ترٰی سے روائت بصری مُراد ہے اور تفیض اَعْیُنَھُمْ سے حال ہے۔

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ پہلا مِنْ ابتداء غائت کے لئے اور محذوف سے متعلق ہو کر الدمع سے حال ہے اور دُوسرا مِنْ، مَا عَرَفُوْا کے مَا موصُولہ کے بیان کے لئے ہے۔

یعنی اُن کا آنسو بہانا عرفان کی وجہ سے ہے گویا اُن کے آنسو کا سببِ صِرف یہی ہے کہ اُنہیں معرفتِ حق حاصل ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرات روتے ہُوئے کچھ کہتے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا : یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارا قرآن مجید پر ایمان ہے۔ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ۝ پس ہمیں اِن لوگوں میں لکھ دے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن حق ہے۔ ⓶ وَمَا لَنَا اور ہمیں کونسی رکاوٹ ہے۔ لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ لَنَا کی ضمیر سے حال ہے اس میں سبب و مسبب ہر دونوں کی نفی و انکار کی توجیح بتائی گئی ہے۔

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ اِس کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور جَآءَنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ جو ہمارے ہاں آیا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی جنس سے ہے یا مِنْ ابتداء غائت کے لئے اور جاءنا کے متعلق ہے۔ اس توجیح پر بالحق سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہوگی۔

وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۝ اور ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا ربّ نیک بخت لوگوں کی جماعت میں داخل فرمائے۔ یہ بھی لَنَا کی ضمیر سے دُوسرا حال ہے اور وہ مُبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دَراصل اِی شئ حصل الخ تھا۔ یعنی ہمیں کونسا امر مانع ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں، حالانکہ ہم صالحین کی صحبت کا طمع رکھتے ہیں۔

سوال : مُبتدا محذوف ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اس کے بغیر بھی معنےٰ بن سکتا ہے۔

جواب : نحویوں کا قاعدہ ہے کہ مضارعِ مُثبت واؤ کے ساتھ حال واقع نہیں ہوسکتا۔ جب تک اس کے لئے مبتداء تو مقدر نہ مانا جائے۔

⓷ فَاَثَابَھُمُ اللّٰہُ پس انہیں اللہ تعالیٰ ثواب اور جزاء عطا فرمائے گا۔ بِمَا قَالُوْا اس کے بدلے کہ جو کچھ اُنھوں نے سچے عقیدے سے کہا اس معنےٰ پر مِمَّا عَرَفُوْا الخ دلالت کرتا ہے۔ جَنّٰتٍ "باغات" تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا

اُمَّتِ ۔ جن کے درختوں اور مکانوں اور بالاخانوں کے نیچے پانی اور شہد اور شراب اور دودھ کی نہریں چلتی ہیں ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ محسنین کی جزا ہے اور محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل کو احسن بناتے یا اپنے جُملہ امور میں احسان کی عادت رکھتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اور وہ لوگ جو کافر اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اسی پر وہ مر گئے ۔

سوال : تکذیب بھی کفر کی ایک جنس ہے تو پھر تکذیب کو کفر پر عطف ڈالنے کا کیا معنیٰ ہے۔

جواب : تاکہ تکذیب کرنے والوں کا حال واضح ہو جائے ۔ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۠ وہی لوگ جہنمی اور جہنم کی سخت آگ کے ایندھن ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

اصحاب الجحیم سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اوصاف بہیمیہ و سبعیہ شیطانیہ کے حجابات خریدے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرہ اور اندھا بنا دیا ۔ اُنھوں نے حق کو سُنا تو سہی لیکن قبول نہ کیا ۔ اسی طرح حق کا مشاہدہ کر لیا ؛ لیکن بے غوری کی بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما کر انہیں اپنے کلام سے نوازا اور اپنے کلام کے جواب کی توفیق بخشی ۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے ربُوبیّت کا مشاہدہ کر کے بلیٰ کہا اور عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین ہم صدقِ دِل سے تیری ربُوبیّت کی گواہی دیتے ہیں ۔ اسی طرح وہاں اپنا کلام سُنا کر انہیں اس کی حقیقت کا عرفان عطا فرمایا جس سے وہ اس کی ذات کے مشتاق ہو گئے اور میثاق کے مشاہدہ کی وجہ سے ہر وقت اُن کے دل میں یادِ الٰہی رہتی ہے ۔ اسی کی وجہ سے وہ شوق و معرفت کے گریہ سے آہ و فغان کرتے ہیں ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) خوئے بد در ذات تو اصلی نبود	کز بد اصلی می نباید جز جحود
(۲) آن بدیٔ عاریتی باشد کہ او	آرد اقرار و شود او توبہ جو
(۳) ہمچو آدم ذِلتش عاریہ بود	لاجرم اندر زمان توبہ نمود
(۴) چونکہ اصلی بود جرم آں ابلیس	رہ نبودش جانب توبہ نفیس

(۱) تیری ذات میں بُری عادت ہرگز نہ تھی ، کیونکہ بد اصل سے سوائے انکار کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔

(۲) وہ برائی کہ جس میں عاریتی ہوتی ہے بعد کو وہ بُرائی کا اقرار کر کے توبہ کا متلاشی ہوتا ہے ۔

(۳) مثلاً آدم (علیہ السّلام) کی لغزش عاریتی تھی ۔ اسی لئے فوراً تائب ہوئے ۔

(۴) اور چونکہ ابلیس کا جرم اصلی تھا ۔ اسی لئے اسے توبہ کی طرف راہ نہ ملا ۔

حکائت : ایک بادشاہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہُوا۔ بعد فراغت آپ کے ایک صُحبت یافتہ سے عرض کی کہ مجھے حضرت بایزید قدس سرہٗ کا کوئی ملفوظ سُنائیے۔ اُس نے کہا کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو مجھے دیکھ لے اُس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ بادشاہ نے کہا ابُوجہل نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بارہا دیکھا، لیکن اس کے باوجود وہ جہنم میں جائے گا۔ کیا تیرے شیخ کا مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے بُلند ہے۔ اُس نے کہا اے بادشاہ ابُوجہل نے حضُور علیہ السّلام کو بحیثیت نبی کے نہیں دیکھا، بلکہ ابُو طالب کے پروردہ ہونے کی حیثیت سے دیکھا۔ اگر وہ آپ کو بحیثیت رسُول ہونے کے دیکھتا تو ایمان لاتا اور آتشِ جہنم سے بچ جاتا۔

نُکتہ : یہی وجہ ہے کہ بلقیس نے حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے نامہ مبارک کو نُورِ عرفان سے دیکھا تھا۔ اسی بنا پر اپنی قوم سے مشورہ لیا تو قوم نے کہا ہم اُن سے جنگ کریں گے بلقیس نے اُنھیں سمجھایا کہ وہ نبوت کے مدّعی ہیں اور انبیاء علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اُن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ آپ کی نبوت کو آزمانے کے بعد سچّی اور پکی مسلمان ہو گئی۔ حضرت مولانا رُوم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

(۱)	چُوں سلیماں سوئے مرغان سبا	یک صفیرہ کرد بست آں جملہ را
(۲)	جُز مگر مرغی کہ بُد بے بال و پَر	یا چو ماہی گنگ بُد از اصل کر
(۳)	نے غلط گفتم کہ کر گو ہر نہد	پیش وحی کبریا شمعش دہد
(۴)	بلقیس از دل و جاں عزم کرد	بر زماں رفتہ ہم افسوس خورد
(۵)	ترکِ مال و ملک کرد و آنچناں	کہ تبرک نام و ننگ آں عاشقاں
(۶)	آں غلامان و کنیزانِ نیازہ	پیش چشمش ہمچو پوشیدہ پیاز
(۷)	باغہا و قصرہا و آب رود	پیشِ آواز عشق او گلخن نمود
(۸)	عشق در ہنگام اِستیلا و خشم	زشت گرداند لطیفاں نرا بچشم
(۹)	ہر زمرد را نماید گندنا	غیرت عشق این بود معنئے لا
(۱۰)	لا اِلٰہ اِلاّ ھُو اینست اے پناہ	کہ نماید مہ ترا و یک سیاہ

(۱) جب سُلیمان علیہ السّلام نے سبا کے پرندوں کو آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔
(۲) سوائے اس پرندے کے کہ جس کے بال و پر نہ تھے یا سوائے گونگی مچھلی کے اس کا بہرہ پن اصلی تھا۔
(۳) میں نے غلط کہا اس لئے کہ گونگی بھی جوہر رکھتی ہے۔ اس کے آگے اللہ کی وحی شمع بن جاتی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٥﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص
وَّاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ
كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ
كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ج
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٠﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١﴾ ع

ترجمہ : اے ایمان والو حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال
کیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور کھاؤ جو کچھ تمہیں

اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے[۸]۔ اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط کیا تو ایسی قسم کا دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اُس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں کچھ نہ پائے تو تین دن کے روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تم سے آئتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو[۸] اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتا رہنا کہ تم فلاح پاؤ[۸] شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے۔ شراب اور جُوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے[۹] اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسُول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسُول کا ذمّہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے[۱۱] جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ اُنھوں نے چکھا جبکہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں

کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک

رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے[۱۲]

(بقایا مضمون)

(۴) بلقیس نے جان و دل سے عزم کیا تو فوراً چل پڑی اور گزشتہ زندگی پر افسوس کیا۔
(۵) مال و ملک کو ایسے ترک کیا جیسے عاشق اپنا نام و ننگ کھو دیتا ہے۔
(۶) وہ غلام اور کنیزیں اُس کے آگے سے ایسے خیال سے اُتر گئیں جیسے بیکار پیاز۔
(۷) باغات محلات اور نہریں سب بھُول گئی جب عشق کی آواز کانوں میں پڑی۔
(۸) عشق جب غصّہ و غضب میں آتا ہے تو اچھی چیزیں آنکھوں میں بُری محسوس ہوتی ہیں
(۹) پھر مردِ غیرت کو گندا سمجھتا ہے عشق کی غیرت لا کا معنیٰ یہی بتاتی ہے۔
(۱۰) لا الہ الا ھو کا یہی مطلب ہے اے دوست کہ چاند تجھے کالا سیاہ نظر آئے۔

فائدہ صُوفیانہ جسے عالم علوی میں دولتِ ایمان کی توفیق نصیب ہُوئی تو وہ اس عالم دُنیا میں بھی ایمان سے نوازا گیا۔ اور دائمی طور مومن رہا۔ یہاں تک کہ رُوحانیات معنویہ کے ذوق سے ہمیشہ ہمیشہ تک اِس ظاہری بہشت میں داخل ہُوا۔ یہ اس حقیقی بیج کا ثمرہ اور اس معنوی کھیتی کا نتیجہ ہے۔ اس طرف فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا الخ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ یقین کے حصُول کے لئے جدوجہد کر کے جنۃ عاجلہ میں داخل ہو۔ جنۃ عاجلہ سے معرفتِ الٰہی مُراد ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ، میں اشارہ فرمایا ہے اور نارِ بُعد و فراق سے بچے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ، میں اشارہ فرمایا۔

تفسیر عالمانہ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ اے ایمان والو! ان پاکیزہ اشیاء کو حرام نہ کرو! جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کی ۔ یعنی وہ چیزیں جو اچھی اور اُن سے تمہارے نفوس لذت پاتے ہیں۔ حرام اشیاء سے رُک جانے کی طرح حرام نہ کرو

وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی حلال کردہ اشیاء کی حدود سے متجاوز ہو کر اُن کی اشیاء کی طرف نہ جاؤ جنہیں تمہارے اُوپر حرام کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء حلال اور حلال کردہ حرام ہو جائیں گی یا یہ معنٰے ہے کہ طیّبات کو کھاتے وقت اسراف نہ کرو اس لئے کہ اسراف بھی حرام کھانے کی طرح حرام کی طرف تجاوز کرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔ یعنی اپنے نفوس پر زیادتی اور اللہ تعالیٰ کی حُدود سے تجاوز کرنے والوں کے عمل سے خوش نہیں ہوتا۔

⑥ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اسے حلال طیّب کر کے کھاؤ۔ حَلٰلًا ، كُلُوْا کا مفعول بہ ہے اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا سے حال ہے اور یہ حَلٰلًا سے مقدم اس لئے ہے کہ وہ نکرہ ہے اور جب ذوالحال نکرہ ہوتا ہے تو حال کی تقدیم لازمی ہوتی ہے۔

فائدہ : حلال ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جو جائز طریق سے حاصل ہو اور الطیّب وہ ہے جو غذا کے طور مستعمل اور اس سے نشوونما حاصل ہو

مسئلہ اشیاء جوامد جیسے مٹی اور گارہ اور اس طرح دیگر وہ اشیاء جو غذا کے نام میں نہیں آتیں، انھیں کھانا مکروہ ہے۔ ہاں دواء کے طور جائز ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تم اس پر ایمان لانے

ہو۔ یہ سابقہ احکام کی تاکید کے لئے ہے۔

سوال : اسے مؤکد کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے عطا کردہ اشیاء کی حلت کا حکم عام فرمایا ہے اور اس سے حلت و اباحت کا علی الاطلاق ثبوت تو ملا ہے۔

جواب : چونکہ وہ صرف کھانے کی اشیاء سے متعلق ہے اس لئے تاکید کی ضرورت ہوئی کہ کوئی صرف کھانے کی اشیاء کو حلال نہ سمجھے، حالانکہ اس کے ماسوا اور دوسری اشیاء بھی حلال ہیں اگرچہ وہ کھائی نہیں جاتیں۔ اسی لئے أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کا اضافہ فرمایا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان تقویٰ پیدا کرے۔ یعنی اِن امُور سے کنارہ کرے۔ جس سے اُسے رُوکا گیا ہے اور مقرر کردہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

فائدہ : امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ، سے واضح ہوا کہ ہر ایک کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اور اُس نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ واری اُٹھائی ہے، ورنہ لفظ عام کو مقید نہ فرماتا: کَمَا قَالَ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ الخ

سبق : جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ واری اُٹھائی ہے تو انسان کو چاہیئے کہ رزق کی خاطر مارا مارا نہ پھرے اور صرف اس کے وعدۂ کرم اور احسان عمیم پر بھروسہ کرے۔ اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ جس طرح کا وعدہ کرتا ہے اُسے ضرور پُورا کرتا ہے اس سے وعدہ کا خلاف ممتنع ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق میں بھی کمی نہ کرو۔

حضرت حافظ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ؛ با بادشہ بگو کہ روزی مقدر است

ترجمہ : ہم فقر و قناعت کی عزت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ بادشہ کو کہہ دو روزی مقدر ہو چکی ہے وہ ملے گی

حضرت صائب نے فرمایا :

رزق اگر بر آدمی عاشق نہ باشد چرا ؛ از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

ترجمہ : اگر روزی آدمی کی عاشق نہ ہوتی تو گندم زمین سے گریبان چاک کر کے کیوں ظاہر ہوتی۔

شانِ نزول اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک طویل داستان تفاسیر میں ہے کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے صحابہ کرام کو ایک پُر اثر واعظ کیا اور جہنم سے ڈرایا اور قیامت کے ہولناک حالات سُنائے تو صحابہ کرام خوب روئے اور حضرت عثمان بن مظعون الجمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جمع ہوئے اور سب نے مل کر مشورہ کرکے اتفاق کیا کہ آئندہ دُنیا ترک کردیں۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنیں اپنے آلات تناسل کاٹ دیں۔ زندگی بھر روزہ رکھیں۔ رات کو قیام کرتے گذاریں۔ بستروں پر سونا چھوڑ دیں۔ گوشت بھی نہ کھائیں اور نہ ہی اور طاقت والی اشیاء۔ عورتوں سے ہمبستری بھی ترک کردی جائے اور خوشبو بھی نہ لگائیں۔ زمین کی سیاحت کریں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اِس پروگرام کا علم ہُوا تو حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے، لیکن آپ کو حضرت عثمان نہ ملے۔ آپ نے اُن کی اہلیہ بی بی ام حکیم بنت اُمیہ (جن کا نام بی بی خولہ رضی اللہ عنہا تھا۔ اور آپ عطارہ تھیں) سے فرمایا کہ مجھے تیرے شوہر اور اُس کے ساتھیوں کی اطلاع ملی ہے کہ اُنھوں نے اس طرح کا مشورہ کیا ہے تم مجھے سچ سچ بتادو کہ اُنھوں نے کیا کیا باتیں طے کی ہیں، لیکن یاد رکھئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوں اور رسُول کے سامنے جھُوٹ بولنا اچھا نہیں۔

بی بی صاحبہ نے عرض کی یارسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) جس طرح آپ کو اطلاع ملی ہے وہ صحیح ہے واقعی اُنھوں نے اس طرح کا پروگرام بنایا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم واپس تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس لوٹے۔ انہیں بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السّلام کی تشریف آوری اور باہم گفتگو کا تمام ماجرا سُنا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فوراً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے اُن سے اِس پروگرام کے متعلق پوچھا۔ اُس نے عرض کی ہم نے ایسا ہی پروگرام بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: سُنو یارو! میں نے تمہیں وہ پروگرام ہرگز نہیں بتایا اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہوں، بلکہ میرا حکم تو یہ ہے کہ نفسوں کا تمہارے اُوپر حق ہے۔ فلہذا روزے رکھو اور نہ بھی رکھو یعنی روزوں کے دنوں روزے رکھو باقی دِنوں میں کھاؤ پیئو۔ ہمیشہ ہمیشہ روزہ رکھنا اچھا نہیں۔ اسی طرح رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی۔ مجھے دیکھو میں رات کا قیام کرتا ہوں اور پھر سوجاتا ہوں اور کچھ روزے رکھتا ہوں اور کئی روز روزے نہیں رکھتا۔ اور میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور طاقت آور اشیاء بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ میرے یارو یاد رکھو! جس نے میری سُنت سے مُنہ پھیرا وہ میرا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک بہت بڑے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عورتوں اور گوشت اور خوشبو اور نیند اور دُنیا کی اچھی اچھی چیزوں کا استعمال اپنے لئے حرام کر دیتے ہیں میں انہیں اس کا حکم ہرگز

نہیں دیتا کہ تم قسیسین و رھبان ہو جاؤ۔ اس لئے کہ میری شریعت میں حکم نہیں کہ گوشت کھانے اور عورتوں کو ترک کر دیا جائے اور نہ ہی میرا حکم ہے کہ صرف عبادت گاہوں میں پڑے رہو۔ میری اُمّت کی سیاحت روزہ اور عبادت جہاد ہے۔ فلہٰذا جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔ حج اور عمرہ کرو نمازیں قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور سیدھے راہ چلو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہتری فرمائے گا۔ تمہارے سے پہلے جتنے لوگ برباد ہوئے وہ بھی صرف اس لئے کہ انھوں نے اپنے اُوپر سخت سے سخت افعال و اعمال لازم کر لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر وُہی امور واجب فرمائے جنہیں وہ نبھا نہ سکے۔ گرجوں اور کلیساؤں میں پڑے ہوئے لوگ انہیں کا بقایا ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اُتاری۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خصی ہو جاؤں (تاکہ زنا نہ کر سکوں) آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان! یہ ہرگز نہیں ہو گا۔ البتہ روزے رکھو۔ اس لئے کہ میری اُمّت کا خصی ہونا روزوں سے ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو	زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
(۲) بے ہوا نہی از ہوا ممکن نہ بُود	غازیٔ بر مردگاں نتواں نمود
(۳) پس کلوا از بہر دام شہو تست	بعد ازاں لَا تُسْرِفُوْا آں عفتست
(۴) چونکہ رنج صبر نبود مر ترا	شرط نبود پس فرد ناید جزا
(۵) حبذا آں شرط و شادا آں جزا	آں جزائے دل نوازِ جاں فزا

(۱) اپنے آپ کو خصی نہ بنا اور نہ ہی رہبان ہو۔ اس لئے کہ پاکدامنی شہوت کی گروی ہے۔

(۲) خواہشات کی نفی میں نہی کا ہونا ممکن نہ تھا۔ مُردوں کو غازی کا لقب نہیں دیا جاتا۔

(۳) ہر دام کا گلہ شہوت ہے۔ اسی شہوت کی وجہ سے لاتسرفوا کا حکم وارد ہے کہ یہی عفت ہے۔

(۴) اگر تجھ میں رنج صبر کی نہ ہوتی تو تجھے اس سے رکاوٹ کا کیا معنیٰ۔

(۵) وہ شرط و جزا خوب کہ جس شرط سے جزا جانفزا مرتب ہوتی ہے۔

بقیہ: حدیث عثمان پھر حضرت عثمان نے عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں دُنیا چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر اللہ اللہ کروں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کا ترکِ دُنیا مسجدوں اور نمازوں کے انتظار میں ہے۔ پھر عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا

تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دُوں ۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میں تمہیں اس سے افضل و اعلیٰ عمل بتاؤں وہ یہ ہے کہ تم ایک دن ناغہ کر کے (گاہے گاہے) صدقہ کرو ۔ اور اپنے نفس کو زنا سے بچاؤ اور اپنے اہل و عیال پر نگرانی رکھو اور مسکینوں اور یتیموں پر رحم کرو تو تمہارے تمام مال کے لٹانے سے بہتر ہے پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی عورت خولہ کو طلاق دے کر (صرف اللہ کا بن جاؤں) ۔

آپ " صلّی اللہ علیہ وسلّم " نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کی بہتر ہجرت یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو بالکل چھوڑ دے یا میری زندگی میں اپنا وطن ترک کر کے میرے ہاں مقیم ہو جائے یا میرے وصال شریف کے بعد میرے روضۂ اقدس کی حاضری دے یا وہ مرجائے تو اپنے پیچھے ایک یا دو یا تین عورتیں چھوڑ جائے (یعنی نکاح کرنا بھی ہجرت کے احکام میں داخل ہے) پھر عرض کی یا رسُول اللہ آپ اگر مجھے عورت کو طلاق دینے سے روکتے ہیں تو اس کی اجازت دیجئے کہ میں اُس سے جماع کرنا چھوڑ دُوں اور صرف عبادتِ الٰہی میں لگا رہوں ۔ آپ نے فرمایا اے عثمان ایسا نہ کرنا کہ جو شخص اپنی عورت سے جماع کرتا ہے اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بہشت میں اس کا رفیق ہو گا ۔ اگر وہ اس سے پہلے مرجائے گا تو وہ بچہ اس کا مددگار اور سفارشی ہو گا ۔ اگر وہ پہلے مرے گا اور اس کا بچہ بعد کو تو قیامت میں وہ بچہ اس کا نُور بن جائے گا (یعنی بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک) پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تادمِ زندگی گوشت کھانا چھوڑ دُوں ۔

آپ " صلّی اللہ علیہ وسلّم " نے فرمایا اے عثمان جب بھی مجھے گوشت میسر ہوتا ہے تو اُسے مزے سے کھاتا ہوں تم بھی ایسے کرو ۔ میری سُنّت کے خلاف کرنا مناسب نہیں ۔ اور اگر اپنے رب سے عرض کروں کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسے کر دے (لیکن میں سوال نہیں کرتا) پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خوشبو لگانا چھوڑ دُوں ۔

آپ " صلّی اللہ علیہ وسلّم " نے فرمایا ایسا نہ کرنا اس لئے کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہر جمعہ کو خوشبو لگایا کریں ۔ فلہٰذا تم اے عثمان جُمعہ کے دن خوشبو کا ترک نہ کرنا ۔ اس لئے کہ جو میری سُنّت سے رُوگردانی کرتا ہے وہ میرا نہیں ۔ اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو قیامت میں ملائکہ کرام اُس کا رُخ میرے حوض سے پھیر دیں گے ۔

خُوردنی اشیاء کی احادیث مُبارکہ

(۱) حضرت ابُو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السّلام کو دیکھا کہ آپ نے

مُرغی کا گوشت اور تر کھجوریں اور خربُوزہ تناول فرمایا۔

(۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضوُر نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم مُرغی کا گوشت اور حلوہ تناول فرماتے تھے آپ کو میٹھی چیزیں اور شہد بہت پسند تھا۔ اور فرماتے کہ مؤمن میٹھا ہے اس لیئے وہ میٹھی چیزوں کو پسند کرتا ہے اور فرمایا کہ مومن کے پیٹ میں ایک ایسی جگہ ہے جسے صرف میٹھی چیز پُر کرتی ہے۔

حکایات

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ایک بندۂ خدا ہے جو حلوہ نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ مجھ سے اس کی شکر گزاری نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا: وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے۔ اُس نے عرض کی ہاں! - آپ نے فرمایا: پھر وہ جاہل ہے اس لیئے کہ ٹھنڈے پانی جیسی نعمت اور کوئی نہیں ، بلکہ میٹھی چیزیں ٹھنڈے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) حضرت فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادت گزار لوگوں کے لیئے اجازت ہے کہ وہ زُہد کے طور "طیبات" مثلاً گوشت اور حلوہ مٹھائی نہ کھائیں۔ آپ نے فرمایا ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کو کھائیں اس لیئے کہ وہ اپنے بندے سے ایسی پاکیزہ چیزوں کے کھانے سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ اُنھیں چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ مثلاً والدین کی خدمت گذاری ، صلہ رحمی ، ہمسائیگاں سے نیک سلوک ، مُسلمان بھائیوں پر رحمدلی اور شفقت ، ان سے ہنستا بنیا ، جو زیادتی کرے اسے معاف کرنا ، جو کوئی دُکھ پہنچائے اُس کے ساتھ احسان و مروّت کرنا ، کسی کے ستانے اور تکالیف سے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہ کھائیں۔

خلاصہ کلام

: رہبانیت میں افراط اور لذات وطیّبات میں تفریط ناموزوں ہے اور اتنا بھی کہ اُن کے ترک سے اعضاء رئیسہ میں خلل واقع ہو جائے اعضاء رئیسہ سے قلب اور دماغ مُراد ہے۔ جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو انسان کی فکری قوت میں نقصان پڑ جاتا ہے۔ اس کمی سے پھر وہ اُن کمالات سے بھی محروم رہ جاتا ہے جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیئے کہ اُنکی تکمیل قوت فطریہ سے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کلیۃً طور رہبانیت دُنیا کو برباد کر دیتی ہے اور کھیتیاں اور نسلیں ختم ہو جاتی ہیں اس لیئے کہ دُنیا اور آخرت کی تعمیر رہبانیت کے ترک سے ہے اور معرفت الٰہی اور محبّت وطاعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رہبانیت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو جائز طریق سے عمل میں لانے سے احتراز نہ کرے اور نہ ہی حلال کردہ اشیاء کی لذّت حاصل کرنے سے کنارہ کشی کرے۔ جیسا کہ احادیث مُبارکہ کی تصریحات بتاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان اعتدال پر رہے خیر الامور اوساطھا سے واضح ہے۔ فلہٰذا ہر معاملہ میں اعتدال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاضت میں بھی اعتدال ضروری ہوتا ہے؛ چنانچہ مرشدِ کامل اپنے مرید کو ابتدائے سلوک میں گوشت اور دیگر لذیذ اشیاء اور جماع وغیرہ سے باز رکھتا ہے، لیکن وہ بھی معتدلانہ طریق سے جیسا کہ مرید کے مزاج کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ریاضت کو طبیعت کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے اور باب سلوک میں اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ازالۂ وہم: اہل ظواہر اولیاء اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ریاضت کا کوئی فائدہ ہوتا تو حضور علیہ السلام حضرت عثمان بن مظعون کو نہ روکتے، لیکن آج تک انہیں سمجھ نہیں آئی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان کو مطلق رہبانیت سے روک کر اعتدال کی راہ لگائی، چنانچہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ سلوک بھی ریاضت میں اعتدال کا درس دیتا ہے۔

سبق: سالک پر ضروری ہے کہ وہ طریق صواب کو غور سے سمجھے اور پھر افراط و تفریط سے بچ کر راہ سلوک پر گامزن ہو۔

تفسیر عالمانہ ⑦: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ ،، اللہ تعالیٰ تم پر یمینِ لغو کی وجہ سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ مقسم بہ کے ساتھ دو طرفوں سے ایک کو مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں اور یمین لغو پر کسی قسم کا شرعی حکم متعلق نہیں۔

مسئلہ: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھائے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا؛ حالانکہ درحقیقت اس نے وہ کام کیا ہو۔ مثلاً دُور سے کسی شئ کو دیکھ کر کہے یہ فلاں شئے ہے اور قسم کھا کر کہے کہ واقعی یہ وہی شئے ہے؛ حالانکہ وہ شئے اسی طرح نہ ہو۔ جیسے وہ کہتا ہے تو اس قسم پر اس شخص پر کوئی مواخذہ نہیں۔ نہ گناہ نہ کفارہ۔

مسئلہ: یمین غموس یہ ہے کہ زمانۂ ماضی یا حال کے متعلق جھوٹی قسم کھائے۔ مثلاً قسم کھا کر کہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے؛ حالانکہ وہ کام نہ کیا ہو۔ یا اس کا برعکس مثلاً قسم کھا کر کہے کہ وہ مقروض ہے؛ حالانکہ اس پر کسی قسم کا قرض نہیں۔ یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ ہے کفارہ نہیں اور گناہ بھی کبیرہ۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے جھوٹی قسم کھائی تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا اس پر کفارہ نہیں صرف توبہ ہے۔

فائدہ : فِیْ اَیْمَانِکُمْ بِاللَّغْوِ ،، کی طرح یُؤَاخِذُکُمْ کا صلہ ہے یعنی تمہاری قسموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہارہ مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ قسم لغو ہے اس سے دنیوی اور اُخروی کسی قسم کا حکم متعلق نہیں۔

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج ،، لیکن اس سے تمہارا مواخذہ ہوگا کہ جس کا تم نے پُورا عزم کیا ہے۔ یعنی نیت اور ارادے سے تم نے ان قسموں کو زیادہ مضبوط اور پختہ کیا ہے۔ تم نے قسمیں کھاکر انہیں توڑا تو ان کا مواخذہ ہوگا اس لئے کہ تم نے جس کا معاہدہ کرکے اسے توڑا تو اس کی یہ سزا مقرر ہوئی۔ **مَسْئلہ** : زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

فَکَفَّارَتُہٗٓ ،، پس اس کا کفارہ یعنی وہ فعل جو اس کی غلطی اور گناہ کا ازالہ کرے۔

مسئلہ : حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا ناجائز ہے۔

حدیث : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی اور دیکھا کہ اس میں بھلائی نہیں تو اسے چاہیئے کہ پہلے اسی فعل کا ارتکاب پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ ،، درمیانہ طعام وہ جو اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ اس میں دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے۔ مِنْ اَوْسَطِ کا محل منصوب ہے اِس لئے کہ وہ مفعول محذوف کی صنت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ تُطْعِمُوْا عشرۃ مَسٰکِیْنَ طَعَامًا کَائِنًا مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ الخ یعنی طعام کھلاؤ درمیانہ وہ طعام جو اپنے اہل و عیال زوجہ اور اولاد اور خدام کو کھلاؤ یعنی نوع اور مقدار میں درمیانہ طعام جو فطرانہ میں نصف صاع گندم کا دیا جاتا ہے۔ **مسئلہ**: جس نے کسی فقیر کو دس دن طعام کھلایا تو اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ : جس نے کسی فقیر کو دس دن کا طعام یکدم دے دیا ہے تو اس کا کفارہ ادا ہوگیا۔

اَوْ کِسْوَتُھُمْ ،، یا اُن کی پوشاک اس کا عطف اطعام پر ہے یعنی دس مسکینوں کو وہ لباس پہنائے جو اُن کے عام بدن کو ڈھانپتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

مسئلہ جو کسی کو صرف سلوار دیدے تو یہ پوشاک کے حکم میں نہ ہوگا۔

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ ط یا ایک عبد آزاد کرنا جس طرح کا ہو یعنی مومن ہو یا کافر مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا۔ **مسئلہ** : نابینا اور وہ بہرہ جو بالکل کچھ نہیں سُنتا کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس طرح وہ غلام لونڈی وغیرہ کفارہ میں دینا ناجائز ہے کہ جس سے کسی قسم کا نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

مسئلہ : جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں نہ ہوں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا ہو اُن کو بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اسی طرح دائمی پاگل اس لئے کہ نفع یابی عقل سے ہوتی ہے اور اس کا عقل مفقود ہے۔

مسئلہ : مُدبر اور امّ ولد بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہیں۔ بنابریں اس میں مملوکیت ناقص ہے۔

مسئلہ : وہ مکاتب کہ جس نے کچھ حصّہ رقم کا ادا کر دیا۔ اسے بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اُسے عوض کے طور آزاد کیا جارہا ہے اور وہ تجارت ہو جائے گی اور کفارہ ایک عبادت ہے اور عبادت میں تجارت کیسی۔ عبادت میں تو صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس میں مفقود ہے۔

مسئلہ : جس مملوک کا بعض حصّہ آزاد ہے اسے بھی کفارہ میں دینا جائز ہے اس لئے کہ یہ رقبہ کاملہ نہیں۔ بلکہ ناقص ہے۔

ف : لفظ اَوْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِن تینوں میں ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ کفارہ دینے والے کی مرضی پر ہے یعنی نہ تو اس پر یہ تینوں واجب ہیں اور نہ ہی بالکل ترک۔ جب اُن میں سے کسی ایک کو ادا کرے گا تو اپنی ذمہ داری سے بَری ہو جائے گا۔

مسئلہ : جس کے پاس ان تینوں کی ادائیگی کی فرصت ہے تو وہ ان میں کسی ایک کا ادا کرنا ہوگا۔ یعنی اس کے اختیار میں ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ادا کرے۔

— فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ ،، پس وہ شخص جو ان تینوں مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا۔ فَصِیَامُ تو اُس کا کفارہ روزہ ہے۔ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ط امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین دن مسلسل طور روزے۔ ذٰلِکَ وہ امور جو مذکور ہوئے اور جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر حانث ہوئے۔

وَ احْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ط اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ ہر ہر بات پر قسم نہ کھاؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن سے بچتے رہو۔ بشرطیکہ اس میں تمہارا نقصان نہ ہو۔ اگر نقصان ہوتا دیکھو یا قسم کھا کر پھر سمجھ آئے ہو کہ قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی تو اب حانث ہو کر کفارہ ادا کر دو۔ جیسے یمین منعقدہ کا کفارہ ہوتا ہے (ایسے ہی فقہاکرام نے فرمایا ہے) مثلاً کسی نے ترک فرائض کی قسم کھائی یا کسی گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی تو اس پر لازم ہے کہ ایسے امور کے لئے حانث ہو کر کفارہ ادا کرے یعنی کفارہ ادا کرے گناہ نہ کرے وغیرہ وغیرہ

حدیث شریف : جس نے قسم کھائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے گا یا اس کی نافرمانی کرے گا تو اُس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور کفارہ دے اسی طرح نافرمانی نہ کرے اور کفارہ دے۔

مسئلہ : بعض صُورتیں وہ ہیں کہ ان میں حانث ہونا ہی افضل ہے۔ مثلاً کسی مُسلمان سے گفتگو ترک کرنے کی قسم کھائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اُس سے گفتگو کر کے کفارہ ادا کر دے۔

مسئلہ : ان کے علاوہ باقی صورتوں یعنی مباحات میں قسم کھالے تو حانث نہ ہو اور اپنی قسم کو محفوظ رکھے۔ **مسئلہ** : قسم عمداً کھائی جائے یا بھُول کر اپنے اختیار سے یا کسی دوسرے کے مجبور کرنے پر تو ہر طرح حانث ہونے پر کفارہ دینا پڑے گا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تین ایسے امور ہیں جنہیں عمداً یا مزاحاً کیا جائے تو عمد کے حکم میں ہیں (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) یمین۔

کَذٰلِكَ ،، یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو آ رہا ہے کوئی دوسرا فعل محذوف نہیں۔ کاف زائدہ لفظ ما کی تاکید کے لئے ہے جیسا کہ اسم اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور تضخیم پر دلالت ہوتا ہے۔ فعل پر مقدم کرنے میں قصر مطلوب ہے اور کاف کو نکتہ مذکورہ کی وجہ سے زائدہ مانا گیا ہے۔ یعنی اس بیان عجیب کی طرح **یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ** ،، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آیات بیان کرتا ہے یعنی اپنی شریعت کے مَسائل و احکام۔ **لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ** ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کو آسان کرنے پر اُس کی نعمت کا شکر کرو!

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے کسی معاملہ میں دُور ہو جائے تو اُس کا کفارہ دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے ان دس مسکینوں سے حواس خمسہ ظاہرہ و حواس خمسہ باطنہ مُراد ہیں۔ اس لئے کہ یہی دس حواس آفات کا مدخل اور کمزوریوں کا مرکز ہیں۔ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ** ،، میں اہل سے قلب اور رُوح اور خفی و سر مُراد ہیں۔ اُن کے طعام یہ ہیں۔ (۱) شوق (۲) محبّت (۳) صدق (۴) اخلاص (۵) تفویض (۶) تسلیم (۷) رضا (۸) انس (۹) ہیبت (۱۰) مشاہدہ (۱۱) کشف ،،

اوسط طعام سے مندرجہ ذیل اشیاء مُراد ہیں (۱) ذکر (۲) تذکر (۳) فکر (۴) تفکّر (۵) تشوق (۶) توکل (۷) تعبد (۸) خوف (۹) رجاء ،، یہی اشیاء ہیں جو حواس ظاہرہ و قوائے باطنہ کی غذا ہیں جبکہ ان امُور کو عبادت کے طور عمل میں لایا جائے اور اُن کے خلاف امور سے بچا جائے۔

اَوْ كِسْوَتُهُمْ ،، سے حواس ظاہرہ وقوائے باطنہ کا لباس مُراد ہے اور وہ تقویٰ ہے ۔
اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ الخ یعنی نفس کی گردن کو خواہشات نفسانیہ اور دُنیا کی حرص و ہوا کی عبودیت سے آزاد کرنا ۔ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ الخ پس جو شخص ان امُور کی طاقت نہیں رکھتا ۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ،، ان ایام سے ماضی ، حال و استقبال کے ایام مُراد ہیں ۔ ماضی کا روزہ توبہ ہے کہ جتنے اعمال زمانۂ ماضی میں غلط ہوئے اُن سے آئندہ بچ کر رہنے کا عزم کرے اور سچے دل سے اُن سے توبہ کرے اور حلال کے ایام میں روزے کا مطلب یہ ہے کہ اہم امُور میں غفلت نہ کرے اور دینی امُور میں جدوجہد جاری رکھنے کا پروگرام بنائے اور آئندہ ایام میں روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جرائم و معاصی پر عزائم اور ارادوں پر کنٹرول کرے گا اور اپنی نجات کے متعلق پُورا اخلاص دکھائے گا بلکہ طاعات و عبادات میں ثابت قدم رہے گا اور نیکیوں پر سابق نظر آئے گا اور حضرات ربوبیّہ کی طرف متوجہ ہونے میں سرتوڑ کوشش کرے گا

؎ مکن وقت ضائع با افسوس و حیف ⁂ کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

ترجمہ: افسوس و حیف سے وقت ضائع نہ کر ، کیونکہ فرصت قیمتی ہے اور وقت تلوار ہے ۔

حضرت ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا ؎

وکُن صارمًا کالوقت فالمقت عسٰی ⁂ و ایاک کلّا فہی اخطر علّہ

ترجمہ: تم وقت کی طرح پختہ کار ہو عسٰی (یعنی عنقریب ایسے کروں گا) میں خرابی ہے اور سستی کرکے کسی اُمید پر رہنا بھی بہت خطرناک امر ہے ۔ اور مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) اے کہ صبرت نیست از دُنیائے دوں ⁂ چونت صبرست از خدائے دوست چوں
(۲) چونکہ بے ایں شرب کم داری سکون ⁂ چوں از ابرارے خدا و ز یشربون

ترجمہ (۱) تجھے کمینی دُنیا سے صبر نہیں تو پھر تجھے دوست خُدا سے صبر کیوں ہے ۔
(۲) اس کے بغیر تجھے سکون نہیں ہوتا ایسے اللہ کے بندوں اور اس کے شرابا طہورًا سے بھی صبر نہ ہوگا ۔

صُوفی کی قسم

: صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ طالب صادق شوق کے غلبہ اور ذوق کے وجدان کے وقت جمال و جلال کی قسم کھاتا ہے کہ اسے کچھ وصال و اقبال نصیب ہو اُسے شریعتِ رضا میں قسم لغو کہتے ہیں اور شریعتِ تسلیم میں اسے سہو سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اس کے ضعفِ حال کو دیکھ کر اسے معاف کر دیا جاتا ہے ۔ اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوتا اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ منجمد محض ہو جائے احکام مولیٰ کے اجراء پر قبول و ردّ اور اقبال و صدّ میں راضی برضائے حق ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں مُستعدی دکھائے ۔ اس کو اپنے لئے کرامت سمجھے ۔ اس کو توجہ الٰہی و شہود وصول تصور کرے ؛

چنانچہ کسی شاعر نے اُسے یُوں تعبیر کیا ہے ؎

اُرِیدُ وِصالہ و یُرِید ہجری فاترک ما اُرِیدُ لما یُرِید

ترجمہ : میں اُس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے دُوری چاہتا ہے۔ پس تمہیں بھی چاہیئے جیسے وہ چاہتا ہے۔ تم سرِ تسلیم خم کرو۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

۹۰: یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ ،، اے ایمان والو! بے شک شراب ،، وہ آیات جو شراب کے متعلق اُتری ہیں اِن میں یہ چوتھی آیت ہے اور اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گُزری ہے۔

مسئلہ : اَلْخَمر (شراب) کے حکم میں ہر نشہ دینے والی چیز داخل ہے۔

وَالْمَیْسِرُ ،، اور جُوا کے تمام اقسام۔ اس میں نرد۔ شطرنج۔ اربعہ۔ عشر۔ کعب۔ بیضہ و دیگر کھیلوں کے انواع سب جُوا کے حکم میں ہیں۔

وَالْاَنْصَابُ ،، وہ بُت جو عبادت کے لئے مقرر ہوں۔ یہ نصب بفتح النون وسکون الصاد کی جمع ہے ،، وَالْاَزْلَامُ ،، وہ تیر جن کے بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ امرنی ربّی (مجھے اس کام کا اللّٰہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) اور بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ نہانی ربّی ،، اس کام سے مجھے میرے ربّ تعالیٰ نے روکا ہے اس سے اپنی خیر و شر کے لئے قسمت آزمائی کرتے تھے۔

جاہلیت کی ایک رسم کا بیان

مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب کوئی سفر یا جنگ یا تجارت وغیرہ کا ارادہ کرتا۔ تو اُس کی بھلائی و بُرائی کے معلومات کرنے کے لئے اِن تیروں سے کام لیتا۔ یہ تیر کعبہ معظمہ کے اندر پڑے رہتے۔ کسی پر آمرنی ربّی ،، اور بعض پر نہانی ربّی ،، لکھا ہوتا۔ بعض ایسے ہی خالی ہوتے جن پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی اور علامت ہوتی۔ ان سے اچانک جا کر اُٹھاتے۔ اگر اس کو امر والا تیر ہاتھ لگتا تو سفر کو چلے جاتے اور سمجھتے کہ اس میں بھلائی ہے اور اگر نہی والا تیر ملتا تو سفر سے رُک جاتے اور سمجھتے کہ سفر میں نقصان ہوگا۔ اگر خالی تیر ہاتھ آتا تو پھر اِن تیروں کو دوبارہ اُٹھاتے۔ استقسام بالازلام کا بھی یہی معنے ہے کہ اس سے قسمت آزمائی کرکہ اس میں بھلائی ہے یا بُرائی ازلام زلم کی جمع ہے۔

رِجْسٌ ،، گندگی یعنی وہ امر کہ جس سے عقول کو کراہت و نفرت ہو۔ یعنی عقول سلیمہ اس سے نفرت و کراہت کریں۔

فائدہ : رجس و نجس ایک شئ ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ نجس اُن چیزوں کے لئے مستعمل ہوتی ہے کہ اس کی گندگی سے نفرت ہو اور رجس وہ گندگی جس سے عقل نفرت اور کراہت کرے۔ **فائدہ** : اُن معاصی کو بھی رجس اسی لئے کہا گیا ہے کہ جیسے عام گندگیوں سے نفرت کی جاتی ہے اُن سے بھی نفرت و کراہت کرنا واجب ہے۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ،، یہ رجس کی صفت ہے یعنی یہ جملہ امُور ان گندگیوں سے ہیں جو شیطان انہیں سنوار کر ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی امُور کا داعی اور رغبت دہندہ اور اُن کے ارتکاب کنندگان کے دلوں کے آگے مزین کر کے دکھاتا ہے۔ **فَاجْتَنِبُوْهُ** ،، پس تم اس رجس سے کنارہ کشی کرو **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو کامیابی کی اُمید رکھتے ہیں اور اجتناب بمعنے کسی شئ سے ایک طرف ہو جانا۔ **مسئلہ** : یہ امر تقریبًا وجوب کے لئے ہے۔

۹۱/۵ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ

بے شک شیطان کا ارادہ ہے کہ تمہیں خمر و میسر کا مُرتکب بنا کر تمہارے مابین بغض و عداوت ڈال دے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اُن کے استعمال سے دُنیا کے بہت بڑے فسادات برپا ہوتے ہیں۔

شراب نوشی کی خرابی : شراب نوشی میں عداوت یُوں اُٹھتی ہے کہ شرابی لوگ جب شراب پی کر مخمور ہوتے ہیں تو آپس میں خوب جھگڑتے اور پھر لڑ مرتے ہیں جیسے ایک انصاری نے شراب پی کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو اونٹ کی ہڈی ماری تو وہ زخمی ہو گئے تھے۔

قمار بازی کی خرابی : قمار بازی میں عداوت یُوں پیدا ہوتی ہے کہ ایسے لوگ مال، اہل و عیال کی بھی شرط لگا دیتے ہیں۔ اور جب اُن میں ایک کامیاب ہو گیا تو دُوسرا اس پر کڑھتا رہا اور اپنے حریف کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُشمن بن گیا۔

فائدہ : عداوت و بُغض میں فرق یہ ہے کہ ہر عداوت بغض ہے، لیکن ہر بُغض عداوت نہیں گویا ان میں عموم و خصوص کی نسبت ہے اس معنے پر ہر عداوت میں بُغض ہے، لیکن ہر بغض میں عداوت نہیں۔

فائدہ : فِي الْخَمْرِ يُوْقِعُ کے متعلق ہے اس لئے کہ لفظ فی یہاں سببیت کا معنیٰ دیتا ہے۔ جیسے حدیث شریف : ان امرأةٌ دَخَلَتِ النَّارَ فِي هِرَّةٍ میں فی سببیہ ہے یعنی وہ عورت بلّی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ شیطان تمہارے مابین شراب و قمار کی وجہ سے عداوت اور بغض ڈالتا ہے۔

سوال : مومن کو ازلام و انصاب وغیرہما کی نہی کا کیا مطلب اس لئے کہ وہ اِن امُور کا ارتکاب نہیں کرتا، اگرچہ تاحکم جواز شراب و قمار کا استعمال کیا گیا۔

جواب : اگرچہ نہی سے مقصود صرف شراب و قمار تھے! لیکن اس میں تنبیہ مطلوب ہے کہ خمر و قمار بھی خرابیوں کے لحاظ سے ازلام و انصاب سے کچھ کم نہیں۔ پس اے مومنو! جیسے تم ازلام و انصاب کو بہت بُرا سمجھتے ہو۔ ایسے ہی یہ شراب و قمار بھی ہیں۔

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ،، اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں شراب و قمار دینی امور میں بہت خلل ڈالتے ہیں۔ اس لئے کہ شراب سے طرب و مستی پیدا ہوتی ہے اور لذتِ جسمانیہ اور شہوت نفسانیہ شراب سے نشوونما پاتی ہیں اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اسی طرح قمار بھی کہ اُس کا انہماک بھی عبادت سے غفلت کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ اپنے حریف پر غلبہ پا جائے تو بھی اُسے حرص ہوتا ہے کہ کام بن رہا ہے۔ اسے مکمل کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سے غفلت چھا جائے گی تو عبادت و ذکر و فکر اور نماز چلی جائیگی اور اگر مغلوب ہو رہا ہے تو بھی چاہیگا کہ نماز و عبادت وغیرہ جاتی ہے تو جانے دو میں اپنے حریف سے بدلہ لوں گا۔ اس طرح سے نماز اور روزہ و ذکر وغیرہ سے محروم ہو جائے گا۔

سوال : نماز کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ ذِکر اللہ میں داخل ہے۔

جواب : اس کی اہمیّت اور عظمتِ شان کی وجہ سے۔ علاوہ ازیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اسے ادا نہیں کرتا وہ گویا لذتِ ایمان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ نماز ایمان کا ستون ہے۔ **فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ** ٥ پس کیا اس سے رُکنے والے ہو یا نہ۔ یہ جُملہ لفظاً استفہام اور معنیً امر ہے۔ گویا یوں حکم ہُوا کہ **اِنْتَهُوْا** ،، یعنی اِن جُملہ امُور سے پُورے طور رُک جاؤ۔

نکتہ : علمِ بلاغت میں نہی کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے کہ فعل کے روکنے کے لئے اس میں زیادہ تاثیر ہے۔

فائدہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہی حکم سُنا تو کہا: اے اللہ ہم ان امُور سے پُورے طور رُک گئے۔ **فائدہ** : ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد کے بعد ہی شراب کی تحریم کا حکم نازل ہُوا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ،، اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اُن امُور میں جن کے تم مامُور ہو۔ اس کا **اِجْتَنِبُوْا** پر عطف ہے۔ **وَاحْذَرُوْا** اور جن باتوں سے تمہیں روکا گیا ہے اُن سے رک جاؤ!

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ،، پس اگر تم فرمانبرداری اور اطاعت سے اعراض کرو!

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ٥ جان لو کہ بیشک ہمارے رسُول علیہ السلام کے

ذمہ صرف تبلیغ ہے اور وہ اسے سرانجام دے چکے۔ اب وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہیں اور تمہارے اُوپر حجت قائم ہوگئی اور تمہاری عذر داریاں بیکار ہوگئیں۔ اب تمہارے لئے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ **نکتہ** : خمر و قمار کا ذکر بتوں کے ساتھ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ شراب خوری و قمار بازی بھی بُت پرستی سے کچھ کم نہیں۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شارب الخمر کعابد الوثن "، شرابی بُت پرست کی طرح ہے۔ حدیث مذکور کی آیت مذکور سے تائید ہوتی ہے۔

شراب خوار کی مذمّت کی احادیث مُبارکہ

حدیث شریف ۱ : جس نے دُنیا میں شراب پی تو اُسے قیامت میں سانپوں اور بچھوؤں کی زہر پلائی جائے گی۔ جب وہ زہر پیئے گا تو اُس کے چہرے کا چمڑہ مردار جانور کی طرح اُدھیڑا جائے گا۔ اُس سے ایسی بدبو اُٹھے گی کہ تمام اہلِ محشر اس سے ایذاء پائیں گے جو شخص دُنیا میں شراب کا ایک گھونٹ پیئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جہنم کی پیپ پلائے گا۔ **حدیث شریف ۲** : اللہ تعالیٰ شراب اور شرابی اور شراب پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور جس کے لئے نچوڑا جائے اور اٹھانے والے اور جس کے لئے اُٹھایا جائے اور جو اسے بیچ کر اس کی قیمت کھاتا ہے سب پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث شریف ۳ : جو شخص شراب پیتا ہے۔ بعد اس کے کہ اسے حرام کر دیا ہے تو وہ نکاح کرنا چاہے تو اسے کوئی نکاح کے لئے لڑکی نہ دے اور جب وہ بات کرے تو اُس کی تصدیق نہ کی جائے اور جب وہ سفارش کرے تو اُس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور نہ ہی اُسے کسی امانت پر امین مقرر کیا جائے۔ جس نے ایسے آدمی کے ہاں امانت رکھی اور اسے اُس نے ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے واپس نہیں کرے گا۔

حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ؎

(۱) بے نمکی داں جگر آمیختہ — بر جگر بے نمکان ریختہ
(۲) بے خبر آں مرد کہ چیزے چشید — کش قلم بے خبرے در کشید

ترجمہ : (۱) جگر آمیختہ کو بے نمک جان کی جگر پر نمک چھڑک دیا گیا ہے یعنی زخم اور مچل گئے۔
(۲) وہ مرد بے خبر ہے کہ کچھ نہ چکھا اس لئے کہ اُس نے بے خبری میں قلم کھینچا۔

تفسیر صوفیانہ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو حقیقی ہے۔ جو قلم عنائت کے ساتھ حق سے ازل میں نصیب ہُوا۔ جس کی فطرت ہی طاعت و فرمانبرداری اور تواضع ہے جیسے ملائکہ کی فطرت ہے۔ اس کی ضد خواہش نفسانی ہے وہ اُخریات خلق میں سے ظلمانی، نفسانی اور سفلی ہے۔ اس کی فطرت تمرّد و مخالفت اور اپنے رب کی طاعت و عبادت سے انکار و استکبار ہے جیسے شیطان کی عادت ہے۔ جب شرابی شراب پیتا ہے تو اس کی عقل کا نور مغلوب ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ راہِ حق کی طرف ہدائت نہیں پا سکتا۔ پھر اس پر خواہشات نفسانیہ کی اندھیریاں چھا جاتی ہیں۔ اس سے اس کا نفسِ امّارہ ہو کر اسے خواہشات نفسانیہ پر اُبھارتا ہے۔ اس وجہ سے وہ جمیع لشہوات نفسانیہ و لذات حیوانیہ کا مُرتکب ہو کر خواہشات نفسانیہ کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے شیطان اُس پر قابو پا لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے تمام غلطیاں کرا لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوتی ہیں اسی لئے حضور علیہ السّلام نے فرمایا : الخمر ام الخبائث ،، شراب تمام خبائثوں کی جڑ ہے۔ اس لئے کہ تمام خبائثیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ قمار بازی اس لئے حرام ہے کہ اس سے صفات مذمومہ نفس میں اُبھرتی ہیں۔ مثلاً حرص، بُخل، کبر، غضب و عداوت، بغض، حِقد، حسد وغیرہ وغیرہ اور انہی صفات سے بندہ سیدھے راستہ سے بھٹک کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

انصاب ،، وہ ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے ماسواء پرستش ہوتی ہے انہیں کی پرستش سے بندہ مشرک ہو جاتا ہے۔

ازلام ،، وہ اشیاء ہیں۔ جن سے بھلائی، بُرائی وغیرہ کی اُمید سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے نفع اور ضرر بالذّات صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر فرمایا : رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ،، یعنی اشیاء مذکورہ بالا خبیث ترین چیزیں اور شیطان کے اعمال سے ہیں کہ انہی سے شیطان انسان کو گمراہ کرکے راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے بھٹکاتا ہے۔

فَاجْتَنِبُوهُ ،، پس تم اے ایمان والو شیطان سے بچو اور اس کے وساوس قبول نہ کرو اور اُس کے تمام اعمال خبیثہ کو بالکل ترک کر دو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ تاکہ شیطان کے مکر و فریب اور اُس کی تمام خبائثوں سے بچ جاؤ! (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۱۱: لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ ،، نہیں ایمان والوں پر کوئی گناہ اور حرج فِيمَا طَعِمُوا ،، اس میں جو کچھ اُنھوں نے کھایا پیا ہے۔

مسئلہ : شراب اور قمار بازی سے جو مال حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی وہ بھی

جائز ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِذَا مَا اتَّقَوْا ،، جبکہ وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،، ایمان اور اعمال صالحہ پر مداومت کرتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا ،، اس کا عطف پہلے اَتَّقَوْا پر ہے اور یہ بھی اس شرط میں داخل ہے یعنی جب وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل اُن کا استعمال ان کے لئے مباح تھا۔ وَّاٰمَنُوْا اور ان اشیاء کی تحریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا پھر وہ اشیاء محرمہ کے استعمال سے بچتے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل اُن کے لئے وہ اشیاء مباح تھیں۔

ازالۂ وہم : یاد رہے کہ یہ تکرار (اتقاء) اس لئے ہے کہ اُن کے لئے اشیاء کی اباحت تدریجاً تدریجاً منسوخ ہوئی۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ جتنی اشیاء اس حکم سے پہلے تمہارے عمل میں تھیں اس سے منسوخ ہوئیں۔ اب اُن سے بچو۔ پھر اشیاء مباح رہ گئیں۔ اس کے بعد وہ منسوخ ہوئیں وغیرہ وغیرہ وَّاَحْسَنُوْا ،، اور نیکی کرو یعنی اعمال صالحہ جو عند اللہ حسن و جمال رکھتی ہیں۔ اس میں وہ اعمال شامل ہوگئے جو قلب اور جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے کہ اُن سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کرے گا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ جو نیکی کرتا ہے تو وہ محسن ہوجاتا ہے جو محسن ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : احسان کی تعریف اَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ،، حضوریٔ قلب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ احسان مشاہدہ کا ایک مرتبہ ہے کہ جب انسان ایمان غیبی سے ترقی کرتا ہے تو اسے ایمان شہودی نصیب ہوتا ہے پھر وہ بالکل فناء فی اللہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اطلاق کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اس پر اُس کی ترقی کی منزلیں اتمام پر پہنچتی ہیں۔ اس مقام پر اسے کھانے پینے وغیرہ کی تمام اشیاء مُباح ہوتی ہیں۔ کوئی دُنیا کی شئ اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اس لئے کہ اس نے اپنے تمام شرائط کو مکمل کرلیا۔

تنبیہہ ع ۱ : لیکن یاد رہے کہ اُس پر پھر کسی دُوسرے آدمی کا قیاس نہ کرنا چاہیئے۔

تنبیہہ ع ۲ : یہ بھی یاد رہے کہ ہر اہل احسان کو مُحسن کہا جاسکتا ہے۔ کسی کے ساتھ یہ لفظ مخصوص نہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچنے والا محسن اور لائق تحسین و آفرین ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) محستاں مُردند و احسانہا بماند — اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند

(۲) ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا — وائے جانے کو کند مکر و دہاں

(۳) گفت پیغمبر خنک آں را کہ او ‏ شُد زِ دُنیا ماند از و فعل نکو
(۴) مَرد مُحسن لیک احالش نمُرد ‏ نزد یزداں دین واحسان نیست خرد
(۵) وائے آں کو مرد و عصیانش نمرد ‏ تا پنداری بمرگ او جاں ببرد

ترجمہ: (۱) مُحسن اگر فوت ہو گئے، لیکن ان کا احسان زندہ ہے اسے مبارک ہو جس نے احسان کا گھوڑا دوڑایا
(۲) ظالم مر گئے لیکن ان کے ظلم باقی رہ گئے۔ اس جان کا بُرا ہو جو مکر و ظلم کا کام کرتی ہے۔
(۳) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے مبارک ہو جو دنیا سے چلا گیا لیکن اس سے نیکی یادگار رہی۔
(۴) لیکن مرد محسن نہیں مرتا۔ اللہ کے نزدیک دین و احسان معمولی شے نہیں۔
(۵) اسے افسوس ہے کہ خود مر گیا لیکن اس کے گناہ نہ مرے۔ یہ خیال مت کرنا کہ وہ موت کے ساتھ جان سلامت لے گیا۔

عشرہ ذُوالحج میں صدقات کے فضائل

(۱) مروی ہے کہ جو شخص ان دس دنوں میں کسی مسکین کو صدقہ دیتا ہے تو گویا اُس نے تمام انبیاء رُسل کرام علیہم السلام کو نذرانہ پیش کیا۔
(۲) جو شخص اِنہی دنوں میں کسی مریض کی طبع پُرسی کرتا ہے تو گویا وہ اولیاء اللہ اور ابدال کی خدمت میں طبع پُرسی کے لئے حاضر ہُوا۔
(۳) جو شخص اِنہی دنوں کسی مُسلمان کے جنازے میں شریک ہُوا تو وہ گویا جمیع شہدائے بدر کے جنازوں پر حاضر ہُوا۔
(۴) اور جو شخص کسی مومن کو کپڑا پہناتا ہے تو قیامت میں اسے اللہ تعالیٰ بہشتی پوشاک پہنائے گا۔
(۵) جو شخص انہی اَیام میں کسی یتیم پر مہربانی کرے تو قیامت میں اُسے اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ تلے جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۶) جو شخص اِنہی دِنوں اہلِ علم کی مجلس میں بیٹھے گا۔ تو وہ گویا انبیاء و رسل کی مجلس میں حاضر ہُوا۔ (روضۃ العلماء)
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎
باحسان آسودہ کردن دِلے ‏ ؛ بہ از الف رکعت بہر منزلے
ترجمہ: احسان سے ایک جان کو آسودہ کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل میں سخت قحط پڑا۔ تو ایک فقیر نے کسی گلی کوچے میں جا کر صدا برخواست کی۔ اس محلّہ میں ایک دولتمند رہتا تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ
وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ
اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ
النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ
طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ
عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿١٣﴾
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿١٤﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ
وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٥﴾
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦﴾ مَا عَلَى
الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١٧﴾
قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨﴾ ع

ترجمہ : اے ایمان والو! ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا۔ ایسے بعض شکار سے جس تک تمہارا ہاتھ اور نیزے پہنچیں کہ اللہ پہچان کرا دے ان کی جو ان میں بن دیکھے ڈرتے ہیں اس کے بعد جو حد سے بڑھے اس کے لئے دردناک سزا ہے[۱۲]۔ اے ایمان والو! شکار نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور مویشی سے دے تم میں سے دو ثقہ آدمی

اس کا حکم کریں قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی یا کفارہ دے چند مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال چکھے۔ اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا حلال[۱۳] ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسلمانوں کے فائدہ کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا جانور جب تک تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اُٹھنا ہے[۱۴]۔ اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کے باعث کیا اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو یہ اس لئے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں[۱۵] اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۱۶]۔ رسول پر نہیں مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو[۱۷] تم فرما دو کہ گندہ اور ستھرا برابر نہیں، اگرچہ تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو تاکہ تم فلاح پاؤ[۱۸]

اور کہا مجھے راہ للہ کچھ عطا کرو اس گھر سے ایک نوجوان لڑکی فقیر کے لئے روٹی لائی۔ راستہ میں وہی دولتمند ملا اور کہا کہ گداگر کو روٹی کس نے دی۔ لڑکی نے کہا میں اپنے گھر سے روٹی لائی ہوں۔ دولتمند کو غصہ آگیا۔ اُس نے اس لڑکی کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا پھر وہی دولتمند مفلس ہوگیا اور چند دنوں کے بعد وہ فوت ہوگیا۔

پھر دوسرے دولتمند نوجوان نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اپنے گھر لے گیا۔ جب رات ہوئی تو لڑکی نے اپنے اس خاوند کے ہاں کھانا پیش کیا تو بائیں ہاتھ سے۔ شوہر نے کہا دائیں سے دو، لیکن اس کا دایاں ہاتھ نہ تھا نہیں اس لئے اُس نے پھر دوبارہ بایاں ہاتھ پھیلایا۔ اسی طرح پھر تیسری بار۔ شوہر کا اصرار تھا کہ وہ دائیں ہاتھ سے دے۔ لڑکی کی لاج رکھ لی گئی کہ غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ تم سیدھا پھیلاؤ۔ جس ربِّ کریم کے لئے تم نے فقیر کو روٹی دی تھی اس مالک نے تیرا ہاتھ تجھے واپس لوٹا دیا ہے؛ چنانچہ دایاں ہاتھ پھیلایا تو بفضلہٖ تعالیٰ اس لڑکی کا ہاتھ صحیح سالم تھا۔ اس طرح سے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا (کذا فی روضۃ العلماء) ؎

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ ÷ اگر ماہی نہ داند داند خدا

ترجمہ: اے بادشاہ تو پانی دے کر نیکی کر اگر مچھلی نہیں جانتی خدا تو جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ١١/٥: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا،، یہ آیت عام حدیبیہ میں ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی۔ حدیبیہ (بتخفیف الیاء الاخیرہ۔ کبھی اسے مشدد بھی پڑھتے ہیں) مکہ شریف کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام کو لے کر مدینہ طیبہ سے چل پڑے اس وقت صحابہ کی جماعت ایک ہزار پانچ سو پینتالیس افراد پر مشتمل تھی۔ جب حدیبیہ میں اُترے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار سے آزمایا اس لئے کہ وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے۔ وحشی جانوروں کی یہ حالت تھی کہ وہ اُن کے سامان کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ کرام کے لئے اُن کا پکڑنا آسان ہو گیا۔ اگر انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے یا تیر مار کر شکار کر لیتے تو ان کے لئے مشکل نہ تھا؛ چنانچہ بعض حضرات نے اس کا ارادہ بھی کر لیا تو یہ آیت اُتری لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ،، (یہ بَلُوَّۃٌ بَلُوًّا سے مشتق ہے بمعنی خَبَرْتُہٗ وَ اَخْبَرْتُہٗ) یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جو تمہاری آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ تمہارے حالات معلوم کرے۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ،، تھوڑی اور حقیر شئ کو حرام کر کے جیسے شکار۔ یہاں الصید بمعنی المَصِیْدُ۔ یعنی شکار کردہ شئ مراد ہے۔ اس معنی پر مِن قَطْعًا بیانیہ ہے اس سے جنگل کے شکار مُراد ہیں۔ ماکول ہو یا غیر ماکول۔ ماسوائے اُن کے کہ جنہیں شرعًا مُستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس تقریر پر لام عہدی ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ پانچ فواسق حل و حرم ہر جگہ مارے جائیں (۱) سانپ۔ (۲) بچھو (۳) کوا (۴) چوہا (۵) الکلب العقور یعنی بھیڑیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے یعنی الکلب العقور کے بجائے ذئب (بھیڑیا) وارد ہوا ہے۔ تنالہٗ

اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ کہ اس شکار کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے تیر پہنچیں۔ یعنی اُنہیں تم ہاتھ سے پکڑو یا تیر وغیرہ سے قتل کرو۔

(ف) لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ ،، کی تاکید قسمی ہے۔ یعنی شکاری جانوروں کا اُن سے مانوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں آزمایا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مُبتلیٰ بہ کا وقوع محقق ہوچکا ہے۔ جیسے ابتلا سے پہلے یہ شکاری پھر رہے تھے اب بھی ویسے ہی پھر رہے ہیں اور شئ کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے وہ اِس لئے کہ آزمائش اتنی سنگین نہیں کہ جسے سُن کر تم گھبرا جاؤ یا اُس کی تعمیل میں کوئی تکلیف ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کی قتل نفس و اتلاف مال سے آزمائش ہوئی بلکہ یہ آزمائش اس طرح ہے جیسے اہلِ ایکہ کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ گویا انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم اِس آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو پھر تم اس سے سخت تر آزمائش میں کس طرح کامیاب ہوسکوگے۔

لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ج ،، اللہ تعالیٰ سے خائف ہونے کا یہ معنے ہے کہ اُس کے عذاب سے خوف کیا جائے۔ بِالْغَیْبِ یَخَافُہٗ کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مُراد ہے اور لِیَعْلَمَ میں علم بمعنی تمیز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تمہاری آزمائش اس لئے کی گئی ہے تاکہ امتیاز ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذابِ آخرت سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔ یہ اُس کی قوتِ ایمان کی دلیل ہے کہ باوجود دیکہ وہ شکار آسانی سے پکڑ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے شکار نہیں کرتا۔ بخلاف اس کے کہ اسے خوفِ خداوندی نہیں کہ وہ شکار کو پکڑتا ہے۔ یہ اُس کے ضُعفِ ایمانی کی دلیل ہے۔

سَوَال : یہاں پر علم بمعنی تمیز کیوں ؟

جواب : اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو لاعلمی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے لئے تجدد و تحدث ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مذکورہ بالا امر ممتنع ہیں۔ ایسے ہی اس کی صفات کے لئے بھی ممتنع ہے اور یہاں یہ مذکورہ بالا اُمور لازم آتے تھے۔ اس لئے مجازاً علم کو بمعنی تمیز استعمال کیا گیا ہے۔ یا یہاں پر علم بمعنے ظہور ہے یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے ؛ چنانچہ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں علم ظہور اور وقوع المعلوم کے معنی میں ہے۔ اور ابو سعُود (مفسر) نے بھی ایسے ہی کہا ہے کہ علم یہاں پر اپنے اصلی معنیٰ میں نہیں۔ بلکہ اپنے لازمی معنیٰ میں مستعمل ہُوا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عمل مذکور کے بعد جزاء کیا ہے (ثواب یا عقاب) اس جُملہ سے اصلی مُراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غائبانہ خوف کرنے پر ترغیب دلائی ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ ،، جب اُسے معلوم کرا دیا گیا کہ شکار کو آسان کردیا۔ صرف تمہاری آزمائش کے لئے ؛ ورنہ شکار عمُوماً تمہارے ڈر سے بھاگ جاتا ہے لیکن اب تمہارے ساتھ پھرتے ہیں تو تم خود کچھ

سکتے ہو کہ اس میں کوئی حکمت ہے اور وہ یہی کہ اس سے تمہارا امتحان لینا مطلوب ہے اس کے باوجود پھر بھی کوئی شکار کر لیتا ہے تو سمجھو کہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ ایسا شخص عمداً البغاوت کر رہا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی اور اُسے معمولی شئے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلا اور اُس کے خوف و خشیت سے بالکل خالی ہو گیا۔ یہاں پر عذاب سے آخرت کا عذاب مُراد ہے، لیکن یہ اُس وقت ہے جب اُس نے توبہ نہ کی یا اُس کی سزا نہ پائی ہو اور نہ ہی زندگی میں اس کا کفارہ ادا کیا ہو۔ ایسے مُجرم کی دُنیا میں یہ سزا ہے کہ اُس کے کپڑے اُتار کر اس کے اعضاء پر مختلف جگہوں پر سخت کوڑے لگائے جائیں لیکن چہرہ اور سر اور فرج پر کوڑے نہ مارے جائیں۔ اس سزا کے بعد اُسے کفّارہ بھی ادا کرنا لازمی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ،، آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اپنے پیاروں کو لہو و لعب آوارہ لوگوں کو دیتا ہے۔ اس سے وہ عشاق مراد ہیں جو دُنیا کی لذّات و شہوات سے اپنے آپ کو بچاتے اور وصول اللہ کا حج اور وصالِ الٰہی کا عُمرہ کرتے ہیں۔ لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ عشاق کو خطاب ہے کہ تمہارا سلوک طے کرتے وقت امتحان ہوگا۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ ،، شکار سے مطالب نفسانیہ حیوانیہ اور مقاصدِ شہوانیہ دنیویہ مراد ہیں۔ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ ،، اس سے نفوس کی شہوات متعلقات اور لذّاتِ ابدان مُراد ہیں۔ وَ رِمَاحُكُمْ ،، اس سے مال و جاہ کے متعلقات مُراد ہیں۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ،، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ظاہر کرے کہ تم میں سے کون طلبِ حق میں مطالب و مقاصد کو چھوڑتا ہے اور اُسے خوف ہے کہیں شہود سے غائب اور منقطع نہ ہو جائے اور وہ ہمیشہ التفات للغیر سے بچتا رہتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ،، پس جو سالک طلبِ حق کے بعد مطالبِ دُنیویہ سے متعلق ہُوا۔ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تو اُسے دردناک عذاب ہے۔ مثلاً اسے مشاہدات سے محروم رکھا جائے گا اگر مشاہدات تک پہنچ بھی گیا تو اس کے آگے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُسے ذاتِ حق سے منقطع کر دیا جائے گا۔ (التاویلات النجمیہ)

حدیث رؤیائی

: اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ حضرت ابو عبداللہ شیرازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آپ فرما رہے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا راہ جانتا اور اُس پر چلتا ہُوا واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا سخت عذاب دے گا کہ کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہمنام فقیر حقی (غفر اللہ ذُنُوبَہ) **صاحب روح البیان قدس سرہ**

نے فرمایا : اس شخص کو اس لیئے سخت ترین عذاب میں مُبتلا کیا جائے گا کہ اسے جب یقین تھا کہ یہی راستہ حق اور موصل الی اللہ ہے تو پھر کیوں واپس لوٹا۔ اور اس راہ کا جاہل اور عالم برابر نہیں اور جو اس راہ سے واپس لوٹا۔ وہ امتحانات میں مُبتلا رہا۔

حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) قلب چوں آمد سیہ شد و از مان ⁂ زر درآمد شد زردی او عیاں

(۲) دست و پا انداخت زور ریونہ خش ⁂ در رُخ آتش ہمے خندد رخش

ترجمہ (۱) جب قلب سیاہ ہو کر خالی ہو جائے اس سے اس کی اصالت ظاہر ہو گئی

(۲) ہاتھ پاؤں کو غلاظت میں ڈالا۔ اس کے چہرے کو آگ کے آگے ہنسنے کا موقعہ ملے گا یعنی آگ میں جائے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل ⁂ کز گلشش تحمل خاری نمکینی

ترجمہ : مجھے ڈر ہے کہ تُو باغ سے پھول نہ لے سکے گا جبکہ تو پھول لیتے وقت اس کے کانٹے کا تحمل نہیں رکھتا۔

سبق : طالبِ صادق پر لازم ہے کہ وہ ریاضتوں کی مشق کرے اور شہوات سے اپنے نفس کو پاک کرے۔ جہاں تک ہو سکے حلال اشیاء کھائے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو زہر قاتل سمجھے۔

رُوحانی نسخے : نفس اور طبیعت کی اصلاح اگرچہ فضلِ الٰہی پر مبنی ہے، لیکن روزہ اور تقلیل طعام بھی بہترین اور بڑا مضبوط سبب ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ نے نفس کو سخت ریاضتوں میں مُبتلا رکھ کر پُوچھا۔ اب بتا میں کون ہوں اور تو کون۔ نفس نے جواب دیا کہ تو تو اور میں میں۔ پھر دوبارہ اُس کے تزکیہ میں لگ گیا۔ کئی حج پیدل کئے۔ پھر پوچھا تو وہی پہلا جواب دیا۔ اس کے بعد اور سخت ریاضتیں کیں اور کھانے پینے میں بہت کمی کر دی۔ چند روز کے بعد پُوچھا تو جواب میں کہا تو تو ہے، لیکن میں فنا ہو چکا ہوں۔ میرے وجود میں سے اب کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس طرح سے اس اللہ کے بندے کی جان چھُوٹی۔

نُکتہ : حضرت المولوی قدس سرہ سے پُوچھا گیا کہ کیا صُوفی بھی گناہ کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صُوفی اس وقت گناہ کرتا ہے جب بِلا ضرورت طعام کھائے اس لئے کہ سالک کے لیئے طعام بیماری بھی ہے اور دوا بھی۔ اے اللہ نفسِ امارہ کی اصلاح کے لئے ہماری مدد فرما۔

۱۳ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ "اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو"

تفسیر عالمانہ : حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الصید، ہر اس وحشی حیوان کو کہا جاتا ہے جس سے نفع اُٹھایا جائے۔ وہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اس سے فواسق کے ماسوا باقی تمام حیوانات مُراد ہیں۔ اور فواسق یہ ہیں: (۱) بچھو (۲) سانپ (۳) کوّا (۴) چوہا (۵) کلب عقور (بھیڑیا وغیرہ)۔ اِن کو حل و حرم ہر جگہ قتل کر دینا جائز ہے۔

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ حرام کی جمع ہے اس سے مُحرِم مراد ہے اگرچہ وہ حل میں ہو۔ اُس کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح جو حرم کے اندر ہو۔ اگرچہ احرام نہ باندھا ہو کہ شکار نہ کریں خواہ حل میں ہو یا حرم میں۔ ہتھیار سے ہو یا ہتھیار کے بغیر شکاری کتے سے ہو یا پرندے سے ہر جگہ اور ہر حال میں مُحرم اور غیر محرم کو حرم میں شکار کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ : احرام نہ باندھا ہو (جسے حلالی کہتے ہیں) اسے حرم سے باہر ہر جگہ شکار کرنا جائز ہے لیکن مکہ شریف کے حرم کے اندر ناجائز ہے اور حرم مکہ از جانب مشرق چھ میل اور از جانب ثانی بارہ میل اور از جانب ثالث اٹھارہ میل اور از جانب رابع چوبیس میل ہے۔ یہ فقیہ ابوجعفر کا قول ہے۔

(نکتہ) ایسے شکار کے لئے لفظ قتل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ایسا شکار بمنزلہ مردار کے ہے۔

مسئلہ : ہر وہ شکاری جانور جسے محرم قتل کر دے تو وہ غیر مذبُوح کے حکم میں ہے اور ہر غیر مذبوح جانور کا کھانا ناجائز ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ تم شکاری جانور نہ کھاؤ، حالانکہ تم محرم ہو۔

وَمَنْ یہ مَنْ شرطیہ ہے۔ **قَتَلَهٗ** اور وہ جو شکار کو قتل کرتا ہے اس سے معہود شکار مُراد یعنی جنگلی شکار (جانور) ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ درانحالیکہ قاتل "مِنْكُمْ"، تم اہلِ ایمان میں سے ہو یعنی شکار کو قتل کرنے والا مُسلمان ہو۔

(نکتہ) اس مسئلہ کو ایمان کی قید لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ممنوعات الٰہیہ سے رُک جائے۔

مُتَعَمِّدًا "، یہ بھی قتلہ کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی وہ قتل کرنے والا شکار کو جان بُوجھ کر قتل نہ کرے یعنی وہ جانتا ہو کہ وہ اس وقت حالت احرام میں ہے۔ اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔

سوال : عمد کی قید لگانا بے سود ہے اس لئے کہ حالت احرام میں عمداً شکار کرے تب بھی مجرم ہے اور اگر خطأ کرے تب بھی۔

جواب : اصل حکم تو عمد کے لئے ہے، لیکن خطاء کو بھی اس حکم میں شامل کر دیا گیا ہے (زجرًا و توبیخًا) تاکہ آئندہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

فَجَزَآءٌ ،، یعنی ایسے شخص پر جزاء اور فدیہ ہے ۔ مِثْلُ ،، اس کے مثل کہ جس نے قتل کیا ہے ۔ یہ جزائٌ کی صفت ہے ۔

مسئلہ : حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مثل باعتبار قیمت کے ہے نہ باعتبار مقتول جانور کی خلقت اور جثہ کے ۔ جس شکار کو قتل کیا گیا ہے اس کی قیمت کا اعتبار اسی علاقہ کے مطابق ہوگا جہاں وہ شکار قتل کیا گیا ہے کہ اس حیثیت کا جانور کتنے میں بیچتے اور خریدتے ہیں ۔

مسئلہ : شکار کردہ مقتول جانور کی قیمت اگر مکمل قربانی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اب شکار کے قتل کرنے والے کو اختیار ہے چاہے تو قربانی کا جانور خرید کر کے اس جانور کو حرم میں ذبح کرے ۔ چاہے تو اس کی گندم یا جو یا کھجوریں خرید کر کے ہر ایک مسکین کو فطرانہ کے مطابق نصف صاع یا صاع کے برابر دیدے ۔ چاہے تو ہر مسکین کے طعام کے بجائے ایک ایک روزہ رکھے ۔ لیکن جو طعام مسکین کے نصاب کو پورا نہیں ہوتا بلکہ تھوڑا ہے تب بھی اس کے لئے کامل روزہ رکھنا ہوگا ۔

مِنَ النَّعَمِ ،، یہ مِنْ بیانیہ ہے کہ خرید کردہ جانور کا بیان کرنا مطلوب ہے یعنی اگر کسی سے یہ جرم ہو جائے کہ وہ بحالت احرام شکار کرلے تو اس کا بدلہ اسے جانوروں سے دینا لازم ہے ۔

فائدہ : لغت میں نعم اُونٹ ، گائے اور بکری پر بولا جاتا ہے ۔ جب اُونٹ مقرر ہو جائے تو بھی اُس کے لئے کہیں گے : اِنَّہا نعمٌ ،، اسی طرح گائے کے لئے بھی ، لیکن بکری کے لئے علیحدہ نہیں ۔ ویسے مجموعی طور پر نعم کے حکم میں داخل ہے ۔

یَحْکُمُ بِہٖ ،، اس قتل کردہ شکار کے بدلے کا فیصلہ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ،، تم میں سے دو عادل مرد کریں یعنی اہل اسلام میں سے دو نیک اور سمجھدار جس طرح فیصلہ کریں وہی حکم نافذ کردو ۔ ھَدْیًا ،، ہدی اس قربانی کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیت اللہ شریف بھیجی جائے ۔ اُن میں سب سے چھوٹی بکری اور درمیانی گائے اور سب سے بڑی اُونٹ اور ھَدْیًا بِہٖ کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا مقدرًا اَنَّہٗ یُھْدِیْ ۔ (بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ) یہ ہَدْیًا کی صفت ہے اس لئے کہ نکرہ ہے ، کیونکہ یہ اضافت لفظیہ ہے ۔ اصل یُوں تھا ۔ بالِغًا الْکَعْبَۃَ ۔ اور کعبہ میں پہنچنے کا یہ مطلب ہے کہ اسے حرم شریف میں ذبح کیا جائے یہانتک کہ اگر یہی قربانی حرم سے باہر ذبح کر کے حرم شریف کے فقراء پر تقسیم کر دے تب بھی ناجائز ہے بلکہ ضروری اور واجب ہے کہ ایسے جانور کو حرم میں ذبح کر کے حرم کے فقراء میں جہاں چاہے تقسیم کرے ۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ۔

اَوْ کَفَّارَۃٌ یا کفارہ ادا کرے ۔ اس کا مِنَ النَّعَمِ کے محل پر عطف ہے ۔ اِس بنا پر کہ وہ مُبتدا محذوف کی خبر ہے اور مُبتدا اپنی خبر سے مل کر جزاء کی دُوسری صفت ہوگی ۔ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ ،، کفارہ سے عطف بیان ہے اُن کے

مذہب پر جو کہتے ہیں کہ عطف بیان میں ہر دونوں کا معرفہ ہونا ضروری نہیں ۔ یعنی وہ کفارہ مسکینوں کا طعام مقرر ہے۔ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یا اُس کے برابر روزہ رکھے ۔ اس کا عطف طعام پر ہے ۔ اب اس عبارت کا مفہوم یُوں ہُوا کہ ایسے قتل کئے ہُوئے شکار کی جزاء میں جانور قربان کرے یا مسکینوں کو طعام دے یا چند گنتی کے دن روزے رکھے ۔ اس سے ثابت ہُوا کہ مماثلت مذکور جزاء کے لئے وصف لازم ہے کہ جس کے لئے ہدی وطعام وصیام مقرر ہے ۔ ان میں سے دو پہلے بلا واسطہ ہیں اور تیسرا دوسرے کے واسطہ سے ہے جس نے شکار کو قتل کیا وہ ان میں سے جسے چاہے ادا کرے ۔

فائدہ : فراء نے فرمایا کہ العدل بالکسرہ ہر وہ شئے جو ہمجنس کی مثل ہو اور بالفتح ہر وہ شئے جو کسی دُوسری جنس کے مثل ہو ۔ نتیجہ نکلا کہ شئے کے عدل کا معنی یہ ہے کہ وہ شئ اس کی جنس سے اس کے برابر ہو جیسے روزہ اور طعام کھلانا اور اسی طرح وہ شئ جو اس کے مقدار میں برابر ہو ۔ خلاصہ یہ کہ اگر (العدل) بالفتح ہو تو اسم مصدر کے معنی میں ہوگا اور اگر بالکسر ہو تو مفعول کے معنی میں ہوگا ۔ اس کا طعام کی طرف اشارہ ہے ۔ صِیامًا عدل کی تمیز ہے ۔

مسئلہ : شکار کو قتل کرنے والے کو اختیار دینا امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے اور دو فیصلہ کنندگان کے سپرد کرکے وہ جو چاہیں یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ۔

لِيَذُوْقَ ،، یہ جار و مجرور مستقر وغیرہ محذوف ہے کے متعلق ہے یعنی اس پر جزاء اس لئے ہے کہ شکار کا قاتل چکھے ۔ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط اپنے امر کا وَبال یعنی اُس نے احرام کی حالت میں حرم کی ہتک کی ہے ۔ اس کی سزا اُسے بھگتنی چاہیئے ۔ دراصل وَبَال مکروہ اور اس ضرر کو کہتے ہیں جو بندے کو شامت اعمال نفس کی وجہ سے پہنچے ۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط ،، گذرا ہُوا عمل اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا ۔ یعنی احرام کھولنے سے پہلے جو اُس نے بحالت احرام شکار کو قتل کیا ہے ۔ وَمَنْ عَادَ اور نہی کے بعد جو احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرے گا اور یہ مَنْ شرطیہ ہے ۔ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ ،، پس اُس سے اللہ تعالیٰ بدلہ لے گا ۔

سوال : یہ جُملہ جزاء واقع ہے لیکن اس سے پہلے حرف شرط نہیں ۔

جواب : جب جُملہ فعلیہ اسم شرط جزاء واقع ہو تو اس کے لئے حرف شرط کا ہونا ضروری ہے ۔

سوال : فینتقمُ اللہ الخ سے پہلے فھو مُبتدا مقدر کیوں مانا جاتا ہے ۔

جواب : تاکہ فاء لغو نہ جائے ۔ اگر مُبتدا مقدر نہ ہوتا تو فاء جزائیہ لغو جاتی ۔

فائدہ : یہاں پر انتقام بمعنے تعذیب ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلہ لینے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت میں عذاب میں مُبتلا کرے گا ۔

مسئلہ : بعض کے نزدیک اس فعل میں اعادہ سے کفارہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ۔

جیسا کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل انتقام بمعنی بدلہ لینا اور اپنے حق کا انصاف طلب کرنا اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی آخرت کی سزا وغیرہ مراد ہوتی ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ" اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اُس کے غلبہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ **ذُوْانْتِقَامٍ** صاحبِ انتقام یعنی جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی سخت گرفت کرتا ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے خلیل مجھ سے ایسے خوف رکھو جیسے حملہ آور درندے سے خوفزدہ ہوتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنی تقدیر کا اجراء فرماتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ یہ نبی علیہ السلام ہے یا ولی[1] یا دشمن جیسے درندہ کہ جب حملہ کرتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ وہ اس کا نفع رساں ہے یا ضرر دہندہ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سخت ہے۔ اس سے مجرم کسی طرح نہیں بچ سکتا ہے جبکہ وہ انتقام اور قہر و جلال پر آتا ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے اس لئے کہ انسان وہی اُٹھاتا ہے جو کچھ بوتا ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے مثنوی میں فرمایا کہ ؎

جملہ دانند کہ اگر توانگری ؞ ہرچہ می کاریش روزے بد روی

ترجمہ : سب کو معلوم ہے کہ اگر تو تونگر ہے تو جو کچھ بوئے گا وہی اُٹھائے گا ،،

تعجب ہے کہ ضعیف انسان بہت بڑی قوت والے رب تعالیٰ کی بے فرمانی کر کے کیسے مقابلہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ غفلت کا نتیجہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت ..... کا خیال نہیں رہتا۔ اور نفس کی شرارت سے شہوات میں پھنس کر نافرمانی کر لیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ط میں ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام سے فارغ ہونے والوں کے لئے شکار کی اجازت اس لئے بخشی کہ وہ عوام ہیں۔ اُنھیں اعمال بدنیہ کی وجہ سے کمالات دینیہ پسند ہیں اس لئے کہ وہ اپنے دینی اُمور میں اس قدر ہمت رکھتے ہیں اور مُحرم پر اس لئے حرام فرمایا کہ وہ اہلِ محبت اور قُرب وصال کے کعبہ کی زیارت کی وجہ سے دُنیا کی لذتوں سے بے خبر ہیں۔ یعنی جس کے لئے ہم اپنا قرب چاہتے ہیں۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر لالچ و طمع کا مکمل طور قلع قمع کر دے۔ وہ ہر حال میں صرف قرب وصال کی طلب میں رہے۔ اسی لئے عارف کو سید الحق " کہتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ شکار صرف شکاری کو نصیب ہوتا ہے۔ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ " اور جو تم میں عاشق ہے اگر وہ دُنیا کی کسی شئ کی طرف التفات کرے۔ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ تو اُس کی سزا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو ریاضات و مجاہدات میں

---

[1] نبی اور ولی علی نبینا علیہ السلام کے لئے وہ گرفت محبوبانہ ہوتی ہے اور دُوسروں کے لئے مجرمانہ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

مبتلا کرے اور اس لذتِ شہوت کی مقدار نفس کو دُکھ اور درد پہنچائے۔

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ،، اس سے قلب اور رُوح مراد ہیں کہ جتنا قدر یہی دونوں اپنے ایمان سے اُس کے نفس کی سزا مقرر فرمادیں۔ مثلاً ریاضات شاقہ کے لئے یوں حکم کریں کہ نفس کو کھانے پینے سے باز رکھا جائے بقدر ضرورت تھوڑا سا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ عیش و عشرت سے محروم رکھا جائے علیحدگی اور خلوت میں بٹھایا جائے۔ حواس ظاہرہ کی ہر طرح کی ضرورت پر کنٹرول کیا جائے۔ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ،، یعنی اس کا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہو۔ یعنی ایسا عمل کرے کہ وہ بارگاہِ حق میں قبول ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق راضی ہو یا ناراض اُس کا اسے کسی قسم کا خیال تک نہ ہو۔ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ ،، یہاں پر مساکین سے عقل و قلب اور سر و روح اور خفی مُراد ہیں کہ انہیں اپنی رُوحانی غذا سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اُن کو یہ غذائیں مطلوب ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ (۲) مخلوق سے پُورے طور رُوگردانی (۳) دُکھ اور تکالیف پر صبر کے گھونٹ (۴) طبعی خواہشات سے دُور رکھنا (۵) جو کچھ مل جائے شکر کرنا (۶) ہر تقدیر پر راضی ہونا (۷) احکامِ ازلی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا۔ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ،، صیام سے نفس کو ملاحظہ اغیار اور پیارے دوستوں کی طلب اور اللہ تعالیٰ مالک کے غیر کے جھکاؤ سے روکنا مراد ہے۔ لِيَذُوْقَ تاکہ نفس امارہ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط اِن معاملات شاقہ جو اُس کی طبیعت کے خلاف ہیں سے درد و الم پاکر اپنے امر کا وبال چکھے یہ اس کی وہ سزا اور کفارہ ہے۔ جو اس نے شہوات کی لذتیں اور غفلت کی حاصل کیں۔ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط اللہ تعالیٰ نے اُن طالبانِ حق کو معاف کر دیا۔ جنہوں نے طلبِ حق سے پہلے غلطیاں کیں۔ وَمَنْ عَادَ اور جو دُنیا کے گورکھ دھندوں سے نکل کر راہِ حق کی طلب میں چل کر پھر دُنیا کی لذتوں اور اس کے تعلق میں لوٹا فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ،، تو اُسے دُنیا میں رُسوا کر کے اور آخرت میں خسارہ ڈال کر اُس سے بدلہ لے گا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ،، اور اللہ تعالیٰ نایاب ذات ہے اسے ہرگز نہیں مل سکے گا۔ جو دُنیا و آخرت کے تعلق میں لٹکا ہاں اُسے نصیب ہوگا جو قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر کے فکر سے دُور ہو۔

ذُوانْتِقَامٍ ؀ اپنے دوستوں سے بدلہ لیتا ہے کہ جتنا اُنھوں نے غیر کی طرف التفات کیا یا واسطہ رکھا ہوگا اُسی قدر کبریائی و عظمت سے پوشیدہ ہو کر حجابات میں رہے گا اور اپنے دشمنوں کو وُہی سزا دے گا۔ جو اُس نے خود بیان فرمائی۔ یعنی وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ،، ہم اُن کے قلوب اور ابصار بدل دیں گے۔

(التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) عاشقِ صنعِ توام در شکر و صبر ⁂ عاشقِ مصنوع کے باشم چو گبر

(۲) عاشقِ صنعِ خدا با فر بود ⁂ عاشقِ مصنوع او کافر بود

ترجمہ: (۱) تیری صفت کا عاشق ہوں صبر و شکر میں کافر کی طرح مصنوع کا عاشق نہیں ہوں

(۲) صنعت خدا کا عاشق کامیاب ہے صرف مصنوع کا عاشق کافر ہے

سبق: عاشق صادق پر لازم ہے کہ وہ التفات عن الغیر سے بچے اور اُس سے تعلق جوڑے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام بھلائیاں ہیں وہی توفیق دینے والا مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ[۱۴]: اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ ،، تمہارے لئے حلال ہے دریا کا شکار: یہاں صَید سے وہ شئے مُراد ہے جو شکار کے طور حاصل کی جاتی ہے وہ دریا میں ہو یا نہر یا چشمہ میں اور ہر وہ شئ جو صرف پانی میں گزار سکتی ہے وہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔

مسئلہ: ہر وہ جانور جو دریا میں بھی رہتا ہے اور جنگل میں بھی جیسے بطخ اور مینڈک اور سرطان اور کچھوا اور باقی تمام دریائی پرندوں کو شکار نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تمام مذکورہ جانور جنگلی شکار ہیں۔ ان کے قاتل پر جزاء واجب ہے۔

فاعدہ فقیہہ (۱): (۱) حضرت امام فخرالدین رازی نے فرمایا کہ جُملہ دَریائی شکار تین قسم ہیں (۱) مچھلی اور اس کے جمیع اقسام یہ حلال ہیں (۲) مینڈک اور اُس کے جمیع اقسام۔ یہ حرام ہیں (۳) اُن کے ماسوا پھر اس قسم ثالث کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مچھلی کے ماسوا باقی سب کے سب حرام ہیں اور اکثر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے عموم آیت کے اعتبار سے مینڈک کے سوا جملہ اشیاء کو حلال کہا ہے۔

قاعدہ فقیہہ (۲): حضرت محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پانی کے جملہ حیوانات دو قسم ہیں: (۱) مچھلی (۲) اس کے ماسوا۔ مچھلی مختلف اقسام کے باوجود حلال ہے۔ خواہ مری ہوئی ہو۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لئے دو مردار حلال ہیں (۱) مچھلی (۲) ٹڈی۔ **فائدہ**: ان کے مرنے کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ بلا سبب مرے تو حلال ہے۔ اگر کسی سبب سے مرے تو حرام ہے جیسے پتھر پر گر کر مرے یا پانی بند ہو جانے سے مر جائے وغیرہ وغیرہ۔ مچھلی کے علاوہ باقی چیزیں دو قسم ہیں (۱) وہ جو جنگل میں گزارتی ہیں جیسے مینڈک اور سرطان۔ ان کے جمیع اقسام حرام ہیں (۲) وہ جو صرف پانی میں گزارتی ہیں۔ جنگل میں نہیں جاتیں ان میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا سب حرام ہیں یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے بعض فرماتے ہیں کہ یہ سب مچھلی کی طرح حلال ہیں، کیونکہ وہ بھی مچھلیاں ہیں۔ اگرچہ اُن کی صُورتیں اور شکلیں مچھلی سے مختلف ہیں۔ (فائدہ) الحریث کو حیۃ الماء (پانی کا سانپ) کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی شکل سانپ کی طرح ہے لیکن اس کے باوجود باتفاق الائمہ اُس کا کھانا مباح ہے۔

وَطَعَامُہٗ ،، اور اس کا طعام یعنی دریا کا طعام اس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو دریا کی موجوں سے باہر آجاتی ہیں یا جب دریا کا پانی خشک ہو جائے تو اس سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

فائدہ : حضرت ابُوالسعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعامہ سے وہ طعام مراد ہے جو کھانے کے لائق ہے۔ اس معنی پر یہ آیت تعمیم کے بعد تخصیص کے قبیل سے ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ تمہارے لئے جائز ہے کہ دریا سے حلال شکاروں کو حاصل کرو۔ **مَتَاعًا لَّكُمْ** ،، یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت مولانا ابُوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صرف طعام سے مخصوص ہے اور طعامہ سے حال ہے جیسے لفظ نافلۃً آیت **وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً** ،، میں صرف یعقوب سے حال اور اس سے مخصوص ہے۔ یعنی تمہارے لئے دریا کا طعام حلال ہے۔ یہ صرف مقیمین کو نفع پہنچانے پر حلال کیا گیا تاکہ وہ تازہ گوشت کھائیں۔

وَ لِلسَّيَّارَةِ ،، اور مسافروں کے لئے تاکہ اسے خشک کر کے جہاں چاہیں لے جائیں **وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ** ،، اور تمہارے لئے جنگل کا شکار حرام ہے۔ اس سے وہ پرندے مراد ہیں جو انڈے دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات وہ پانی میں بھی بسر کرتے ہیں جیسے دریائی پرندے۔ **مَا دُمْتُمْ حُرُمًا** ،، جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ یہ **مَا** مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تمہاری وہ مُدت جبکہ تم احرام باندھے ہُوئے ہو۔

مسئلہ : اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ محرم کو بحالت احرام جنگل کا ہر شکار حرام ہے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو وہ بھی محرم کو نہ کھانا چاہیئے۔ اگرچہ اُس کا اس شکار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کا شکار محرم کو کھانا حلال ہے۔ اگرچہ اُس نے محرم کے لئے ہی کیا ہو۔ بشرطیکہ اُس کا اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ مثلاً اشارہ کنایہ سے شکار کا حکم نہ دیا نہ اس کی رہبری کی نہ اُس کی طرف اشارہ کیا۔ مثلاً احرام باندھنے سے پہلے جو شکار کو ذبح کیا ہو بعد احرام اسے کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب صرف احرام والوں کو ہے اب معنی یہ ہُوا کہ تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک تم احرام میں ہو۔ اس حکم سے غیر محرم کا شکار وغیرہ خارج ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ،، اللہ تعالیٰ کے تمام منع کردہ جرائم و معاصی سے بچو۔ منجملہ اُن کے احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ **الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ** ○ وہ کہ جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اُس کے غیر کی طرف نہیں کہ جس سے تمہیں پناہ مل سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ** ،، یعنی تمہارا مرجع اور منتہیٰ اس کی طرف ہے کہ جہاں اس کا حکم ہوگا۔ فرشتے تمہیں ہانک کر لے جائیں گے۔ اگر بہشت کی طرف فرمان ہوگا تو بہشت کی طرف ورنہ جہنم کی طرف۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہشت کا مشتاق ہوتا ہے تو نیک اعمال کی طرف رجوع رکھتا ہے اور جو جہنم سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو محرّمات سے بچاتا ہے اور جو دُنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے تو اس کے لئے مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

نسخہ رُوحانی : جو شخص موت کی سہولت چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ اعمال صالحہ کی جدوجہد کرے جو شخص ترک شہوات نہیں کرتا تو اس کا ربِ کریم اس سے راضی نہیں۔ خواہ کتنا ہی اطاعت کرے اور جو اللہ تعالیٰ سے غائبانہ نہیں ڈرتا تو اسے ظاہری تقوی کی علامات فائدہ نہیں دیں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) کافرم من گر زیاں گر دست کس ٭ دَر رہ ایمان وطاعت یک نفس

(۲) کارِ تقویٰ وارد و دین وصلاح ٭ کہ بداں باشد بدو عالم فلاح

ترجمہ : (۱) میں کافر ہوں اگر کسی کے نقصان کو دیکھوں ایمان و طاعت میں برابر رہنا ضروری ہے۔

(۲) تقویٰ و دین وصلاح لازمی ہے تاکہ دونوں عالم میں فلاح نصیب ہو۔

تفسیر صُوفیانہ : اُحِلَّ لَكُمْ میں اشارہ ہے کہ اے بحرِ حقائق میں غوطہ لگانے والو تمہارے لئے صَيْدُ الْبَحْرِ ،، دریا کا شکار حلال ہے۔ یعنی بحرِ معرفت سے جتنا مشاہدات و کشوف حاصل کر سکتے ہو وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ،، اور اس کا طعام تمہارے لئے اور مُسافروں کے لئے حلال ہے کہ تمہارے اُوپر جتنا واردات ربانیہ اور تجلیات صفاتیہ وارد ہوں انہیں جی بھر کر حاصل کر لو، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ" میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بسر کرتا ہوں، پھر جی بھر کر کھاتا پیتا ہوں۔ فلہٰذا اے رہروان راہِ حق تم بھی اس سے جتنا جی چاہے کھا پی لو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ،، یہ مشائخ اور اُن کے تربیت یافتہ عُلماء راسخین کے متعلق ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ ،، اور اے طالبانِ حق تمہارے اُوپر حرام ہے۔ صَيْدُ الْبَرِّ ،، اس سے سیر الی اللہ کے وقت جو دُنیوی و اُخروی مطالب درپیش آتے ہیں مُراد ہیں اور وہ دونوں یعنی مطالب دُنیوی و اُخرویہ سالکان راہِ حق کے لئے حرام ہیں۔ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ،، جب تک کہ تم کعبۂ وصول کی طرف متوجہ اور حضرۂ وصال سے تمہارا رابطہ قائم ہو۔ یہ اس لئے کہ عارف وکامل اور راہرو راہِ حق کی توجہ میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ جسے وصال نصیب ہوگیا تو وہ بالکل محو جاتا ہے۔ جسے دُنیا و آخرت کی کسی شئے کی خبر نہیں ہوتی۔ اور جو ابھی متوجہ ہے اُسے ہوش ہوتا ہے اسی لئے وہ اِدھر اُدھر کے خیال میں گھر جاتا ہے۔

(فلہٰذا ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے) علاوہ ازیں فانی فی اللہ کے افعال نہ اُس کے اپنے ہیں اور اور نہ اس سے صادر ہوتے ہیں اور جسے ہوش ہے اس کے افعال بھی اپنے ہیں اور اُس سے ہی صادر ہو رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اُس نے فنافی اللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے ساتھ سُنتا میرے ساتھ بولتا میرے ساتھ پکڑتا ہے اس بناء پر فرمایا : وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ،، یعنی جب تم مناسک وصول سے فارغ ہو کر مسالک اصُول پر چلنے شروع ہو جاؤ تو تمہارے سے احرام والوں کی جملہ مشقات اور مسافروں کی تمام تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر تمہارے لئے

لئے عاکفین بابِ اللہ کے لوازمات اور عتبۂ حق کے طواف کرنے والوں کے امور ثابت ہوجاتے ہیں؛ چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیٓ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ سے تقویٰ حاصل کرو کہ تم اس کی طرف جمع ہوگے اور ماسواسے نجات پاکر اسی کے ہاں پہنچو گے۔ تاکہ کامیابی کے بعد خسارہ میں نہ پڑو۔ (ہم کامیابی کے بعد خسارہ میں پڑنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) التاویلات النجمیۃ المسماۃ بحر الحقائق "۔

تفسیر عالمانہ

۱۵ : جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ "، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا۔

حل لغات : کعبہ کو تکعب یعنی مربع شکل ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے اور اہلِ عرب ہر اُس گھر کو جو مربع شکل ہو اسے کعبہ کہتے ہیں (گٹے) سے تشبیہ کی وجہ سے جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ ہے اس لئے کہ مربع شکل گھر کو کعب سے مربع ہونے کی ہیئت کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ زمین سے بلند ہونے کی وجہ سے کعبہ کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغوی لحاظ سے یہ خروج ارتفاع سے ہے۔ اسی لئے گٹوں کو کعب کہتے ہیں کہ قدم کے دونوں جانبوں سے بلند نکلا ہُوا ہے۔ اس لغت کے پیشِ نظر جب لڑکی قریب البلوغ ہو اور اُس کے پستان اُبھر آئیں تو اسے کاعب کہتے ہیں اور کعبہ کو اسی لئے کعبہ کہا جانے لگا کہ اس کا ذکر دُنیا میں بلند ہُوا اور دُنیائے عالم میں شہرت اُٹھی۔ اس بنا پر اس شخص کے لئے "فلان علا کعبہ" کہتے ہیں جس کی قدر و منزلت بڑھ جائے اور مشہور زمانہ ہو جائے۔

فائدہ عالمانہ : صاحب اسئلۃ الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیمی گھر کے چار ستون اسی لئے بنائے ہیں (حالانکہ اس کے تین ستون ہونے تھے)

فائدہ صوفیانہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کعبہ کو کعب (گٹے) سے تشبیہہ ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا گیا لیکن وضع موجودہ مؤمن کے قلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس کے چار خواطر ہیں (۱) الٰہی (۲) ملکی (۳) نفسانی (۴) شیطانی۔ کعبہ کا رکن حجرِ اسود بمنزلہ خاطر الٰہی کے ہے اور رکن یمانی بمنزلۂ خاطر ملکی کے ہے اور رُکن شامی بمنزلہ خاطر نفسانی کے ہے اور رکن عراقی بمنزلہ خاطر شیطانی کے ہے۔ اسی لئے شریعت کا حکم ہے کہ اُس کے قریب جانے پر اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ پڑھا جائے۔ کعبہ کے ہر رکن کا مرتبہ ذکر مشروع سے ہوتا ہے۔

فائدہ دیگر : اگر کعبہ کو مثلث شکل مانا جائے (جس کا اشارہ ہم نے پہلے کیا ہے) اس میں راز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی شکل اس طرح ہے اس سے انبیاء و رُسل کی عصمت کا اظہار مطلوب ہے کہ اُن کے قلوب میں خاطر شیطانی نہیں ہے اور باقی تمام انسانوں میں خاطر شیطانی موجود ہے۔ انبیاء و رُسل علیہم السلام میں خواطر ثلاثہ یہ ہیں (۱) خاطر الٰہی (۲) خاطر ملکی (۳) خاطر نفسانی۔ عام مخلوق پر جب اس خاطر شیطانی کا حملہ ہوتا ہے تو اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جسے ہر خاص و عام محسوس کرتا ہے۔ اولیاء حضرات میں یہ خاطر شیطانی ہوتی تو ہے لیکن اُن پر

اثر انداز نہیں ہوتی اسی لئے اولیاءِ کرام کو عصمت کے لحاظ سے محفوظین کہا جاتا ہے۔

عقیدہ : انبیاء علیہم السلام کے لئے عصمت وجوبی ہوتی ہے یعنی وہ لازماً گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیائے کرام کے لئے عصمت جوازی ہوتی ہے یعنی اُنھیں گناہوں سے حفاظت منجانب اللہ ہوتی ہے لیکن ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے۔

اَلْبَیْتَ الْحَرَامَ ،، یہ الکعبہ سے عطف بیان ہے۔ صفت کی طرح یہ بھی علی طریق المدح واقع ہُوا ہے۔ توضیح کے لئے نہیں اور اسے بیت الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرم معلّٰی بنایا اور اس کی حرمت کی عظمت بنائی۔ یہاں پر حَرام بمعنی محترم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے ہی کعبہ شریف کو حرم مُعلّٰی بنایا۔

فائدہ : ابن الملک نے فرمایا کہ کعبہ شریف کو حرم شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمایا۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کو اور میں نے مدینہ طیبہ کو حرم مقرر[1] فرمایا۔

سوال : یہ حدیث شریف اس حدیثِ پاک کے خلاف ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے کعبہ شریف کو حرم مقرر فرمایا۔

جواب : تخلیقِ زمین و آسمان کے وقت سے کعبہ شریف کو حرم بنانا لوح محفوظ پہ لکھا گیا کہ عنقریب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ معظمہ کو حرم مقرر کریں گے۔

جواب(۲) : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ کعبہ معظمہ کا حرم مقرر ہونا اگرچہ اس کی حرمت عرضیہ حادث ہے لیکن اُس کی ذاتی حُرمت قدیم ہے اور حقیقۃً لوح محفوظ کی کتابت اس حُرمتِ ذاتیہ سے ہے، چنانچہ بعض تفاسیر میں اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ کے تحت لکھا ہے کہ اس حکم کا جواب زمین کے کسی خطہ سے نہ ملا صرف کعبہ معظمہ کے حرم محترم سے سرِتسلیم خم کی آواز گونجی تو اللہ تعالیٰ نے اُس خطہ کو حرم بنایا جیسا کہ مومن کا خون اور عزت اور مال محفوظ ہونے چاہئیں۔ اسے بھی اسی لئے معزز و مکرم بنایا کہ اُس نے طاعت الٰہی کے لئے سر جھکایا۔ اسی طرح حرم محترم کی اطاعت ربانی کی وجہ سے اس کے شکار اور اُس کے درخت اور اُس کی خلا کو محفوظ فرما دیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ان کی یہ حرمت و تعظیم صرف طاعتِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔

اعجوبہ : طوفانِ نوح کے دَوران ارضِ حرم میں اُس کی حرمت کے پیشِ نظر بڑے سانپوں نے چھوٹے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیں میری کتاب "محبوب مدینہ" اویسی غفرلہٗ

سانپوں کو نہ کھایا۔

قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ،، یہ جعل کا مفعول ثانی ہے۔ قیام للناس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں کے دینی و دنیوی امُور کے قیام کا مدار یہی ہیں۔ کعبہ معظمہ اس لئے کہ وہاں لوگ حج و عُمرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس میں مناسک عظیمہ و طاعات شریفہ بجالاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے گناہ جھڑتے اور اُن کے مراتب بُلند ہوتے اور انہیں بہت بڑی کرامات نصیب ہوتی ہیں اور حرم محترم اس لئے کہ وہاں ہر قسم کے ثمرات سمٹ کر جمع ہو جاتے ہیں جن سے تجار نفع پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں نہ لوٹ کھسوٹ کا خطرہ ہے نہ ہی حرم میں کسی کے دَر پئے آزار ہونا پڑتا ہے۔ جاہلیت اور اسلام ہر دونوں میں یہ قانون ہے کہ کوئی بھی غلطی کرلے یا کسی کو ناحق قتل کرکے حرم محترم میں پناہ لے تو وہ جب تک حرم کے اندر پناہ گزیں ہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ حضرت محی فتوح الحرمین میں کعبہ معظمہ کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

(۱) ہیچ نبی ہیچ ولی ہم نبود　　که او نه بریں دو رخ اُمید سود

(۲) ہادی رہ نیست بجز لطف دوست　　آمدنت را طلب از نزد اوست

(۳) تا نزد سرز زچمن نو گلی　　نغمه سرائے نکند بُلبلے

ترجمہ : (۱) ہر نبی و ولی اس دروازہ پر سر جھکاتا ہے

(۲) رہبر صرف لطف دوست ہے۔ ترا آنا اور طلب رسی سے ہے۔

(۳) چمن سے اگر گُل ظاہر نہ ہوتا تو بلبل کبھی نغمہ سرائی نہ کرتی۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ ،، اور مہینہ محترم کہ جس میں حج ادا کیا جاتا ہے یعنی ذوالحج کو بھی لوگوں کے لئے قیام مقرر فرمایا۔ یہاں مفعول ثانی یعنی قیامًا للناس محذوف (ماقبل میں مذکور ہونے کی وجہ سے) اس مہینہ کو قیامً لِلنَّاسِ اس لئے بنایا کہ اہلِ عرب ہمیشہ ایک دوسرے کے قتل و غارت کے دَر پے رہتے تھے، لیکن جب یہ مہینہ تشریف لاتا تو ایک دوسرے کے خوف و خطر سے محفوظ ہو جاتے۔ اسی لئے حج و تجارات کے لئے اس ماہ کا انتظار کرتے اور مہینہ حرام میں نہائت اطمینان و سکون سے تجارت اور حج کے لئے چلتے پھرتے رہتے۔ اس بنا پر اُن کے منافع دین و دُنیا اور معاش و معاد کے مصالح کا یہی مہینہ سبب بنا۔

نکتہ : بعض مہینوں اور دِنوں اور اوقات کو بعض دوسروں پر انبیاء و اولیاء کی طرح ایک دوسرے پر فضیلت بخشی تاکہ نفوس و قلوب کو اُن کی عزت و احترام کا شوق پیدا ہو اور سعادتمند لوگ اس میں عبادت کرسکیں اور اُن کے فضائل میں رغبت رکھیں۔

عشرہ ذوالحج کے فضائل : تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ ذوالحج کے دس دن بعد رمضان اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور یہ اس کے محبوب دن ہیں اس لئے

کہ ان دنوں میں موسیٰؑ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ ان دنوں میں لوگ حج کے لئے احرام باندھتے ہیں۔ اِن ایام میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہُوئی۔ اِن ایام میں اسماعیل علیہ السّلام کے لئے دنبہ (فدیہ) قبول ہُوا۔ اِن دِنوں میں ہود علیہ السّلام کو نجات ملی۔ اِن دِنوں میں نوح علیہم السلام کی کشتی طوفان سے کنارہ لگی۔ اِن ایام میں حضور سیّد الانبیاء حضرت محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو رسالت کے اظہار کا حکم ہُوا۔ اِن ایّام میں صحابۂ کرام کو بیعتِ رضوان کا شرف اور فتح خیبر کا مُژدہ بہار نصیب ہُوا۔ اِن دنوں میں فتح حدیبیہ کی خوشخبری ملی۔ اِن دنوں میں انہیں مغفرت کا پیام مِلا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیغفرلك الله مَاتقدم وَ مَا تاخر ،، ان کے علاوہ اور آیات و کرامات کہ جن کا ذکر کتب سیر و تواریخ و تفاسیر میں ہے) اِن دنوں کا ایک روزہ ہزاروں کے برابر ہے۔ اس کی ایک رات کی عبادت زندگی بھر کے حج و عمرہ کے برابر ہے۔

مسئلہ : ذوالحج کے عشرہ اولیٰ میں روزہ رکھنا افضل ترین مستحب ہے۔ بالخصوص نویں کا روزہ۔ یعنی عرفہ کے دن لیکن جو حج کے مناسک ادا کر رہا ہو وہ اِس دن روزہ نہ رکھے تا کہ حج کے مناسک کی ادائیگی میں نقص واقع نہ ہو۔ بلکہ اُن کے لئے اِس دن روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ اطمینان وسکون و حضورِ قلب سے حج کے مناسک ادا کرے۔

حدیث شریف : عرفہ کی بہترین دُعا وہ ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے پڑھی۔ وہ یہ ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ [1]

وَالْهَدْیَ ،، اور ہدی کو بھی لوگوں کے لئے قیام بنایا اور ہدی وہ قربانی ہے جو بیت اللہ شریف بھیج کر ذبح کی جاتی ہے۔ اور اس کا گوشت پوست فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ حاجی کے مناسک حج میں سے ہے اور فقراء کی وجہ معاش اسی پر ہے۔ یہ بھی دینی و دنیوی امر کے قیام کا سبب ہے۔

فائدہ : صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہُوا کہ قربانی کا اصل مقصد فقراء کی ضروریات پُورے کرنے کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مُستحب ہے کہ گوشت کا اکثر حصّہ بلکہ تمام گوشت فُقراء کو دیدے ؎

(۱) از ہمت والائے خویش ❊ شود بردا و درخور کالائے خویش

ترجمہ : اپنی ہمت کی بُلندی سے ہی اپنے سامان سے منافع پاتا ہے۔

نکتہ : حجاج کو عید قربان کے دِن حکم ہے کہ وہ منیٰ سے مسجد حرام کی طرف جائیں اور دُوسروں کو

---

[1] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد لاشریک ہے اسی کا ملک اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر شئی پہ قادر ہے ۱۲۔

کو حکم ہے کہ حجاج کی موافقت کرتے ہُوئے گھر سے عیدگاہ کو جائیں۔ حجاج کو حکم ہے کہ بیت اللہ کا طواف کریں۔ دوسروں کو حکم ہے کہ اس دن عید نماز کا دوگانہ پڑھیں۔

حدیث شریف : حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ بیت اللہ شریف کا طواف بھی نماز ہے۔ حاجیوں کو حکم ہے کہ اُس دن سر منڈائیں۔ ناخن ترشوائیں وغیرہ۔ دُوسروں کو حکم ہے کہ برائیوں (بدعات وغیرہ) سے ہٹ کر طاعات (سُنن) بجالائیں۔ حاجیوں اور دُوسروں کو حکم ہے کہ اس دن قربانی کریں لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ جو صاحب نصاب ہیں۔

لطیفہ : اللہ تعالیٰ کے خزانے کے لائق وہ مال ہے جو حلال طیب ہے۔ اسی طرح نہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کی خدمت (عبادت) کر سکتی ہے۔ بلکہ جسے سعادتِ ازلی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آں توکل کو خلیلان تُرا تا نبرد تیغت اسماعیل را

(۲) آں کرامت چوں کلیمت از کجا تا کنی شہراہ قعر نیل را

ترجمہ : (۱) جب تک خلیل (علیہ السّلام) کا توکل اور اسماعیل (علیہ السلام) کی قربانی نصیب نہ ہو
(۲) تو تجھے کلیم علیہ السّلام جیسی کرامت کب نصیب ہوسکتی ہے جو کہ اُنھوں نے دریائے نیل میں سڑک (شاہراہ) بنالی۔

وَالْقَلَآئِدَ ،، اور قلائد کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے قیام بنایا۔

حل لغات : القلائد قلادہ کی جمع ہے۔ ہر وہ شئے جو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالی جائے۔ جُوتے کا ٹکڑا۔ یا درخت کی چھال تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ تاکہ اس پر نہ کوئی سوار ہو اور نہ ہی اُس پر کوئی بوجھ لادیں۔ یہاں پر ذوات القلائد یعنی قلادہ والے جانور مراد ہیں۔ یعنی اُونٹنی اور گائے وغیرہ یعنی وہ جانور جو ہدی اور قربانیوں میں ذبح کئے جاسکتے ہیں۔

فائدہ : اُن کا خصوصیت سے ذکر اس لئے ہُوا کہ انہیں میں زیادہ ثواب ہے اور حج کی قدر و قیمت انہی سے نکھرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیمتی اونٹنی قربان فرمائی۔ اس وقت اس کی تین سو دینار قیمت تھی۔ باریتعالیٰ نے فرمایا : **وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ** ،، اور قلائد لوگوں کے دینی و دُنیوی اُمور کے قیام کے مدار اس لئے ہیں کہ جو اپنی قربانی کے گلے میں قلادہ باندھے گا تو اُسے حج کی قربانی سمجھ کر کوئی بھی اس کے درپے نہ ہوگا۔ بہت سے لوگ اپنی سواریوں کے گلے میں حرم شریف کے درخت کی چھال ڈال کر گھر کو روانہ ہوتے تو اطمینان و سکون سے باامن و سلامت گھر واپس پہنچ جاتے اس لئے کہ اہل جاہلیت بھوک کے مارے درخت کے پتے اور ٹہنیاں کھا لیتے لیکن اس قلادہ دار حج کی قربانی کی عزت و احترام کے پیش نظر اس کے درپے آزار نہ ہوتے۔ **ذٰلِكَ** ،، یہ اشارہ جعل کی طرف اور فعل مقدر سے منصوب ہے۔ **ای شرع اللہ ذٰلک دینًا**

(وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع اور بیان فرمایا)

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ،، تاکہ تم معلوم کرو کہ بے شک جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اِن سب کو اللہ جانتا ہے کہ مذکورہ بالا جمیع اُمور مشروعہ قبل از وقوع دینی دنیوی ضرروں کے دفعیہ اور ان کے منافع کے حصُول کا بہترین ذریعہ ہیں اور دلالت کرتے ہیں کہ ان کا شارح کتنا بڑی حکمتوں کا مالک ہے اور یہ اشیاء اُس کے علم سے باہر نہیں اور اُس کا علم جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ؕ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئی کو جانتا ہے تخصیص کے بعد تعمیم محض تاکید کے لئے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ،، جان لو کہ بے شک وہ سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس کے لئے وعید ہے جو محارم ربانیہ کی ہتک اور پھر اُس پر اصرار کرتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ؕ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کے لئے وعدہ کریمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے محارم کی محافظت کرتا ہے یا اس کے محارم کی ہتک کرکے پھر تائب ہوجاتا ہے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط اور نہیں رسُول علیہ السلام پر اگر تبلیغ رسالت کہ وہ بتادیں کہ ان امور کو بجا لانے میں ثواب ہے اور ان اُمور کے ارتکاب پر عذاب۔

مسئلہ : اس میں تاکید شدید ہے کہ رسُول علیہ السلام کے لائے ہوُئے پیغام کو سر آنکھوں پر رکھ کر اس کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ ان پر جو واجب تھا اُنھوں نے پہنچا دیا۔ وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے اب تمہارے اُوپر حجت قائم ہوگئی کہ اگر کوئی سرمو انحراف کرے گا تو سزا پائے اور پھر ہر عذر غیر مسموع ہوگا۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ؕ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ظاہر اور پوشیدہ اُمور کو جانتا ہے۔ یعنی جو قول وفعل ظاہر کرو اسے بھی جانتا ہے اور جو چُھپا کر کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔ جس پر تمہارا مواخذہ ہوگا وہ تمہارا عمل تھوڑا اور نہایت قلیل بھی کیوں نہ ہو۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) بر دو عالم یک ذرہ پوشیدہ نیست   کہ پنہاں و پیدا بنزدش یکیست

ترجمہ : اس کے علم کے آگے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ پنہاں اور ظاہر اس کے لئے برابر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک ظاہری کعبہ بنایا ہے جس کی طرف تمام عوام وخواص جھکتے اور پناہ ڈھونڈتے اور عجز ونیاز کرکے اپنی دینی و دُنیوی حاجات پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی باطن میں قلب کا کعبہ بنایا ہے

ہے کہ خواص اور خواص الخواص کے امور کے قیام کا دارومدار اس پر ہے۔ وہ حضرات دوام الذکر و نفی الخواطر اور

ربُوبیت کے اثباتِ حق کا کرتے ہُوئے کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ وَلَا وَجُوْدَ اِلَّا لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَلَا مَطْلُوْبَ وَلَا مَحْبُوْبَ اِلَّا ھُوَ سے پناہ ڈھونڈتے ہیں

فائدہ : اس کا نام بیت اللہ اس لئے ہے کہ بندوں کو یقین ہو کہ واقعی یہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی گھر ہے اور اسے الحرام اس لئے کہا تاکہ معلوم ہو کہ یہاں غیر کا لانا بلکہ غیریت کا تصوّر بھی حرام ہے اور اس پر ایسا تصوّر باندھے اور محبّت و عشق اور اس کی طلب میں ایسا محو ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کا دروازہ کھول دے۔

اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ ،، سے طلب اور سیر الی اللہ کے ایام مُراد ہیں کہ ان دِنوں میں طالبِ حق پر لازم ہوتا ہے کہ اس وقت خلق اور ماسویٰ اللہ کے تصور کو گھسنے نہ دے۔ اور الھدیٰ سے نفس بہیمیہ مُراد ہے کہ جسے کعبہ قلب کی طرف چلایا جاتا ہے اور قلائد سے مراد ارکان شریعت ہیں اور الھدی یعنی نفس کو آدابِ طریقت کی چھری سے قلب کے دروازہ پر شہوات و لذات حیوانیہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا ،، میں اشارہ ہے کہ سالک جب کعبۂ قلب تک پہنچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھتا ہے تو اسے انوار جمال و جلال کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اس مشاہدہ سے آسمان و زمین کے اندر والی تمام اشیاء کو دیکھ اور جان لیتا ہے اس لئے کہ وہ اس وقت اللہ کے نُور سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اُسے علی التحقیق ہر شئے کا علم ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ،، سے مُراد یہ ہے کہ وہ اپنے مشاہدہ سے غیروں کے لئے پردے لٹکا دیتا ہے۔ اور غیروں سے وہ لوگ مُراد ہیں کہ جنہوں نے دُنیا کو جھانک کر دیکھا تو اس کی زینت و شہوات میں پھنس گئے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اور طالبانِ حق اور عاشقانِ حضرۃ خاص کے لئے غفور رحیم ہے کہ اُن کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول کر اپنے تمام حجابات ہٹا دیتا ہے۔

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسُول علیہ السّلام پر تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قال و حال دونوں طریقوں سے پیغاماتِ الٰہیہ پہنچائیں۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ ،، ظاہر کرنے سے ایمان باقرار اللسان و عمل بالارکان مراد ہے وَمَا تَکْتُمُوْنَ ،، اس سے تصدیق بالجنان یا تکذیب اور سچی توجہ اور طلبِ حق میں خلوص نیّت مراد ہے {[illegible]}

تفسیر عالمانہ [۱۸]: قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ ،، (شانِ نزول) یہ آیت حجاج الیمامہ کے حق میں نازل ہُوئی۔ وجہ یہ ہُوئی کہ اُن میں ایک حطیم نامی شخص تھا جو گذشتہ سال مدینہ طیبہ سے مویشی ہانک کر لے گیا تھا۔ پھر اس سال حج کے لئے اپنی قوم کے ساتھ جا رہا تھا یہی عمرۃ القضا کا سال تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السّلام سے عرض کی کہ ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم حطیم کو پکڑ کر اپنے مال کا بدلہ لیں۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو اس لئے کہ اُس نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہُوا ہے۔ حضور علیہ السّلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبق دیا کہ قربانیوں کو قلائد پہنانے والے امن کے مستحق ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں یہ آیت اُتری کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حجاج کے درپے آزار ہونے سے روکا۔ اگرچہ وہ

مشرکین تھے اور اُس کا مفصل واقعہ آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ الآیۃ۔ اسی سُورۃ کے اوّل میں گزرا ہے۔ اس کا حکم بحال رہا۔ یہاں تک کہ سُورہ برأۃ کا نزول ہُوا۔ اس میں یہ آیات ہیں (۱) اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (۲) وَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ،، اس سے ہدی و قلائد و الشہر الحرام اور احرام اور اُن کے ساتھ کفار کے امن کا استحقاق منسوخ ہو گیا۔ جب تک کہ اسلام قبول نہ کریں۔

قاعدہ : اگرچہ آیت کا نزول خاص ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نفی مساوات میں جیّد و رَدی کا حکم عام ہے (مسئلہ) اس میں ترغیب ہے کہ جیّد کو حاصل اور رَدی سے احتراز کی کوشش کرو۔

طیّب اور خبیث کے اقسام

: طیّب اور خبیث کثیر امور کو شامل ہے (۱) حلال و حرام۔ حلال اگرچہ رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ دُنیا بھر کی حرام چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کہ حرام خبیث مردود ہے اور حلال طیب مقبول اسی لئے دونوں تا ابد برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان کے دونوں کے مرتکب بھی مثلاً طالب الخبیث خبیث ہو گا اور طالب الطیّب طیّب۔ اللہ تعالیٰ طیّب کو طیّب سے ملاتا ہے اور خبیث کو خبیث سے، چنانچہ فرمایا: اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ،،

خبیث و طیّب کا صُوفیانہ فرق

: سادات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک طیّب وہ ہے جو بلا فکر اور بلا حرکۃ نفسانیہ حاصل ہو۔ خواہ وہ صالح سے ہو یا فاسق سے ہو۔ اس لئے کہ وہ عطا ہے جو بلا سبب منجانب اللہ نصیب ہُوئی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور اس کا برعکس مردود ہے اور یہ مفہوم حق بھی ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ اور ابرار و مقربین کے مراتب میں بہت فرق ہے۔

(۲) مال کے لئے خبیث اسے کہا جاتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا جائے اور طیّب جس سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کئے جائیں نیز خبیث مال وہ ہے جسے وجوہِ فساد میں خرچ کیا جائے اور طیّب وہ ہے جو وجوہ طاعات میں خرچ کیا جائے نیز طیب مال وہ ہے جو فُقراء کی ضروریات کے وقت کام آئے اور خبیث وہ ہے جو بلا ضرورت حاصل ہو وہ اُلٹا اُن کے لئے بارِ خاطر ہو گا۔

(۳) مومن طیب ہے اور کافر خبیث عادل طیّب ہے اور فاسق خبیث۔ مومن شہد ہے اور کافر زہر۔ عادل ثمر دار درخت ہے اور فاسق کانٹے دار۔ یہ تمام کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

(۴) اچھے اخلاق طیّب ہیں اور بُری عادات خبیث۔ اچھے اخلاق یہ ہیں (۱) تواضع (۲) قناعت (۳) تسلیم (۴) شکر۔ یہ سب کے سب مقبول ہیں اور بُری عادات یہ ہیں (۱) کبر (۲) حرص (۳) جزع فزع (۴) کفران نعمت۔

یہ سب مردود ہیں۔ اس لئے کہ پہلے امور رُوح کی صفات سے ہیں اور دُوسرے نفس کی اور رُوح طیب اور علوی ہے اور نفس خبیث او سِفلی مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) ھین مرو اندر پے نفس چو زاغ   گو بگورستاں برد نہ سوئے باغ

(۲) نفس اگرچہ زیرکیست و خردہ دان   قبلہ اش دُنیا است اورا مردہ دان

ترجمہ: (۱) کوّے کی طرح نفس کے پیچھے نہ چل۔ وہ تجھے باغ میں نہیں گورستان میں لے جائے گا۔

(۲) نفس کتنا ہی دانا ہو اسے بے عقل سمجھ، کیونکہ اس کا قبلہ دُنیا اور وہ خود بھی مُردہ ہے۔

نفس امارہ کی بیماریاں اور اُن کا علاج

نفس کی بیماریوں میں سے حُبِ مال بھی ہے۔ بزرگوں نے طیب مال کو بھی حجاب کہا ہے پھر مال خبیث کو خود سمجھئے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ سالک اپنے باطن کی صفائی کے لئے جدوجہد کرے اور اور ماسوی اللہ کی محبت سے کنارہ کشی۔

(۵) علوم نافعہ طیب اور علوم غیر نافعہ خبیث ہیں۔ علوم نافعہ شریعت اور غیر نافعہ علوم فلاسفہ کو کہا جاتا ہے۔ مثنوی میں ہے ؎

علم دیں فقہ است وتفسیر و حدیث   ہرکہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: علم دین فقہ اور تفسیر و حدیث ہے جو ان کے ماسوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جاتا ہے۔

(۶) اعمال صالحہ طیب اور اعمال غیر صالحہ خبیث ہیں۔ جس عمل میں رضائے مطلوب ہو وہ طیب ہے اور جن میں ریاء و شہرت مطلوب ہو وہ خبیث ہیں ؎

عبادت باخلاصِ نیت نکو ست   ؛   وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ: عبادت میں اخلاص بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا!

صُوفیانہ تفسیر: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خبیث وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور طیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملائے اور فرمایا طیب اللہ اور خبیث ماسوی اللہ ہے ان کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج "، واؤ عاطفہ اور مقدر جملہ شرطیہ پر اُس کا عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ لَوْلَمْ یُعْجِبْكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ وَلَوْ اَعْجَبَكَ "، اور یہ ہر دونوں حال کے محل اور لَا یَسْتَوِی کے فاعل ہیں یعنی یہ دونوں کسی حال میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ فرضی طور بھی اور لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خبیث اگرچہ کتنا ہی کثیر ہو طیب

کے برابر کبھی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ جیّد اور ردی ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ کثرت وقلّت کا اس لئے کہ اچھی شے اگرچہ تھوڑی ہو گندی شے (خواہ کتنی ہی بہت ہو) سے بہتر و برتر ہوتی ہے بلکہ خبیث کی جتنی کثرت بڑھے گی اسی قدر اس کی خباثت میں بھی اضافہ ہوگا۔ اعجاب بمعنے تعجب بات سے سرور پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: یُعْجِبُنِیْ کَذَا اَیْ یُسِرُّنِیْ ،، اعجبک کا خطاب ہر اُس شخص کو ہے جس کے حضور نبی علیہ السلام مامور من اللہ ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ،، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر خبیث سے بچو۔ اگرچہ کثیر ہو اور طیّب کو حاصل کرو اگرچہ قلیل ہو۔ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ،، اے عقل والو! یعنی وہ لوگ کہ جن کے عقل خرابیوں سے صاف وشفاف ہیں۔ یہ درحقیقت وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب وارواح، ابدان ونفوس کی آلائش سے صاف ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ تم امید رکھ سکو کہ تم فلاح پا سکو گے۔ یہاں پر فلاح سے سعادتِ اُخرویہ مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

: تقویٰ کے چند مراتب ہیں؛ چنانچہ حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ علمِ ظاہر میں حدود اللہ کی مخالفت سے بچنا اور علمِ باطن میں نیت واخلاص کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتقوا اللہ حق تقاتہٖ ،، حق تقویٰ کا یہی ہے لا الٰہ الا اللہ ،، میں خلوص صدق پیدا کرنا اور قلب میں ماسوائے حق کے اور کچھ نہ رہنے دینا

فائدہ: حضرت المولوی قدس سرہ نے اپنے وصال (موت) سے پہلے مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں۔
(۱) ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا (۲) قلت طعام (۳) قلت منام (۴) قلت کلام (۵) ترک معاصی و آثام (۶) ہمیشہ کے لئے ترک شہوات (۷) تمام لوگوں کے جفا پر علم اور حوصلہ (۸) سفہاء و عوام کی صحبت سے دوری (۹) نیک بخت لوگوں کی صحبت باکرامت اختیار کرنا (۹) نفع رسانی۔ اس لئے کہ تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے (۱۰) کلام مختصر اور جامع؛ چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الکلام ما قل ودل۔

فائدہ: تمام اعمال سے بہتر اور نفع رساں عمل تقویٰ ہے اور نجات دہندہ ایمان و اعمال صالحہ ہیں۔

سبق: کسی کو کثرت مال اور اولاد سے دھوکہ نہ ہو کہ یہی چیزیں آخرت میں نجات کا سبب بنیں گی اور نہ ہی اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی سے فخر ہو کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ فلہٰذا ہم یقیناً بخشے ہوئے ہیں[۱]۔ دیکھئے پیشاب تو دراصل تو پاک اور صاف ستھرا پانی تھا۔ لیکن غلاظت سے مل کر غلیظ اور پلید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے مُردوں کو زندوں سے اور زندوں کو مردوں سے پیدا کرے۔

---

[۱] یہ مرض ہمارے دور میں وبائی طور پھیلا ہوا ہے کسی کو کسی شیخ کامل سے معمولی طور کچھ نسبت ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اب بہشت کا مالک بھی وہی ہے۔ اب وہ ایسا پاک ہوگیا کہ اگر شب درروزہ گناہ میں غسل فرمائے تب بھی پاک اور وہ پہنچے ہوئے بزرگوں سے ہے اور عوام کی جہالت بھی قابل رحم ہے کہ اُن کے نزدیک بھی ولی ایسے لوگ ہیں اور بس۔ (اُویسی عفی عنہ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ
تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝١٩ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا
كٰفِرِيْنَ ۝٢٠ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا
حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٢١ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ
قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝٢٢ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ
مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٣
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ
الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝٢٤ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٥ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا

أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

ترجمہ : اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے[۱۹] تم سے اگلی ایک قوم نے انہیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے[۲۰] اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں[۲۱] اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اُتارا اور رسول کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں نہ راہ پر ہوں[۲۲] اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہُوا جبکہ تم راہ پر ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم کرتے تھے[۲۳] اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت تم میں سے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد روکو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں اگر تمہیں شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی کو نہیں چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں[۲۴] پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے ہوں ان میں سے کہ اس گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالموں میں ہوں[۲۵] یہ قریب تر

ہے اس سے کہ گواہی جیسی چاہیئے ادا کریں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جائیں ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو اور حکم سُنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔"

تفسیرِ عالمانہ [19]: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ط

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگیں گی اور اگر انہیں اُس وقت پُوچھو گے کہ قرآنِ پاک اُتر رہا ہے تو تم پر جب ظاہر کر دی جائیں گی تو تمہیں دُکھ ہوگا۔

شانِ نزول[1] : مروی ہے کہ جب آیت (وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ) نازل ہوئی تو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خُطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا ہر سال فرض ہے۔ حضور نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی تو ارشاد فرمایا کہ جو میں نہ بیان کروں اُس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہوجاتا اور تم نہ کر سکتے۔ مجھے اس وقت کچھ نہ کہا کرو جب تک کہ میں تمہیں خود نہ کہوں۔ پہلے لوگ بھی اسی لئے ہلاک ہُوئے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السّلام سے سوال کی کثرت اور ہر بات میں خواہ مخواہ اختلاف کرتے۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو اُس پر فوراً عمل کرو! جس قدر تم میں استطاعت ہے اور جن باتوں سے میں تمہیں روکوں تو اُن سے رُک جاؤ۔ اس پر یہ آیت نازل ہُوئی۔

شانِ نزول[2] : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے۔ یہ خاطرِ مبارک پر گراں ہوتا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ جو دریافت کرنا ہو دریافت کرو۔ میں ہر بات کا جواب دُوں گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے آپ نے اُس کے اصلی باپ کا نام بتا دیا۔ جس کے نطفہ سے وہ تھا یعنے حذافہ۔ باوجودیکہ اس کی ماں کا شوہر اس وقت اور تھا۔ جس کا یہ شخص بیٹا کہلاتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہُوئی [1]

---

[1] اس آیت کے اور بھی شانِ نزول ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک روز سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خطبہ فرماتے ہُوئے فرمایا جس کو جو دریافت

(باقی صفحہ ۵۴ پر)

فائدہ : یہ مافی الارحام میں سے ہے جو خاصہ خدا ہے، لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص علم اپنے محبوبوں کو عطا کرتا ہے ؎۲

اِنْ تُبْدَ لَکُمْ ،، یہ جملہ شرطیہ ہے یہ اور اس کا معطوف علیہ آپس میں مل کر اشیاء کی صفت ہوگئے اُن کا سوا ہونا اشیاء کے ظہور سے متعلق ہے اور ظہور اشیاء اُن کے سوال پر موقوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان اشیأ کے متعلق سوال مت کرو۔ اگر وحی کے نزول کے دوران کچھ سوال کروگے تو وہ اشیاء تمہارے لئے ظاہر ہوجائیں گی اگر ظاہر ہوگئیں تو تمہیں غم والم اور صدہا پریشانیوں میں مُبتلا کردیں گی۔

سبق : دانا وہ ہے جو ایسا عمل نہیں کرتا۔ جس سے صدہا پریشانیوں میں مُبتلا ہونا پڑے۔

فائدہ : امام بغوی نے فرمایا کہ جس نے حج کے متعلق سوال کیا تو اس پر اگر ہر سال حج فرض ہوجاتا تو بھی شرمسار ہوتا اگر وہ اپنی نسبت کے متعلق پوچھتا ہے اگر اسے اپنے والد کے سوا دوسرے کسی سے لاحق کیا جائے تو بھی ذلت وخواری میں بھی مُبتلا ہوگا۔

عَفَا اللّٰہُ عَنْہَا ط اللہ تعالیٰ نے ان سے معاف فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ رُکاوٹ اُن کی بُرائی سے بچنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اِن اشیاء سے اس لئے روکا گیا کہ وہ خود ذاتی طور معصیت اور مواخذہ کے لائق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے معاف فرمادیا۔

مسئلہ : اِن امُور سے رُک جانے کی پورے طور جدوجہد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فائدہ : عَنْہَا کی ضمیر (المسئلہ) کی طرف لوٹتی ہے جو مضمونِ سابق کے لفظ لَا تَسْئَلُوْا سے مفہوم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سابق سوال کو (کہ تم نے حج وغیرہ کے بارے میں کیا تھا) معاف کردیا کہ تمہارے اُوپر ہر سال حج فرض نہ کیا ورنہ تمہیں سوال کی سزا ملتی لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ دنیوی معافی کے علاوہ آخرت کی سزا بھی تمہیں

(بقیہ صفحہ: از ۵۳)

کرنا ہو دریافت کرے۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہوکر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ پھر فرمایا اور پوچھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر اقرارِ ایمان و رسالت کے ساتھ معذرت پیش کی۔ ابن شہاب کی روایت ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کی والدہ نے اُن سے شکایت کی اور کہا تو بہت نالائق بیٹا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا۔ خدانخواستہ تیری ماں سے کوئی قصور ہُوا ہوتا تو آج وہ کیسی رُسوا ہوتی۔ اس پر عبداللہ بن حذافہ نے کہا کہ اگر حضور کسی حبشی غلام کو میرا باپ بتا دیتے تو میں یقین کے ساتھ مان لیتا (تیسیر القاری) حدیث میں ہے کہ لوگ استہزاء اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کوئی کہتا میرا باپ کون ہے۔ کوئی پوچھتا میری اونٹنی گم ہوگئی۔ وہ کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مسلم شریف) ... بتفصیل فقیر کی کتاب "شانِ نزول یعنی فیض الرسول فی اسباب النزول" میں دیکھئے۔ (اُویسی غفرلہٗ) ؎۲ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

معاف فرمادی ورنہ جیسے تم نے عبث سوالات کئے اس کا تقاضا یہ تھا کہ تمہیں آخرت میں سخت سزا ملتی لیکن وہ بھی معاف ہُوئی ۔ اب تمہیں لازم ہے کہ آئندہ ایسے عبث سوالات نہ کرنا ۔

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○ اور اللہ تعالیٰ عفور اور حلیم ہے یعنی گناہوں کی بہت بڑی مغفرت اور لبا اوقات گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے اب کی بار تمہارے سے بہت سخت غلطی ہُوئی تو بھی ہم نے معاف فرما دیا اور بہت بڑی کوتاہی کے باوجود تمہارے سے مواخذہ نہیں فرمایا ۔ یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معافی کے مضمون کی تقریر و تائید کرتا ہے ○ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ ،، اُس کے متعلق پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا ۔ اگرچہ بعینہٖ یہی سوال نہ تھا بلکہ اس کی مانند تھا جس سے وہ مستحق سزا ہوئے اور انہیں ایسے سوال سے ممانعت بھی تھی ۔ لفظ مثل کی تصریح نہیں کی گئی تاکہ تحذیر میں مبالغہ ہو ۔ مِنْ قَبْلِكُمْ ،، تمہارے پہلے ۔ یہ سألہا کے متعلق ہے ۔

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ○ پھر اس سبب سے وہ کافر ہوئے ۔ بنو اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوالات کرتے ۔ جب انہیں روکا جاتا تو چھوڑ دیتے ۔ اس بنا پر وہ ہلاک و برباد ہُوئے جیسے قوم ثمود نے اونٹنی کے بارے میں حضرت صالح علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ نے مائدہ کا سوال کیا ۔

فائدہ[۱] : ابو ثعلبہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے ۔ انہیں ضائع نہ کرو اور جن اشیاء سے روکا ہے ۔ اُن کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ چند حدود متعین فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ! بہت سے امُور بھُول کر نہیں بلکہ عمدًا بیان فرمائے ہیں ۔ ان سے بحث نہ کرو ۔

فائدہ[۲] : حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھا ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دُوسرں سے عبرت حاصل کرے اور فضول قول و فعل و عمل میں مشغول نہ ہو ، چنانچہ کسی نے فرمایا ؎

(۱) بگو آنچہ گفتن ضرورت شود ذکر گفتہ ہا را فرو بند در لہ

(۲) بجائے آر فعلے کہ لازم بود زا فعال بے حاصل اندر گذر

ترجمہ : (۱) وہ بول جس کی ضرورت ہے جو کہہ چکا ہے اسے دوبارہ نہ کہہ

(۲) وہ کام کر جو ضروری ہے بے حاصل افعال کو چھوڑ

حکایت : ایک شخص قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بارہا حاضر ہُوا ، لیکن خاموش بیٹھا رہتا اور عرض کیے بغیر چلا جاتا ۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ تم آتے ہو لیکن نہ کوئی بات کرتے ہو نہ کوئی مسئلہ پُوچھتے ہو ۔ اس کی کیا وجہ ہے ۔ اُس نے عرض کی اب پوچھتا ہُوں وہ یہ کہ روزہ دار کس وقت روزہ کھولتا ہے ۔ آپ نے فرمایا جب سُورج چھپتا ہے ۔ اُس نے عرض کی اگر سُورج آدھی رات تک نہ چھپے تو بھی روزہ نہ کھولا جائے ۔ یہ کہہ کر ہنسا اور جریر کا شعر مثال کے طور پڑھا وہ شعر یہ ہے ؎

وفی الصمت زین للخلی و انما صحیفۃ لب المرء ان ینکلما

(ترجمہ) خاموشی بیوقوف کی زینت ہے۔ جب وہ زبان کھولتا ہے تو اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مبلغ فہم کتنا ہے۔

قدسی حدیث شریف : اللہ نے فرمایا مجھے بنو آدم سے تعجب ہے کہ اس کے منہ کے دونوں کناروں پر دو فرشتے ہر وقت بیٹھے ہیں (ان کی لکھائی کے لئے) انسان کی زبان ان کا قلم ہے اور اس کی تھوک اُن کی سیاہی۔ پھر وہ لایعنی (فضول) باتیں کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ وہ علوم لدُنیہ و حقائق اشیاء کا سوال کر کے رُسوائی حاصل نہ کریں اس لئے کہ یہ علوم قال سے نہیں حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ ،، اگر وہ بطریق قال اُن کا بیان ظاہر ہو جائے تو تَسُؤْكُمْ تمہیں دُکھ پہنچے گا۔ جبکہ تم بطریق قال حقائق کو نہ پہنچ سکو گے۔ بایں وجہ کہ تمہارے عقول (جو آفات ہواؤ ہوس اور وہم و خیال سے ملاوٹ رکھتے ہیں) شبہات میں پڑ جائیں گے جس سے تم ان تباہیوں و بربادیوں میں ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے۔ جیسے فلاسفہ کے بعض فرقے تباہ و برباد ہوئے۔ جبکہ انھوں نے حقائق اشیاء کو طریق قال اور براہین عقلیہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہاں جب اُن کے عقول شوائب وہم و خیال سے پاک ہوں تو وہ حقائق اشیاء کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عقول سے ادراک حقائق اشیاء محال ہے۔ بلکہ عقول کو ایسی بحثوں میں پھنسا کر صراط مستقیم سے پھیر لیتا ہے اور انہیں ان بحثوں کے ذریعے شبہات کی وادیوں اور ہلاکتوں کے جنگلوں میں لے جاتا ہے۔ جس سے وہ خود بھی علوم الٰہیہ میں کتابیں لکھ کر خود بھی اور دُوسروں کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے حقائق اشیاء کو علمِ اصُول سے حاصل کرنا چاہا تو اس میں کئی طرح کے شبہات پیدا کئے۔ جس سے وہ خود بھی جادۂ حق سے بھٹکے اور دُوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ اُنھوں نے یہ نہ سمجھا کہ حقائق الاشیاء کے علوم کا حصُول قال سے محال ہے۔ وہ اگر حاصل ہوتے ہیں تو حال سے جیسے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو حال سے حاصل ہُوا (انہیں اللہ تعالیٰ نے حقائق الاشیاء کا نہ صرف علم سکھایا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرا دیا)، چنانچہ فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيَاتِنَا اور فرمایا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اور حضور علیہ السلام بھی اپنی دُعا میں یُوں عرض کرتے اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ یا جیسے اس امت کا حال ہے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ کہ نبی علیہ السلام نے انہیں کتاب سکھائی قال سے حکمت سکھائی حال سے، یعنی اُن کی اصلاح و تربیت کر کے کہ اُن کے نفوس کو آلائشِ نفسانیہ اور گندے اور غلیظ اخلاق و عادات کی ملاوٹوں سے پاک و صاف کر دیا جسے تزکیہ نفس کہا جاتا

ہے ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ اور جن لوگوں کو اصلاح و تربیت سے نیک نصیبہ ہُوا اور نبی علیہ السلام کی تابعداری سے اُن کی تکمیل ہُوئی اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اس کے بعد فرمایا : وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ،، یعنی اگر تمہیں حقائق الاشیاء کے متعلق سوال کرنا بھی ہے تو نزولِ قرآن کے بعد کرسکتے ہو یعنی قرآن مجید کے مضامین سے ہی حاصل کرلو یہی قرآن تمہیں تمہارے عقول کے مطابق حقائق الاشیاء کی خبر دے گا ۔ پھر عوام کو تو چاہیے کہ وہ قرآن کے متشابہات کے متعلق کہیں کہ یہی حقائق الاشیاء ہیں اور اُن کے متعلق وہ کہیں جو کچھ انہیں قرآن مجید نے کہا کہ وہ یوں عرض کریں کل من عِنْدِ رَبِّنَا ،، متشابہات میں کسی قسم کا تصرف نہ کریں ۔ مثلاً کہیں کہ ہم اُن کی تاویل کے طالب ہیں ۔ اس لئے کہ اُن کی تاویل تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور راسخ فی العلم بھی جانتے ہیں اور راسخ فی العلم سے خواص مُراد ہیں ۔ بہرحال اخص الخواص تو حقائق الاشیاء کو قرآن پاک کے اشاروں سے جان لیتے ہیں ۔ یعنی قرآن مجید نے اِن رموز و متشابہات کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ حضرات اُن سے بخوبی واقف ہیں ، لیکن دُوسرے اِن اشاروں سے بے خبر ہوتے ہیں ۔ جیسے قرآن مجید میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قِصّے میں بتایا ہے کہ علم لدنی صرف حال سے حاصل ہوتا ہے اور حال صحبت و متابعت و تسلیم اور اپنے مُعلّم پر ترک اعتراض کا نام ہے اور یہ باتیں قال سے تعلق نہیں رکھتیں اور نہ ہی سوال سے ؛ چنانچہ فرمایا : هل اتبعك علىٰ ان تعلمن مما علمت رشدا ۔ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ،، اے مُوسیٰ علیہ السلام آپ میری متابعت اور ترک اعتراض پر صبر نہیں کرسکیں گے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ۔ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ ،، یعنی متابعت کی پہلی شرط یہی ہے کہ مُعَلّم کے افعال پر سوال وغیرہ ترک کردیئے جائیں لیکن جب مُوسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا کہ اس طرح سے وہ حال سے علم لدنی حاصل کرتے ۔ بلکہ اُنھوں نے قال اور سوال کا دروازہ کھول دیا ؛ چنانچہ کہا کہ اے خضر علیہ السلام تم نے کشتی کو کیوں چیرا تم نے ایک بے گناہ بچے کو کیوں قتل کردیا وغیرہ وغیرہ تو حضرت خضر علیہ السلام سے رہا نہ گیا آخر فرمایا : اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ،، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ،، یعنی اس کے بعد بھی اگر میں آپ سے سوال کروں تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا ۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ علم لدنی کا حصول حال پر مبنی ہے نہ قال پر اور حال یہی ہے کہ متابعت و تسلیم و صحبت حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ قال و سوال سے صُحبت کا انقطاع ہوجاتا ہے ۔

حضرت خضر علیہ السلام سے جب بار ثالث سوال کیا کہ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ،، یعنی اے خضر علیہ السلام

آپ ان لوگوں سے مزدوری تو لیتے، اب خضر علیہ السلام نے فیصلہ کن بات کہی کہ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ،، یہاں سے اُن کی آپس میں جدائی ہوگئی۔ پھر فرمایا: عَفَا اللهُ عَنْهَا ،، اللہ تعالیٰ نے تمہاری وہ غلطیاں معاف کیں جو تم نے اس آیت کے نزول سے پہلے حقائق اشیاء کے علوم قال کے ذریعے طلب کئے اور اللہ تعالیٰ غفور ہے حَلِيْمٌ ٥ ان کے لئے حلیم ہے جنہوں نے حقائق اشیاء کے علوم حال سے طلب کئے۔ لیکن اثنا ئے حصول میں کچھ کوتاہیاں ہوئیں تو اُن سے چشم پوشی کی اگرچہ ان کے وہ امُور طلب کے منافی تھے لیکن باوجود ایں ہمہ انہیں حصول طلب کے لئے توفیق عطا فرمائی۔ پھر فرمایا قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ،، تم سے پہلے یعنی متقدمین فلاسفہ نے علوم حقائق اشیاء کو قال کے طور سوال کیا اور عقل کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی تو شبہات کی وادیوں میں گر کر ہلاک و تباہ ہوئے۔ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِيْن ،، یعنی قیل وقال اور کثرت سوال و ترک متابعۃ الانبیا سے شبہات پیدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں تباہ و برباد ہوئے (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۲۱/۵: مَا جَعَلَ اللهُ ،، یہ جَعل تشریعی ہے اسی لئے متعدی بیک مفعول ہے یعنی مشروع نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی اجازت دی۔ اور نہ یہ طریقہ بتایا ہے مِنْ ،، زائدہ محض تاکید کے لئے ہے۔

بَحِيْرَةٍ ،، اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب اُونٹنی پانچ بچے جنتی اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے۔ نہ اُس پر سوار ہوتے اور نہ اُس کا دودھ دوہتے۔ نہ اسے پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے (بکیرہ) بروزن فعیلۃ۔ البحر سے مشتق ہے بمعنی الشق (چیرنا) فعیلۃ بمعنی مفعولۃ ہے۔ یعنی کان کٹی ہوئی۔

وَّلَا سَائِبَةٍ ،، زمانہ جاہلیت میں منت مانتے کہ اگر میں سفر سے بسلامت لوٹا یا بیمار ہوں۔ اگر تندرست ہُوا تو میری اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ یعنی بتوں کے لئے مفت چھوڑ دی جائے گی۔ یہ بھی بحیرہ کی طرح تھی کہ اس سے ہر قسم کا انتفاع حرام سمجھتے۔ سَائبہ ،، بروزن فاعلہ ہے۔ ساب الماء يَسِيْبُ سَيْبًا ،، سے ہے۔ (پانی زمین پر پھیل گیا) اور سائبہ بھی چونکہ زمین پر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی گزرتی ہے اسی لئے اسے نام سے موسوم کیا گیا۔

وَلَا وَصِيْلَةٍ ،، زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ اگر بکری مادہ جنتی تو اس سے خود نفع اُٹھاتے۔ اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے ہوتا۔ اگر نر و مادہ ہر دونوں کو بیک وقت جنتی تو کہتے (وَصَلَتْ أَخَاهَا ،، مادہ اپنے بھائی سے مل گئی) اسی وجہ سے نر کو مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادنی کو حرام نر کو حلال نہیں بنایا یعنی وہ جب اکیلا تھا تو حرام تھا اب مادنی ساتھ ہُوئی تو کیسے حلال ہو گیا۔ یہاں پر فعیلۃ فاعلۃ کے وزن پر ہے۔

وَلَا حَامٍ۔ زمانۂ جاہلیت کی عادت تھی کہ جب اونٹ اونٹنی کو دس بار گابھن کر دیتا تو کہتے۔ قَدْ حَمٰى ظَهْرَهٗ

(اُس کی پیٹھ محفوظ ہوگئی) پھر اِس پر نہ سوار ہوتے اور نہ اُس پر بوجھ لادتے اور نہ ہی اسے پانی اور چارہ سے رد کرتے۔ یہ بھی اسم فاعل ہے۔ حَمَی یَحمِی سے مشتق ہے بمعنی منع کہا جاتا ہے۔ حماہ یحمیہ ،، جبکہ اس کو بچا لیا جائے۔
وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر عمدًا افتراء کرکے جو چاہتے بکتے۔ مثلاً اپنی مرضی سے کوئی کام کرتے تو کہتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ (فائدہ) عمرو بن لحی خزاعی انہیں باتوں کا سبب سے پہلا مفتری تھا۔ اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بگاڑا۔ اسی نے ہی بہت بُت گھڑھے اور اوثان کھڑے کئے۔ اسی نے ہی بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کے رسوم جاری کئے۔

(حدیث شریف) حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی الخزاعی کو اپنی آنتیناں کھینچتے ہوئے جہنم میں دیکھا اور وہ اپنی آنتیوں سے جہنمیوں کو ایذاء دیتا ہے۔

فائدہ : القصب بمعنی المعٰی یعنی آنت۔

وَ اَكْثَرُهُمْ ،، اُن سے وہ ذلیل ترین لوگ مُراد ہیں۔ جو انہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے فرمانی پر اکساتے تھے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ اور اُن کے اکثر نہیں سمجھتے کہ واقعی یہ فعل افتراء اور باطل ہے اسی لئے وہ اُن کی مخالفت نہیں کر سکتے کہ اِس باطل عمل کو چھوڑ کر اپنے آپ کو حق کی طرف لاسکیں۔ بلکہ مرتے دم تک وہ اس تقلید بد کی قید میں پھنسے رہتے ہیں۔

٥ [۱۰۴] وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ،، اور جب اُن کے اکثر کو از رُوئے ہدایت و رہبری کہا جاتا ہے۔ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ ،، آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کو کتاب مبین میں نازل فرمایا ہے۔ وَاِلَى الرَّسُوْلِ ،، اور اس رسُول علیہ السلام کی طرف جس پر یہ احکام نازل ہوئے ہیں تاکہ تمہیں حقیقۃ حال معلوم ہو اور حلال و حرام کی تمیز کر سکو۔ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط تو کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ہادی حق سے کتنا عناد رکھتے ہیں اور اُن کی بے فرمانی میں کتنی حد تک منہمک ہیں اور اپنے گمراہ کنندگان لیڈروں سے کیسے وابستہ ہیں۔

فائدہ : حسبنا مُبتدا ہے اور مَا وَجَدْنَا کی خبر ہے اور حسبنا دراصل مصدر ہے یہاں پر بمعنی اسم فاعل (کافینا) ہے۔ یعنی ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ٥ واو عاطفہ اس جملہ شرطیہ پر اُس کا عطف ہے جو اس سے قبل محذوف ہے۔ اصل عبارت یُوں ہے ایحسبھم ذٰلِكَ الخ کیا انہیں کافی ہے اُن کے آباء کا اس قول پر پایا جانا ،، یا عبارت یُوں ہے ایقولُوْنَ هٰذَا الْقَوْلَ وَلَوْ كَانَ الخ کیا یہ

یوں کہتے ہیں اگرچہ اُن کے آباء دین کی کسی بات کو نہ جانتے اور نہ ہی انہیں راہ صواب معلوم تھا۔

خلاصہ یہ کہ اقتداء اُس کی ہونی چاہیئے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اہلِ علم اور ہدایت پر ہے اور یہ حجۃ اور دلیل کے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ : حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ اور جاہل تھے اسی لئے اُن کی تقلید سُود مند نہیں بلکہ تقلید عالم دین کی ضروری ہے تاکہ انجام بتحقیق ہو۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) از مقلد تا محقق فرقہا است — ایں یکے کوہست واں دیگر صدا است

(۲) در در بینا زنی آئی براہ — دست در کورے زنی افتی بچاہ

ترجمہ : (۱) مقلد و محقق میں بڑا فرق ہے یہ پہاڑ وہ صدا ہے۔

(۲) اگر بینا کا ہاتھ پکڑے گا تو راہ پائے گا اگر نابینا کے پیچھے چلے گا تو کنوئیں میں گرے گا۔

غلط کار صُوفی : حضرت شیخ ددہ اسئلۃ الحکم میں لکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دجالوں کے متعلق پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ اِس اُمت میں کئی دجال پیدا ہوں گے تو ان دجالوں سے مراد وہ پیشوایان قوم ہیں جو خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بالخصوص وہ مکار صُوفی خصوصًا ہمارے زمانہ کے عیار مشائخ کہ صُوفیت کا دَم بھرتے ہیں ہم نے آنکھوں سے انہیں دیکھا کہ خلقِ خدا کو فریب میں پھنسانے کے بڑے مشاق ہیں[۱]۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔ وہ جہاں بھی ہوں۔

حکایت : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے مکری اور فریبی پیر کو کہا (اسے معلوم تھا کہ میں اس کے مکر و فریب کو جانتا ہوں) اپنا یہی پیری مریدی والا جبّہ مجھے قیمتًہ دے دو۔ اُس نے کہا آپ کو معلوم ہے اگر شکاری اپنا جال بیچ ڈالے تو پھر وہ شکار خاک کرے گا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جُبّہ میرا جال ہے کہ جس سے لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے ؎

(۱) بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت — گرش باخدا در توانی فروخت

(۲) بنزدیک من شبرو راھزن — بہ از فاسق پارسا و پیرہن

ترجمہ : (۱) رُو ریا کی گدڑی پہننا آسان ہے اگر اس سے تیرا مقصود صرف کاروبار ہے۔

(۲) میرے نزدیک تو رات کو ڈاکو رہزنی کرنے والا پارسا ریاکار سے بہتر ہے۔

---

[۱] ہمارے زمانے کے بعض پیری مریدی کا دھندا کرنے والے ان سے کچھ کم نہیں بلکہ آجکل یہ مکار اُن سے کوسوں آگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے آمین
(اُویسی غفرلہ)

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جب شیطان کسی پر قبضہ جما لیتا ہے تو اس کو نئے نئے تصرفات پر اُکساتا ہے وہ کسی کی اتباع کو غلط کاری سمجھتا ہُوا دل میں گھمنڈ ڈالتا ہے کہ میرے تمام امور منجانب اللہ اور اس کی خاطر ہو رہے ہیں۔ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ ،، میں اشارہ ہے کہ صُوفیت کے رنگ میں ایسے طریقے گھڑ لئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً صُوفیت کا ڈھونگ رچا کر کان چیر دینا یا ان میں سُوراخ کرکے لوہے کے بالے ڈال دینا یا سینہ کو سُوراخ کر دینا یا ذکر کو سوراخ کرکے اس پر تالہ باندھ دینا یا گردن میں لوہے کے زنجیر ڈالنا۔ یا داڑھی منڈھوا کر قلندرانہ لباس پہن لینا وغیرہ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) قلندری نہ بریشت ومو یا ابرُو — حساب راہ قلندر بدانکہ موی بموست

(۲) گذشتن از سرِمو در قلندری سہلست — چو حافظ آنکہ ز سر بگذرد قلندر اُوست

ترجمہ : (۱) قلندری داڑھی بال اور ابرو کا نام نہیں راہ قلندر کا حساب بال بال صحیح ہوتا ہے۔

(۲) سر کے بال سے قلندری آسان ہے حافظ کی طرح جو سر سے بے خبر ہو وہی قلندر ہے

وَلَا سَائِبَۃٍ ،، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم و معاصی کی خاطر نئے رُوپ دھا کر شہروں میں گھومتے ہیں۔ ہر جائز و ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حیوانوں اور جانوروں کی طرح ہر شئی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ نہ اُن کے مُنہ میں شریعت کی لگام نہ اُن کے گلے میں طریقت کا طوق۔ نہایت ہی آوارہ اور اوباش اور لفنگے ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہی اہلِ حق ہیں۔ ان کو شیطان نے گیند کی طرح اپنا کھلونا بنا رکھا ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

وَلَا وَصِیْلَۃٍ ،، اس سے وہ فقیری کا دَم بھرنے والے لوگ مُراد ہیں جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے ہیں۔ وہ بیگانی عورتوں سے میل جول روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہماری مائی بہنیں ہیں اور ہم اُن کے باپ بھائی۔ جیسے جاہل صُوفیوں کا ایک فرقہ اباحیہ اور زندیقیوں کا ایک ٹولہ کہتا ہے اور عوام کو دھوکہ دیتے ہُوئے کہتے ہیں کہ وہ خُدا رسیدہ ہیں اور مقامِ وحدۃ تک پہنچے ہُوئے ہیں اور ہم ہر حالت میں نقصان سے پاک ہیں اور نہ ہی ہمیں شریعت کی مخالفت مضر ہے، کیونکہ ہم مقامِ حقیقت تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ اِن کا دھوکہ اور دجل و فریب ہے جو شیطان نے اُن کے دل میں ڈالا ہے اور نفس نے انہیں اس دھوکہ دہی و ابلہ فریبی پہ ابھارا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت ہے مذکورہ بالا طریقہ ان کا اپنا گھڑا ہُوا ہے (جو انھوں نے اپنے

نفس کو خوش کرنے کے لئے وضع کیا ہے) نہ ایسوں کو شریعت کی خبر ہوتی ہے نہ طریقت کی اور حقیقت سے تو کوسوں دُور رہتے ہیں بلکہ یہ اہلِ طبیعت ہیں کہ جو جی آیا وہ کر لیا؛ بلکہ انھیں یوں کہوں کہ وہ دھوکہ سازی کے استاذ ہیں۔ عالم دُنیا میں ایسے کمینوں کے فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر ہی دھوکہ بازی کا فن ختم ہے نہ انہیں کوئی روکنے والا ہے اور نہ ہی اُن کی بیخکنی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی جال میں پھنسنے کے ہیں؛ بلکہ یُوں کہو کہ اُنہوں نے اِتنا وسیع جال پھیلا ہے کہ اُلٹا انہیں غلط کار کہنے والا بد نامی اور رُسوائی مُول لیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اری الف بان لاَ یَقُوم بھادم ۔۔۔ فکیف بُنیان خلفہ الف ھادم

ترجمہ : جس عمارت کی ہزاروں بنیاد ڈالیں اُسے کون ہلا سکتا ہے۔ بھلا وہ بنا بھی باقی رہ سکتی ہے جس کا بنانے والا تو ایک ہے لیکن اُس کے ڈھانے والے ہزاروں ہیں [۲]

تفسیرِ عالمانہ [۲۳]: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ اے ایمان والو! اپنے نفسوں کی اصلاح کو لازم پکڑو اور انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ۔ لَا یَضُرُّكُمْ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ مَّنْ ضَلَّ اُس کی گمراہی یعنی گمراہ کی گمراہی و بے راہروی تمہیں نقصان نہیں دے سکے گی۔ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ جب تم ہدایت پا جاؤ یعنی جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

شانِ نزول : بعض اہلِ ایمان کو کافروں کے کفر پر رہنے اور اسلام نہ قبول کرنے سے بہت صدمہ ہوتا تھا اور آرزو کرتے کہ یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ ان میں بعض ایسے کمینے بے دین بھی تھے کہ اُن پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ اہلِ ایمان کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[۱] ہمارے دور میں ایسے پیروں، فقیروں، درویشوں کی بہتات ہے۔ اُنہوں نے ہی پیری مریدی جیسے مقدس طریقہ کو بدنام کیا ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[۲] یہی حالت آجکل کے بہت سے غلط کار پیروں، فقیروں، درویشوں کی ہے کہ جن کے کروڑوں جاہل مرید ہیں۔ پھر فقیر اویسی جیسوں کو کون پُوچھتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان ۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

اِلَی اللّٰہِ ،، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مَرْجِعُکُمْ ،، قیامت میں تمہارا لوٹنا ہوگا ۔ جَمِیْعًا ، تم سب کو گمراہ کو بھی اور ہدایت یافتہ کو بھی فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر دے گا ۔ یعنی وہ تمہارے وہ اعمال جو تم نے دُنیا میں کئے تھے بُرے یا اچھے ۔ تمہیں اُن کی جزاء و سزا دے گا ۔ اس آیت میں ہر دونوں گمراہ اور ہدایت یافتہ کو وعید بھی ہے اور وعدۂ کریمہ بھی اور اس میں تنبیہ ہے کہ کسی دُوسرے کے سبب سے کسی کی گرفت نہیں ہوگی ۔ (سَوَال) : آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر استطاعت کے باوجود ترک کر دے تو جائز ہے ، حالانکہ ایسا نہیں ۔

جواب : اس آیت سے ہی اُلٹا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تائید ہو رہی ہے جیساکہ فرمایا کہ اپنے نفس کو ان موجبات سے بچاؤ جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور آخرت کے عذاب کا سبب ہیں تو پھر اس میں وہ حکم شامل نہیں کہ بُرے کو بُرائی سے حسبِ استطاعت بچائے کیونکہ ؎

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است ⁂ اگر خاموش بنشینی گناہ است

ترجمہ : اگر دیکھو کہ نابینا اور کنواں ہے اس وقت خاموش بیٹھنا گناہ ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : تم میں اگر کوئی کسی بُرائی کو دیکھے تو حسبِ استطاعت اُسے روکے ہاتھ سے یعنی ڈنڈے کے زور سے بُرائی کا خاتمہ کرے ۔ ورنہ زبان سے تبلیغ کرے ورنہ دِل سے (بُرا منائے یا دُعا کرے)

تفسیر صدیقی : ایک روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ممبر پہ تقریر فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے تو ہو لیکن عمل نہیں کرتے تمہیں اس کا مفہوم معلوم نہیں ۔ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ بے شک جب لوگ برائیوں کو دیکھ کر نہیں روکیں گے تو وہ بُرائی عام پھیل جائے گی ۔ اُس کی نحوست سے ان سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کر دے گا فلہذا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل کرو ۔ تمہیں آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ سے دھوکا نہ ہو کہ تم کہو ہم خود تو پابند امرِ الٰہی ہیں ۔ ہمیں دوسرے سے کیا غرض بخدا تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرو ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر شریر حاکم مسلط کر دے گا جن سے تمہیں سخت سے سخت عذاب میں مُبتلا کرے گا ۔ اُس وقت نیک لوگ دُعائیں مانگیں گے لیکن اُن کی دُعائیں قبول نہیں ہوں گی [1]

ایک خطرناک کفریہ کلمہ : اگر کوئی کسی کو کہے کہ تم امر بالمعروف کیوں نہیں کرتے ۔ وہ جواب دے :

---

[1] یہ کیفیت آج ہمارے دَور میں عام ہو گئی ہے ۱۲ ۔ اُویسی غفرلہٗ

امر او چہ کردہ است ،، مجھے اُس نے کیا فائدہ دیا ہے یا جواب دے کہ مَن عافیت گزیدہ ام ،، میں تو گوشہ نشین ہو چکا ہوں مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں یا کہے کہ مرا بایں فضولی چہ کار ،، مجھے اس البوالہوس سے کیا کام۔ ایسی باتوں سے خطرہ ہے کہ قائل کافر ہو جائے[۱] ایسی باتوں کے متعلق حضرت رُومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) تو زگفتار تعالوا کم مکن ❊ کیمیائے بس شگرفست ایں سخن

(۲) گر کسی گردد زگفتارت نفیر ❊ کیمیا راہیچ از وے وا مگیر

ترجمہ (۱) تعالوا کے فرمان سے بے توجہی نہ کر۔ یہ سخن بہترین اور زریں ہے

(۲) اگر نصیحت سے تیرا کوئی مددگاری ہو اس سے بڑھ کر اور کسی کیمیا کی تلاش نہ کر

مسئلہ : امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔ البتہ بوقت عجز ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ پر ایسے دَور بھی گزرے ہیں کہ وہ ڈنڈے اور زبان سے امر بالمعروف ونہی عَنِ المنکر نہ کر سکے تو وہ معذور تھے ؎

چو دست و زبان را نماند مجال ❊ ہمت نماید مردی رجال

ترجمہ : جب زبان اور ہاتھ کو طاقت نہ رہے دعا سے اہل اللہ ہمت دکھاتے ہیں۔

مسئلہ : مختلف اشخاص و مختلف احوال و اوقات کے مطابق امر بالمعروف ونہی المنکر کا حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔

سبق : عاشق پر لازم ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے بلکہ وہ وقت کے حکم کا پابند رہے۔ اس لئے کہ ہر زمانہ کی اپنی دولت ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے اپنے مردانِ خدا ہوتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : اے ایمان کے طالبو! یقین کرو کہ وجدان صرف طلب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار جس نے مجھے طلب کیا۔ وہ مجھے پالے گا۔ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہو جاؤ۔ اس لئے کہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا اور وہ خسارہ میں پڑا جس نے نفس کو گناہوں میں چھپایا۔ جب تک پہلے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کر لو اس وقت تک دوسروں کے نفسوں کے تزکیہ کی ذمہ داری نہ لو اور لوگوں کو اپنا مرید دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اسی طرح ان کا نہیں اچھا کہنا یا نیک گمان رہنا اور ان کا نزدیکی تلاش کرنا بھی تمہارے لئے مضر ہے اس لئے کہ اے طالبانِ راہِ ہُدیٰ یہ امور تمہارے لئے زہرِ قاتل ہیں وہ سالک جب خود بھی سلوک میں ادھورا ہے تو دوسروں کو مرید

---

[۱] آج کل یہ بیماری بھی عام ہے۔ ۱۲ اُویسی غفرلہ

کیوں بناتا ہے جب خود اپنی اصلاح سے غافل ہے اُس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو تو دُوسرا اسے اپنا ہاتھ دیدے اب دونوں ڈوب کر مرجائیں گے اس لئے کہ دُوسرا بھی پہلے کی طرح تیراک نہیں تھا۔ اسی لئے لازم ہے کہ کسی کامل کا دامن پکڑے جو اُسے منزل مقصود تک پہنچا دے اور سالک پر لازم ہے کہ اس جانکاہ راہ میں ہلاک ہونے والوں کو دیکھ کر گھبرا کر ہمت نہ ہارے۔ اس لئے کہ اگر تم نے اپنی طلب میں صداقت اور خلوص کا دامن نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ خود بہتر اسباب بنائے گا۔ لَا یَضُرُّکُمْ ،، اے طالبانِ راہ حق تم دُوسرے غرق ہونے والوں سے نہ گھبراؤ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مَنْ ضَلَّ ،، وہ جو گمراہی کے دلدل میں پھنسا۔ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ،، جب تم راہِ حق نصیب ہوگا۔ اِلَى اللّٰہِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ،، اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کا رجوع ہے۔ یہ خطاب اُن حضرات کو ہے جو جذبات عنایتِ الٰہی سے راہِ حق پر ہیں اور اُن کو بھی ہے جو مکر و فریب کے راہ پر قہر و عصیاں کے سلاسل سے پابجولاں ہوکر گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ،، پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دے گا۔ یعنی اعمال کے ثواب کی تمہیں لذتیں چکھائے گا اور بُرے اعمال والوں کو دردناک عذاب میں مُبتلا کرے گا۔

سبق : اثنائے سلوک میں سالک پر لازم ہے کہ وہ کسی کے مرید ہو جانے پر خوش نہ ہو جائے نہ اُس کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے اور اپنی تربیت چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح میں لگ جائے اور یہ اس کے لئے دھوکا اور مکرو فریب ہوگا کہ اس وقت وہ اپنے آپ کو ایک شیخ کامل تصوّر کرکے مقتدا بن بیٹھے۔ جب تک شیخ کامل کی نگرانی میں اپنی منازل کو پُورا نہ کرلے۔ کسی دُوسرے کی رہبری میں مشغول نہ ہو۔ ہاں جب شیخ کامل اُس کی اہلیت وصلاحیت دیکھے کہ واقعی یہ راہ سلوک میں ثابت ہوچکا ہے اور اس لائق ہے کہ وہ دوسروں کی تربیت کرسکے گا اور یہ نفس وشیطان کے کسی قسم کے دھوکا اور فریب میں نہیں پڑے گا تو پھر اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ یہ سلسلہ جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ،، اب رہا ہمارے دَور کا معاملہ (الاماں والحفیظ) کہ یہ سلسلہ پیری و مریدی ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے کہ وہ خود بھی کسی کامل شیخ کے مرید نہیں، لیکن دعویٰ دیکھو تو بایزید وجنید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے دو قدم آگے نظر آتے ہیں اور پھر جاہلوں اور ناکارہ لوگوں میں بیٹھ کر اپنی جاہلیت وگمراہی سے اپنی بزرگی کے کمالات کے لئے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اُن کی پیری مریدی کی دکان چمکے اور اس کی بزرگی کا شہرہ دُور دُور تک پھیل جائے اور ان گنت مریدین ہاتھ لگ جائیں۔ پیری مریدی جو ایک مقدس اور اعلیٰ عہدہ تھا۔ اب بچوں کا کھیل بن گیا ہے بلکہ یُوں کہو کہ شیطان کی گمراہی کا جال اگر ہے تو یہی دھندا ہے۔ ستم کی بات تو یہ ہے کہ اسے ایک وراثت خاندانی بنا لیا گیا ہے کہ جب ان میں سے ایک مرے گا تو پھر اس کا بیٹا ہی سجادہ نشیں ہوگا

خواہ وہ اہل ہو یا نا اہل۔ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ پھر خدا ہی رحم کرے کہ اس (سجادہ نشیں) پر دستار پیری مریدی بندھوا دی گئی تو پھر وہ تبرک ہی بن گئے۔ خواہ اُس کے کارنامے ابلیس سے کم نہ ہوں اور اس کے لئے وہ درجات تیار ہیں گے جو حضرت جُنید و شبلی کو حاصل ہُوئے تھے اور یہ بیماری بھی عام پھیلی گئی ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ اَب حقیقی پیری مریدی ختم ہوگئی ہے (اِلّا ماشاء اللہ) واللہ اَعلَمُ! (یہ تقریر تاویلات نجمیہ سے لی گئی ہے)[له]

تفسیر عالمانہ

: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ،، اس مضمون کو حرف ندا سے شروع کرنے میں اس کی اہمیت پر دلالت ہوتی ہے۔

شانِ نزول : مہاجرین میں سے بُدیل بن ابی مریم جو حضرت عمرو بن عاص کے موالی میں سے تھے بقصد تجارت ملک شام کی طرف دو نصرانیوں کے ساتھ روانہ ہُوئے۔ اُن میں سے ایک کا نام تمیم بن اوس داری تھا۔ اور دوسرے کا عدی بن بداء شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہوگئے اور اُنھوں نے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ڈال دی اور ہمراہیوں کو اُس کی اطلاع نہ دی۔ جب مرض کی شدت ہُوئی تو بدیل نے تمیم و عدی دونوں کو وصیّت کی کہ اُن کا تمام سرمایہ مدینہ شریف پہنچ کر اُن کے اہل کو دیدیں اور بدیل کی وفات ہوگئی۔ اِن دونوں نے اُن کا سامان دیکھا تو اُس میں ایک چاندی کا جام تھا۔ جس پر سونے کا کام تھا۔ اس میں تین سو مثقال چاندی تھی۔ بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کے قصد سے لائے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں ساتھیوں نے اس جام کو غائب کر دیا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو اُنھوں نے بدیل کا سامان اُن کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ سامان کھولنے پر فہرست اُن کے ہاتھ آگئی۔ جس میں تمام متاع کی تفصیل تھی۔ سامان کو اُس کے مطابق کیا تو جام نہ پایا۔ اب وہ تمیم اور عدی کے پاس پہنچے اور اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا بدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا۔ اُنھوں نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا بدیل بہت عرصہ بیمار رہے اُنھوں نے اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا۔ اُنھوں نے کہا نہیں وہ تو شام پہنچتے ہی بیمار ہوگئے اور جلدی ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ اس پر اُنھوں نے کہا کہ اِن کے سامان میں ایک فہرست ملی ہے۔ اس میں چاندی کا ایک جام (سونے سے منقش) جس میں تین سو مثقال چاندی ہے نہیں ہے۔ تمیم و عدی نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہمیں تو جو وصیت تھی اس کے مطابق سامان ہم نے تمہیں دیدیا۔ جام کی ہمیں خبر بھی نہیں۔ یہ مقدمہ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں پیش ہُوا۔ تمیم و عدی وہاں بھی انکار پر جمے رہے اس پر یہ آیت نازل ہُوئی تو حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے منبر کے نزدیک قسم اٹھوائی کہ کہو کہ اللہ کی قسم

[له] اگر فقیر اویسی غفرلہ اپنے دور کے متعلق یہی فتویٰ صادر کرے تو بہت سے پیر بارِ خاطر تو ہوں گے ہاں لیکن جھانک کر دیکھیں تو سہی کہ کیا یہ خامی آپ میں تو نہیں۔ اگر ہے تو اصلاح کیجئے۔ ورنہ اِس دھندا سے توبہ کیجئے۔ فقط ۱۲۔ اُویسی غفرلہ

ہم نے نہ مال کی خیانت کی ہے اور نہ ہی اس سے کچھ چھپایا ہے ۔ وہ دونوں قسم کھا گئے ۔ حضور علیہ السلام نے انہیں چھوڑ دیا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر وہ جام مکہ مکرمہ میں پکڑا گیا ۔ جس شخص کے پاس تھا ۔ اس نے کہا کہ میں نے یہ جام تمیم و عدی سے خریدا ہے ۔ مالک جام کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ہماری شہادت اُن کی شہادت سے زیادہ احق ہے ۔ یہ جام ہمارے مورث کا ہے ۔ اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

ایک روایت میں ہے کہ بڑی مدت کے بعد تمیم اور عدی نے وہی جام ظاہر کیا تو اُن سے بدیل کے ورثاء نے مطالبہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم نے بدیل سے خریدا تھا ۔ بدیل کے وارثوں نے کہا کہ پہلے تو خود تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے اس سے کچھ نہیں خریدا ۔

اُنھوں نے کہا چونکہ اس خریداری پر ہمارے پاس گواہ نہ تھے اس لئے ہم نے ویسے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم نے کچھ نہیں خریدا ۔ یہ مقدمہ حضور علیہ السّلام کی خدمت میں پیش ہُوا تو آیت فَإِنْ عُثِرَ الخ اُتری ۔ اس پر عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ وہ دونوں یعنی تمیم اور عدی سعید جھوٹ بولتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے خیانت کی ہے ۔ اس بنا پر وہ جام اُن سے لے کر بدیل کے ورثاء کو دیا گیا ۔

فائدہ : علماء کرام میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ باعتبار اعراب او الفاظ اور حکم کے یہی آیت طویل ہے ۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ،، خصومات جو جاری ہوتے ہیں اُن کے متعلق تمہاری آپس کی گواہیاں بین ظرف اور شہادۃ کا مضاف الیہ ہے اور ظروف میں وسعت ہوتی ہے کہ انہیں ہر حیثیت سے معمول بنایا جاسکتا ہے گویا اس وقت یہ فعل کا مفعول ہے ۔ پھر وہی فعل یا سَارِقُ فِی اللَّیْلَۃِ تھا اور شہادۃ اس لئے کہ مرفوع اور مبتدا ہے ۔

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ،، جب تمہارے ایک کو موت واقع ہو یعنی تمہارے لئے موت کا وقت قریب اور اُس کے آثار نمودار ہو جائیں ۔ یہ جملہ شہادت کے لئے ظرف ہے ۔

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ ،، یہ ظرف سے بدل ہے اسے ظرف سے بدل بنانے میں تنبیہ ہے کہ وصیت ایسے اہم مسائل سے ہے کہ مسلمان کو اس میں سستی اور غفلت نہ کرنی چاہئیے ۔

اِثْنَانِ ،، یہ مُبتدا کی خبر ہے ، لیکن یہاں مضاف مقدر ماننا جائے گا تاکہ حین کو مجاز پر محمول نہ کرنا پڑے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کسی کی موت کے وقت وصیت کرنا بھی دو گواہوں کی طرح ہے گویا اس کی وصیت ہی دو گواہ ہیں ۔ یا یوں ہو کہ اثنان شہادۃ مصدر کا فاعل ہے ۔ اس معنیٰ مبتداء کی خبر محذوف ہے وہ خبر فِیْمَا نَزَّلَ عَلَیْکُمْ اَنْ یَّشْهَدَ بَیْنَکُمْ اثْنَانِ ہے پھر لفظ اثنین کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے کون مُراد ہیں ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ وہ دو

گواہ جو وصیّت کرنے والے کی وصیّت کی گواہی دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وصی مُراد ہیں جو میّت کے مرتے موجود تھے اس لئے کہ یہ اُن کے حق میں اُتری اور پھر اُن کے متعلق فرمایا گیا وَ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنَ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمَانِ الخ

مسئلہ : یہ ضروری نہیں کہ وصیت کے وقت دو گواہ ہوں۔ ایک کو گواہ بنانا بھی کافی ہے۔ اگرچہ آیت میں دو کا ذکر ہے اور رموزوں اور بہتر بھی یہی ہے کہ گواہ دو ہوں اس لئے کہ آپس میں ایک دُوسرے کا معاملہ مضبوط کرلیں گے، لیکن ایک گواہ ہو تو بھی حرج نہیں۔

فائدہ : اس معنے پر لفظ شہادت بمعنی الحضور ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے : شَهِدْتُ وَصِيَّةَ فُلَانٍ" بمعنی حضرت الخ یعنی میں فلاں کی وصیّت کے وقت حاضر تھا اور "الشہید" وہ ہے جسے جنگ میں موت حاضر ہو جائے ۔"

مَسئلہ : جس پر نماز کا وقت گزر جائے اور وہ بعد کو فوت ہو اُسے شرعًا شہید نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اسے جنگ میں موت حاضر نہیں ہوئی ۔

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" یہ اثنان کی صفت ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے رشتہ داروں میں سے اور صاحبِ امانت اور ذی عقل ہوں۔ اس لئے کہ انہیں میّت کی مصلحتوں کی زیادہ سوچ بچار ہوگی۔ یا مِنْكُمْ کے خطاب سے رشتہ دار مُراد نہ ہوں۔ بلکہ قرابت دینی مُراد ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے دین کے بھائی ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مسلمانو! وہ گواہ بناؤ جو تمہارے دین سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ جملہ تامہ ہے اور شہادت کا حکم ہر وصیّت کو شامل ہوگا۔ سفر ہو یا حضر میں۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ "، یا دو دوسرے وہ گواہ جو تمہارے غیر ہیں یعنی وہ تمہارے قریبی رشتہ دار نہیں یا وہ تمہارے دین پر نہیں جیسے ذمّی۔

قاعدہ : ذمی کا گواہ بننا ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ اس لئے کہ اہلِ اسلام کا عام اور ہر جگہ پایا جانا ممکن نہ تھا۔ بالخصوص حالت سفر میں۔ پھر وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ سے یہ منسوخ ہوگیا۔

مَسئلہ[۱] : مسلم پر ذمی کا گواہ بننا جائز نہیں۔ اس لئے کہ گواہ صاحبِ ولایت ہوتا ہے اور ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں۔

مسئلہ[۲] : ذمی کی ذمی پر گواہی جائز ہے۔ اس لئے کہ ذمّی ایک دُوسرے کے ولی ہو سکتے ہیں۔

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ "، اگر تم زمین کا سفر کرو۔ **فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ** ط تو تمہیں موت کی مُصیبت گھیر لے۔ اس کا شرط پر عطف ہے۔ مَا قَبْل کی وجہ سے اُس کا جواب محذوف

ہے۔ یعنی اگر تم سفر میں ہو اور موت قریب ہو جائے اور اُس وقت تمہارا کوئی رشتہ دار ساتھ نہ ہو اور نہ ہی کوئی اسلامی بھائی (جو تمہارے معاملات کو درست کر سکے) جیسا کہ عموماً سفروں میں ہو جاتا ہے تو پھر تمہارے لئے جائز ہے کہ تم غیر مسلموں کو اپنے لئے وصیّت کے گواہ بنالو۔

فائدہ : اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ الخ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ کو مقیّد کرنے کے لئے ہے۔ یعنی بوجہ مجبوری دُوسروں کو گواہ بناؤ اور بلا ضرورت جائز نہیں۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا ،، یہ جُملہ مستانفہ ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر ہمیں ذو عَدل گواہ نہ ملیں یا ہمیں اُن کی گواہی میں شک ہو تو پھر ہم کیا کریں تو اُس کے جواب میں فرمایا: تحبسونہما یعنی اُن سے قسمیں لے کر گواہیاں لو۔ **مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ** ،، نماز کے بعد۔ یہ مِنْ صلہ کا ہے اور الصلوٰۃ کا الف لام عہد خارجی ہے۔ اس سے عصر کی نماز مُراد ہے۔ وہ اس لئے کہ قسم کے لئے اُن کے ہاں یہی وقت مقرر تھا، کیونکہ عموماً وہ اُس وقت جمع ہوتے تھے اور رات اور دن کے فرشتوں کی تبدیلی کا بھی یہی وقت ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ ایمان اِس وقت کو بہت بڑا معظم سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں [1]

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر کسی سے قسم لیتے تو اسی وقت۔

مسئلہ : امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خون، طلاق، آزادی غلام اور دوسو درہم مال کی گواہی میں اس طرح کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ کسی معظم وقت اور کسی معزز جگہ میں قسم لی جائے۔ جیسے نماز عصر کے بعد اور مکہ معظمہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان اور مدینہ طیبہ میں منبر نبوی کے پاس اور بیت المقدس میں صخرہ کے پاس۔ اسی طرح وہاں کے عوام جس وقت اور جس جگہ کو مقدس و معزز سمجھتے ہوں وہاں اُن سے قسم لی جائے جیسے تمام مقامات کی اشرف المساجد۔

مسئلہ : سیّدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کو کسی زمان و مکان سے مخصوص نہیں فرماتے۔ اُن کے نزدیک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں قسم لی جاسکتی ہے اس لئے کہ قسم ایمان والے کے لئے معزز و مکرم ہے لہٰذا کسی زمان و مکان کی ضرورت نہیں۔

---

[1] ہمارے عُرف میں قرآن سر پر رکھا کر قسم لے جاتی ہے اس کا استنباط اسی آیت سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے عوام قرآن مجید کو معزز و معظم سمجھ کر جھوٹی قسم سے کتراتے ہیں لیکن سچی قسم قرآن مجید سر پر رکھنے سے انکار نہیں کرتے ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ ،، پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔ اس کا عطف تَحْبِسُوْنَهُمَا پر ہے۔
اِنِ ارْتَبْتُمْ ،، یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماسبق دلالت کرتا ہے یعنی قسموں کے لئے محبوس کرنا اور اس پر قسم لینا (جو کہ صرف اللہ کی ذات کے لئے لی جاتی ہے) اور یہ جملہ قسم اور جواب قسم کے درمیان معترضہ واقع ہُوا ہے تاکہ تنبیہہ ہو جائے کہ گواہوں کا حبس اور قسم لینا صرف بوقت شک کے ہوتا ہے۔ یعنی اگر میّت کے ورثہ کو گواہوں پر خیانت یا ترکہ میں کسی شئے کے خورد و بُرد کا شک ہو تو اُن سے حاکم کے سامنے کھڑا کر کے قسمیں اُٹھوائیں۔
لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا ،، یہ قسم کا جواب ہے۔ اس لئے کہ فَيُقْسِمٰنِ ایسی قسم کو متضمن ہے جو اس میں مضمر ہے۔ الاِشْتِرَاءِ بمعنی استبدال السلعۃ بالثمن ،، یعنی ثمن کو بطور بدل دے کر سامان لینا پھر استعارہ کے طور ماخوذ (جس شئی کو لیا جا رہا ہو) میں رغبت کی وجہ سے اپنے پاس سے کوئی شئے دے کر اس ماخوذ کو لینا اور اپنی دی ہوئی شئے سے رُوگردانی پر بھی مستعمل ہوتا ہے (جیسا کہ استعارات میں ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بدل بنا کر اپنے نفسوں کے لئے نہیں لے رہے کہ اس کی بے حُرمتی کر کے دُنیا کا کوئی سامان لے لیں۔ یعنی جھُوٹی قسم کھا کر ہم اُس کی ہتک نہیں کر رہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مال یا لالچ دنیوی کے پیشِ نظر جھوٹی قسم نہیں کھا رہے۔ وَلَوْ كَانَ
(سوال) کان کی ضمیر کس طرف راجع ہے۔
(جواب) مقسم لہٗ کی طرف۔ یعنی جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے یعنی میّت۔
(سوال) یہ کس طرح معلوم ہُوا۔
(جواب) فحوائے کلام دلالت کرتا ہے کہ یہاں مقسم لہٗ یعنی میّت مُراد ہے۔
ذَا قُرْبٰى ،، اگرچہ وہ میّت رشتہ دار بھی کیوں نہ ہو یعنی وہ ہمارے رشتہ کے لحاظ سے بہت قریب ہو تب بھی ہم جھُوٹی قسم نہیں کھائیں گے۔ اس میں تاکید ہے کہ ہم جھوٹی قسم سے بالکل بَری ہیں۔ گویا تاکید کر کے اپنا تنزہ بتانا چاہتے ہیں۔ گویا وہ گواہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حُرمت کو بدل بنا کر مال نہیں لینا چاہتے۔ اگرچہ اس میں ہمارے قریبی رشتہ داروں کی بات بھی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ رشتہ داروں کی رعایت سے ہمیں اپنی زیادہ رعایت ہے کہ ہم رشتہ داروں کا فائدہ کر کے جہنم کا ایندھن نہیں بننا چاہتے۔ اپنی رعایت رشتہ داروں کی رعایت سے عزیز تر ہے۔
(سوال) جھوٹی قسم کھانے سے انہیں خطرہ مذکور سامنے ہوگا تو پھر اُنہیں بار بار جھوٹی قسم کھانے سے روکنے میں کیا حکمت ہے۔
(جواب) واقعی جھوٹی قسم کھانے میں جہنم کا خوف ہوگا، لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ بعض کو۔ ورنہ اکثر دنیا کی

لالچ میں جہنم کا خوف کئے بغیر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں اس لئے بار بار تاکید کی گئی۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللهِ ،، اس کا عطف لانشتری پر ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے اور شہادۃ اللہ لا نکتمُ کا مفعول بہ ہے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔

(سوال) شہادت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں مضاف کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہی تو بندوں کے لئے ہے۔

(جواب) آمر شہادت کا اللہ تعالیٰ ہے کہ اُس نے اس کی حفاظت اور عدم کتمان اور ضائع نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اِنَّا اِذًا ،، بے شک ہم اس وقت یعنی گواہی کو چھپانے کے وقت لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ گنہگاروں اور نافرمانوں سے ہوں گے ○ فَاِنْ عُثِرَ ،، اگر ان قسموں کے بعد اطلاع دی جائے۔ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ،، اُوپر اُس کے کہ بیشک وہ دونوں گناہ کے مستحق ہُوئے۔ یعنی اُن سے ایسا فعل سرزد ہُوا جو اُن کے گناہ کا موجب بنا کہ گواہی میں تحریف کی یا اسے چھپایا۔ مثلاً ان سے چوری شدہ مال مل گیا یا اس مال کے استحقاق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فَاٰخَرٰنِ ،، یہ مُبتداء ہے اور اس کی خبر يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا ،، ہے یعنی پس ان دو کے قائم مقام دو دو گواہ اور کھڑے کئے جائیں۔ یعنی جن کی خیانت پر اطلاع ملی ہے تو اُن کے بجائے دوسروں کو مقرر کیا جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ شہادت سے انکار کرتے ہیں تو شہادت کی ادائیگی کے لئے دُوسرے مقرر کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کے متعلق تمہیں خیانت کا علم ہُوا ہے اُن کے بجائے دوسرے ایسے آدمی لئے جائیں جو حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھا کر اظہار حق کریں۔ مِنَ الَّذِيْنَ ،، یہ یَقُوْمٰن کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے۔ اس سے میّت کے متعلقین مُراد ہیں۔ اِسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ،، جھوٹی گواہی نے ان کا حق چھین کر اُن کو نقصان پہنچایا جو میّت سے قریب تر ہیں۔ اَلْاَوْلَيٰنِ سے میّت کے وہ ورثاء جو اسے زیادہ قریب ہیں، مُراد ہیں اب وہی گواہی دینے والے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی وہ قسم کھا کر گواہی دیں (جیسے بدیل کے رشتہ داروں نے کیا) استحق کا مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت یُوں تھی کہ استحق علیہم ان یجرد وھما للقیام بالشہادۃ الخ یعنی اب صرف یہی میّت کے رشتہ دار گواہی کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ قسم کھا کر گواہی دیں اور بتائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ درحقیقت الآخران یہی ہیں کہ جنہیں پہلے گواہوں کے بعد گواہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے جو عبارت میں مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا ہے۔ اس معنی پر استحق مبنی للمفعول (بصیغۂ ماضی مجہول) بھی پڑھا گیا ہے اور یہی موزوں تر ہے مِنَ الَّذِيْنَ ،، استحق یعنی وہ لوگ جن کا حق چھینا گیا یعنی میّت کے ورثاء اور اس کے قبیلہ والے اس تقریر پر اَلْاَوْلَيٰنِ مرفوع اور مُبتدا محذوف کی خبر ہے۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال ہُوا کہ جن کا حق چھینا گیا وہ کون لوگ ہیں تو اُس کے جواب میں فرمایا: اَلْاَوْلَيٰنِ ،، یعنی میّت کے ورثہ۔

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ ،، اس کا عطف یقُومٰن پر ہے ۔ لَشَهَادَتُنَآ یہاں شہادت بمعنی یمین ہے ۔ جیسے آیت فشهادة احدهم اربع شهادات باللّٰہِ میں شہادت بمعنی یمین ہے یعنی میت کے حقدار گواہی کے وقت کہیں کہ بخدا ان دونوں نے جو ہمارے سے پہلے گواہی دی وہ جھوٹے ہیں ۔ نہ ہی اُن کا کوئی حق بنتا ہے بلکہ جو کچھ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں اَحَقُّ ،، قبول ہونے کے لئے زیادہ لائق ہے ۔ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ،، بہ نسبت ان کی جھوٹی گواہی کے ساتھ قسم کھا جانے کے واضح ہو چکا ہے کہ وہ جھوٹی قسم کھا چکے ہیں اور لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے جھوٹ کہا اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے سچ کہا ہماری قسم اور گواہی میں کسی قسم کا جھوٹ اور تردد نہیں ۔

سوال : جب واضح ہے کہ واقعی اُن کی گواہی سچی ہے تو پھر اُسے صیغۂ افعل التفضیل سے کیوں لایا گیا اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بالمقابل (دوسروں) کی گواہی بھی قابلِ قبول ہو حالانکہ اُن کی گواہی بالکل مسترد ہو چکی ہے (جواب) ان کے مقابل (لوگوں) کی بات میں من وجہ صدق کا احتمال باقی تھا اس لئے کہ مال مسروقہ اُن کے قبضہ میں تھا اور وہ اس کی ملکیت کے مدعی بھی تھے ۔ بنابریں اُنھوں نے اپنی گواہی اور قسم کو ''احق ،، افعل التفضیل سے بیان کیا ۔

وَمَا اعْتَدَيْنَآ صلے ،، اس کا عطف جواب قسم پر ہے ۔ یعنی ہم نے نہ تو گواہی میں حق سے تجاوز کیا اور نہ ہی اُن کے استحقاق پر حملہ کر کے اُن کا حق باطل کیا ۔ اِنَّآ اِذًا ،، اگر ہم یمین اور گواہی میں تجاوز کریں تو اُس وقت لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ تو ہم اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے پیش کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے یا حق کو غیر حق میں رکھنے والے ہوں گے ۔

خلاصہ تفسیر : جس پر موت جھانکے اس پر لازم ہے کہ اپنے رشتہ داروں یا اسلام کے نام لیواؤں میں سے دو نیک انسانوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے ۔ اگر ایسے دو گواہ نہ ملیں ۔ مثلاً سفر میں ہے تو اُن کے غیروں سے دو اور گواہ بنالے پھر بوقت گواہی اُن پر کسی قسم کا شک و شبہ پڑ جائے تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم نے نہ تو گواہی میں کسی قسم کی کمی بیشی کی ہے اور نہ ہی ہم نے میت کے مال متروکہ میں سے کچھ چرایا ہے لیکن اُن سے یہ قسم ایسے زمانہ اور مکان میں لی جائے کہ وقت اور مکان ان کے نزدیک معزز و مکرم ہو تاکہ انہیں جھوٹی قسم کھانے پر جرأت نہ ہو ۔ اُن کی قسم کھانے کے بعد اگرچہ فیصلہ بھی ہو چکا ہو لیکن معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی تھیں ، حالانکہ میت کا مال واقعی اُنھوں نے چرایا یا وہ مال اُن کے ہاں مل جائے ۔ اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ ہم نے میت سے قیمتاً خریدا تھا تو میت کے ورثہ قسم کھائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں ۔ درحقیقت یہ مال ہمارے مرنے والے رشتہ دار کا ہے ۔

سوال : جب پہلے گواہوں کی قسم جھوٹی ثابت ہو چکی ہے تو پھر میت کے ورثہ سے قسمیں لینے کا کیا معنیٰ

(جواب) یہ قاعدہ ہے کہ جب وصیِ میّت کے مال میں دعویٰ کرے کہ میں نے اسے خریدا ہے یا کہے کہ میّت نے خود مجھے عنایت فرمائی تھی۔ ورثہ کو اگر انکار ہو تو وہ قسمیں کھائیں اس لئے کہ یہ دعویٰ کے منکرین ہیں اور منکر کو دعویٰ میں قسم کھانا پڑتی ہے اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو۔ اگرچہ یہ آیت بعض اعتبار سے منسوخ ہے لیکن منکر سے قسم لینے کا مسئلہ منسوخ نہیں۔

۱۰۸ ذٰلِكَ ،، وہ تفصیل جو ابھی مذکور ہوئی۔ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ،، زیادہ قریب ہے کہ گواہ گواہی کو اس طریق سے ادا کریں کہ جس طرح انہیں معلوم ہے ذرّہ بھر بھی کمی بیشی نہ کریں اور نہ ہی قسم کی خیانت کریں اور آخری عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہیں۔ یہی نکتہ اس میں ہے کہ قسم معزز و مکرم وقت اور مکان میں لے جائے اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ یا انہیں خوف ہو کہ ہماری قسمیں دوسروں کی قسموں کی وجہ سے رد کر دی جائیں۔ اس میں یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ پہلے گواہوں کی گواہی شرعاً کیوں مسترد ہوئی۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ یخافوا عذاب الاٰخرة بسبب الیمین الکاذبة اَوْ یَخَافُوْا الافتضاح علٰی رؤس الاشهاد الخ یعنی مذکورہ بالا تدابیر اس لئے کی گئیں تاکہ وہ اپنی گواہی صحیح طریق سے ادا کریں اور آخرت کے عذاب سے ڈر کر جھوٹی قسم سے بچ جائیں یا انہیں یہ خطرہ ہو کہ بر سرِ مجلس ہماری گواہی ٹھکرا دی جائے گی۔ جس سے ہمیں شرمسار ہونا پڑے گا بایں طور کہ میّت کے ورثہ سے ہمارے خلاف قسم لے کر گواہی لے جائے گی۔ مذکورہ بالا طریقوں سے غلط کار گواہوں کو خیانت سے بچانا مطلوب ہے۔ ان دو مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کو مدِ نظر رکھیں گے تو ہمارا مقصود حاصل ہو جائے گا یعنی صحیح طریق سے گواہی دیں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ،، گواہی دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گواہی کو نہ بدلو اور قسم کھانے میں جھوٹی قسموں سے بھی بچو اور امانت میں خیانت اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تمام احکام کے خلاف بھی نہ کرو!

وَاسْمَعُوْا ؕ جتنی تمہیں نصیحتیں دی جاتی ہیں انہیں سن کر قبول کرو اور اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠ اور اللہ تعالیٰ طاعت سے خارج ہونے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرو گے اور اس کا حکم سن کر مخالفت کرو گے تو تم فاسق ہو جاؤ گے اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی انھیں راہِ جنت نہیں ملتا یا انہیں ہر طرح کے نفع سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : شرعاً گواہی ہر اس فعل کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے گواہی دینے والے نے واقعہ پر موجود ہو کر اپنی آنکھوں سے معائنہ یا مشاہدہ کیا ہو لہ افعال ہیں جیسے قتل زنا یا سن کر گواہی دے جیسے عفو داور اقرار میں۔

لہ اسی معنی کو سامنے رکھ کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شاہد بمعنی گواہ مان لیا جائے تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا! (سوچئے) اویسی غفرلہ

مَسْئلہ : یہی وجہ ہے کہ گواہی اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک یہ نہ کہے کہ میں واقعہ پر خود موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میں اُسے بلا واسطہ خود جانتا ہوں اور فلاں فلاں سے بلاواسطہ سُنا۔

مَسْئلہ : اس لئے گواہی دیتے وقت واقعہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السّلام نے فرمایا جب تمہیں ایسے یقین ہو جائے جیسے سُورج کو آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرتے ہو اس وقت گواہی دو۔ ورنہ گواہی سے بچو۔

نُکتہ : گواہی دینے میں چند فوائد ہیں (۱) حقوق النّاس کی حفاظت (۲) عقود میں بائع مُشتری کے انکار کا انسداد (۳) صاحبان اموال کے مال کا تحفّظ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ گواہوں کی عزّت کرو۔ اس لئے کہ انہی پر تمہارے حقوق کا دار و مدار ہے۔

مَسْئلہ : جب گواہی کے لئے کسی کو گواہ کی حیثیّت سے بُلایا جائے تو اُسے انکار کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ گواہی کے لئے نہ جائیگا تو حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اس کا وبال اُس پر ہو گا۔

مَسْئلہ : یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے سوا، اور کوئی نہیں۔ اگر کوئی دُوسرا اُس کے سِوا گواہی کے لئے موجود ہو تو یہ گواہی کے لئے حاضر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت صاحبِ حق کے حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں۔

مسئلہ : حدُود میں مختار ہے چاہے گواہی دے یا مجرم کے جرم پر پردہ ڈالے اس لئے کہ گواہی دینا بھی ثواب ہے اور مُسلمان کی عیب پوشی بھی ثواب بلکہ مُسلم بھائی کی پَردہ پوشی افضل ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السّلام نے فرمایا جو اپنے مسلم بھائی کی پردَہ پُوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دُنیا و آخرت میں پَردہ پوشی فرمائے گا۔

اعجوبہ : جھوٹی قسمیں بستے علاقوں کو اُجاڑ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ دُنیا کی لالچ میں پھنس کر جھُوٹ سے بچے اور ہر قول و فعل میں سچائی کو اختیار کرے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طریقِ صدق بیاموز از آب صافی دل ⁂ براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ : سچائی پانی صاف دل سے سیکھ سرو چمن کی طرح آزادگی طلب کر

مسئلہ : امانت بہت بڑے بہترین اوصاف سے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ امانتوں کی ادائیگی کا حکم فرماتا ہے لیکن افسوس کہ دَورِ حاضرہ میں ایسے اشخاص کا فقدان ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝٢٧ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَ
الْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا
فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢٨
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ
اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝٢٩ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ
يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا
اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٣٠ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٣١
قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ
السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝٣٢ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ
يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٣ ع

ترجمہ : جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک تو ہی غیبوں کو خوب جاننے والا ہے [۲۷] جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کرو میرا احسان اپنے اُوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے رُوحِ پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت و انجیل اور جب مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو [۲۸] اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں [۲۹] جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو [۳۰] بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں [۳۱] عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے [۳۲] اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اُتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا [۳۳]

(بقیہ صفحہ ۷۳) ؎ خیانتہائے پنہاں میکشد آخر برسوائی ⁂ کہ درد خانگی را شحنہ در بازار میگردد

ترجمہ : پوشیدہ خیانتیں بالآخر رُسوائی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہیں جیسے گھر میں بیٹھے چور کو کوتوال بازار میں کھینچ لاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

: سالک کو تقوی لازمی ہے۔ اور احکام اَزلیہ کی طرف توجہ بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو اپنی درگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں بخشتا اور فاسق سے وہ لوگ مُراد ہیں جن پر ازل میں نُور کا چھینٹا نہ پڑا اور وہ اس ازلی نُور سے یکسر محروم رہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جسے اَزلی نُور نصیب ہوا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم ہُوا۔ وہ ہمیشہ کے لئے بدبخت رہا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام کی مخالفت

سے بچائے اور اِن لوگوں سے دُور رکھے جنھوں نے اپنی زندگی کے مقدس انفاس ضائع کردے (وھوالموفق المرشد الوہاب)

تفسیر عالمانہ ۱۰۹: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ ،، یاد کرو اُس دِن کو جب اللہ تعالیٰ رُسُل کرام کو جمع فرمائے گا۔ اِس سے قیامت کا دِن اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے جمع کرنے سے اُن کی اُمتوں کو جمع کرنا مُراد ہے۔ اُمم کا علیحدہ ذکر اس لئے نہیں ہُوا کہ وہ اپنے اپنے نبی علیہ السّلام کی اتباع میں مذکور ہوگئے۔

فَیَقُوْلُ ،، تو اللہ تعالیٰ رُسل کرام علیہم السّلام سے فرمائے گا۔ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ،، تم نے جب اپنی اُمتوں کو توحید کی دعوت دی تو اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ اقرار و تصدیق کی یا انکار و تکذیب۔ یہ ماذآ محل نصب میں ہے اور اِس فعل کا مفعول مطلق ہے جو اس کے بعد مذکور ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنے عہدۂ پیغام رسانی سے پُورے طور سُبکدوش ہوگئے۔ ورنہ انہیں یُوں خطاب ہوتا ھَلْ بَلَّغْتُمْ رِسَالَتِیْ۔

سوال: کلام کا تقاضا تھا کہ عبارت یُوں ہو۔ مَاذَا اَجَابُوْا ،،

جواب: اس سے اُن کی اُمتوں کو زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ جیسے وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ،، زندہ درگور لڑکی کے سوال سے اس عمل کے مرتکب کو زجر و توبیخ مقصود ہے۔

قَالُوْا ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السّلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَاذَآ اُجِبْتُمْ تو اُنھوں نے اس کے جواب میں کیا کہا تو جواباً فرمایا: قَالُوْا۔ انبیاء علیہم السّلام عرض کریں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا ،، جو تیرا علم ہے اسے ہم نہیں جانتے۔ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ تو ہی تمام غیوب کو جانتا ہے۔ اِس سے لَاعِلْمَ لَنَا کی علت بتانا ہے۔ یعنی اُن کا علم تمہیں ہے کہ جو کچھ اُنھوں نے ظاہر یا چھُپ کر کیا تو اُنھیں پُورے طور پر جانتا ہے۔ ہم تو صرف اُن کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ فلہٰذا ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کالمعدوم ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہُوا کہ وہ اپنی لاعلمی کے ضمن میں اپنی اُمتوں کی شکایت کر رہے ہیں کہ اے الٰہ العٰلمین

۱؎ لفظ لَاعِلْمَ لَنَا ،، پڑھ کر نبی اکرم و دیگر انبیاء علیہم السّلام کے علم غیب کی نفی پر بعض لوگ بغلیں بجاتے ہیں جوابات تو ہم نے تفسیر اویسی اُردو میں لکھ دیئے مختصراً چند عرض کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ کچھ جوابات تفسیر رُوح البیان میں بھی ہیں۔

آیت کے جوابات

(۱) یہ واقعہ قیامت میں ہوگا لیکن حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی بتا رہے ہیں اگر اسی کا نام لاعلمی ہے تو پھر علم کس چیز کا نام ہے۔

(۲) سوال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَاذَا اجبتم ،، ہم کہتے ہیں کہ کیا سوال کرنے والے کو علم ہے کہ یہ حضرات لاعلم ہیں تو پھر لاعلم سے سوال کرنا عبث ہے (وھو علوا کبیرا) ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا انبیاء علیہم السّلام کو علم ہے کیونکہ سوال اس سے کیا جاتا ہے جسے علم ہو۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۷۷ پر)

تیرا علم محیط بکل شئ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اُنھوں نے ہمیں کتنا ستایا اور کتنا سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ اب ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو اُن سے ہمارا بدلہ لے اور سخت سے سخت عذاب میں مُبتلا فرما۔

فائدہ : سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سوال و جواب اُس وقت ہوگا۔ جب جہنم کو جوش ہوگا اور لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل پڑے آہ و زاری میں ہوں گے۔ ہر نبی مُرسل اور ملک مقرب نفسی نفسی پکارتا ہوگا اور ہر ایک کے حواس باختہ اور دل گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ یہاں تک کہ سادات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اسی گھبراہٹ اور اس خوفناک منظر سے کہیں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جب تھوڑا سا افاقہ پائیں گے تو پھر اپنی رسالت کے متعلق گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے اُمتوں کو احکامات پہنچائے لیکن اُنھوں نے ہماری ایک نہ مانی۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ کیسے مانا جائے کہ انہیں گھبراہٹ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا : لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ،،

جواب : یہاں فزع اکبر سے جہنم مُراد ہے اور یہ صحیح ہے کہ انہیں نہ جہنم میں جانا ہوگا اور نہ گھبراہٹ ہوگی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؂

(۱) اُولوالعزم راتن بلرزد ز ہول ؛ دراں رُوز کز فعل پرسند و قول

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) (۳) (معاذ اللہ) اگر انبیاء علیہم السلام کو نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا جہالت کی دلیل ہے اور وہ ایسے قبائح سے منزہ و مقدس ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سوال اگر مبنی بر حکمت ہے تو انبیاء علیہم السلام کا جواب لاعلم لنا بھی مبنی بر حکمت ہے۔

(۴) سب کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا جواب معلوم تھا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون و ہامان و قارون نے جو کچھ کیا وہ انہیں نہیں جانتے تھے کیا ابراہیم علیہ السلام نمرود کی کاروائیوں سے بے خبر تھے وغیرہ تو کیا علم کے باوجود لاعلم لنا کہہ کر معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ حضرات جھوٹ سے بالاتفاق معصوم ہیں اس کا مخالفین کے پاس کیا جواب ہے۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا ،، لامحالہ کہنا پڑے گا کہ علم تھا لیکن لاعلم لنا کہنا مبنی بر حکمت تھا۔

(۵) عام مفسرین نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نے "لاعلم لنا" تواضعاً و ادباً کہا کہ یا اللہ تیرے سامنے ہم کیا عرض کریں انک انت علام الغیوب ہے۔ (۶) میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام استغراق دیدار میں ایسے محو ہوں گے کہ عرض کریں گے یا اللہ اب تیرے دیدار کے بعد ہم سب کچھ بھُول گئے ہیں۔ تیرے دیدار کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔

(۲) بجائیکہ وحشت خورد انبیاء ÷ تو عذر گناہ را چہ داری بیا

(۳) برادر زکار بداں شرم دار ÷ کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار

(۴) سر از جیب غفلت برآور کنوں ÷ کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ (۱) پیغمبر علیہم السلام خوف سے لرزاں ہوں گے جبکہ قولی و فعلی کی پرسش ہوگی۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام کو وحشت ہوگی تو اپنے گناہوں کا کیا عذر کرے گا۔

(۳) گناہوں سے شرم کر تاکہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری نہ ہو۔

(۴) ابھی غفلت کے گریباں سے سر باہر کر تاکہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔

وہابیت دیوبندیت کے وہم کا ازالہ

اس سے انبیاء علیہم السلام کے علم کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنی ظاہری زندگی میں جو کچھ دیکھا سنا وہ تو بیان کریں گے۔ البتہ بعد از وفات سے لاعلمی کا اظہار فرمایا جو کہ اُن کے موضوع بحث سے نہیں اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ اُنھوں نے کافروں کے انجام اور اپنی وفات کے بعد کے احوال سے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور انجام بکار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہوں گا تو لوگ میرے ہاں حاضر ہوں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرونگا یا اللہ یہ میرے ہیں کہ میرے بعد اُنھوں نے کیا کیا ہمیشہ یہ دین سے پیچھے ہٹتے رہے یعنی مُرتد ہوگئے تھے۔

فائدہ : یہ حدیث عام ہے اس میں کہ وہ لوگ مراد نہیں جو عقائد اسلام سے منحرف ہوئے یا بدعات سیئہ میں مُبتلا ہوئے۔

اُمّتِ مصطفویہ کی شہادت کا واقعہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے میدان میں حضرت نُوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بُلا کر فرمائے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہ۔ عرض کریں گے یا اللہ تعالیٰ میں نے تیرا پیغام اپنی اُمّت تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے کافرو تمہیں میرے پیغمبر نُوح علیہ السلام نے میرے پیغام پہنچائے یا نہ وہ عرض کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی بھی پیغام پہنچانے والے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نُوح علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنے دعویٰ میں کوئی گواہ پیش کرو۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمّت ہیں باوجودیکہ اُمّت مصطفویہ عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوئی لیکن چونکہ اُنھوں نے قرآن مجید میں پڑھا تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمّت کو پیغامات الٰہیہ پہنچائے تھے اسی لئے گواہی دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو آپ سے اپنی امت کے متعلق سوال ہوگا۔ آپ اُن کے متعلق صفائی پیش کریں گے اور فرمائیں گے کہ یہ جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عرض کر رہے ہیں صحیح ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

سبق : دانا کو لازم ہے کہ وہ دعوتِ حق اور ناصح کی نصیحت کو بدل و جان قبول کرے ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم ؛ یارب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ : آج ہم نے بزرگوں کی نصیحت قبول کی۔ اے ہمارے رب نصیحت کرنے والوں کی روح کو خوش رکھ

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں اللہ تعالیٰ بصفتِ قہاریہ متجلی ہوگا، چنانچہ فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار،، ہمارے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ ترتیب نہایت ہی عجیب وغریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ احدی کی وحدت سے کثرت لاتا ہے۔ پھر اپنے قہر و جلال سے کثرت کے آثار ایسے مٹاتا ہے کہ سوائے اپنے سب کو فنا ہی فنا کرے گا، لیکن یاد رہے کہ عارفین کے نزدیک ہر وقت قیامت قائم ہے۔ اس لئے کہ اُن کو ہر وقت مکاشفہ و مشاہدہ ہوتا ہے اور ہر جگہ اُس کے جلوے دیکھتے ہیں۔ حقیقی قیامت کبریٰ یہی ہے۔ خواص بلکہ اخص کا میدانِ محشر اس کا نام ہے (اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا کہ جو موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہوں)

تفسیر عالمانہ ۲۸ : إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ،، اے مومنو! وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔ اِس سے قیامت کا دن مُراد ہے۔ اُذْكُرْ نِعْمَتِي ،، میرا انعام یاد کرو عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ،، جو کہ تمہارے اور تمہاری والدہ محترمہ پر ہُوا۔ اس امر سے وہ امر مُراد نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے بطورِ وجوب حکم فرمایا ہو اس لئے کہ اس دن امورِ تکلیفیہ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ اس لئے کہ وہ اپنے اُوپر کی نعمتوں کا اظہار کریں تاکہ کُفّار پر حُجّت قائم ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات ظاہر کئے تو بہت سے لوگوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ دوسرے وہ تھے جنہوں نے غلو کرکے آپ کو خدا کہا۔ یہ دونوں پارٹیاں قیامت کے دن حسرت و ندامت اُٹھائیں گے۔

نکتہ : عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اُن کی والدہ کا ذکر اس لئے ہے کہ اُن پر لوگوں نے بہتان تراشے اس سے اُن کے خیالات کی تردید ہُوئی کہ (معاذ اللہ) اگر وہ غلط کار ہوتیں تو اُن کے صاحبزادے کو پیغمبری کیوں نصیب ہوتی۔ (ربط) عیسیٰ علیہ السلام کی ایک ایک نعمت کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا جا رہا ہے؛ چنانچہ فرمایا: إِذْ أَيَّدْتُكَ ،، یہ نعمتی کے لئے ظرف ہے۔ یعنی یاد کرو میرا وہ انعام کہ میں نے تمہاری تائید کی۔ بِرُوحِ الْقُدُسِ ،، یعنی جبریل طاہر سے قدس بمعنی طہور ہے۔ یہ اضافت محض مدح کے طور پر ہے کہ یہ صفت اِن کی خصوصیات سے تھی۔ جیسے کہا جاتا ہے رَجُلِ صِدْقٍ ،، جبریل علیہ السلام کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام

کی حجت کو ثابت و مقرر فرماتے۔

تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا ،، یہ جملہ مستانفہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی کس طرح تائید ہوتی تھی یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام آپ لوگوں سے بچپنے اور بڑھاپے میں کلام کرتے۔ یعنی آپ کے کلام اور عقل میں وہ کمال تھا کہ آپ کے بچپن اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں تھا اور یہی کمال انبیاء وحکماء کا ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یا ایسی جگہ گفتگو فرمائی جہاں بچے کی تربیت کی جاتی ہے۔ جیسے گہوارہ وغیرہ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بچپنے کے کلام کو نقل فرمایا کہ انہوں نے کہا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا اور پھر بڑھاپے میں وحی و نبوت کی باتیں فرماتے۔ بچپنے اور بڑھاپے میں ایک ہی کیفیت اور ایک ہی روش سے بولنا بھی اُن کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔ جو صرف انہیں نصیب ہُوا۔ آپ سے قبل کسی نبی علیہ السلام کو اِس قسم کا معجزہ نصیب نہ ہُوا اور نہ ہی بعد کو کسی (عام آدمی) کو نصیب ہُوا[1]

فائدہ : جیسے امُور مذکور اُن کے حق میں معجزہ کے طور نعمت ہیں اُن کی والدہ مکرمہ کے حق میں بھی نعمت ہیں اِس لئے کہ اُن پر قوم نے زناء کی تہمت لگائی تو جب اُن کے صاحبزادے سے ایسے عظیم کارنامے صادر ہُوئے جو صرف نبی علیہ السلام سے ہی صادر ہوسکتے ہیں۔ تو وہ اُس تہمت سے بچ گئیں۔ بلکہ قوم کی نظروں میں معزز و مکرم ہوگئیں۔

فائدہ : بی بی مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کا حمل کسی مرد سے نہیں ٹھہرایا گیا۔ بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رُوح پھونکا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ،، بی بی مریم کے حق میں یہ ایک علیحدہ نعمت ہُوئی جو صرف اُنہی سے مخصوص ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور اُن کی تخلیق بھی کسی انسان کے نطفہ سے نہیں بلکہ وہ ایک کلمہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بی بی مریم کو نصیب ہُوا۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَلِمَتُهٗۤ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ،، یہ جیسے نعمت بی بی مریم کے نام منسُوب ہے۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی منسُوب کی جاسکتی ہے۔ لیکن رُوح وکلمۃ من اللہ ہُونا نعمت صرف عیسیٰ علیہ السلام سے مخصوص ہوگا۔ **فائدہ** : کہولت بھی بڑھاپے کا آغاز سے تیس سال سے ہوتا ہے۔ اس عمر سے ہی بڑھاپا جوانی سے مل کر چلتا ہے۔ چند سالوں کے بعد جوانی چھوڑ جاتی ہے لیکن بڑھاپا قبر کا مُنہ دکھاتا ہے۔

رَدِّ مرزائیت

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کا بڑھاپے میں کلام کرنے کا وہ وقت ہے جب آپ قربِ قیامت میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اس لئے کہ جب آپ آسمان پر اُٹھائے گئے تو اُس وقت آپ نوجوان تھے۔ بڑھاپے کی حد میں داخل

---

[1] حضور علیہ السلام مُستثنیٰ ہیں۔ اور آپ کے طفیل آپ کی اُمت کے اطباء کرام ،، اُویسی غفرلہ

نہیں ہُوئے تھے۔ اس تقریر سے ثابت ہُوا کہ آپ قربِ قیامت میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ ابھی آپ کو صرف تیس ماہ گزرے تو آپ کو آسمان پر اُٹھایا گیا اس کے بعد آپ زمین پر اُتریں گے تو آپ کا وہی سِن ہوگا کہ جس سِن میں آسمان پر اُٹھائے گئے تھے۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ،، اور یاد کرو میری وہ نعمت کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کا علم عنایت فرمایا۔ اَلْکِتٰب میں الف و لام جنس کا ہے۔

سَوال: اس قانون پر تورات و انجیل تو اس میں داخل تھیں پھر اُن کا علیحدہ ذکر کیوں کیا۔

جواب: تاکہ اُن کی شرافت و بزرگی پر دلالت ہو۔

فائدہ: الحکمۃ سے کتب مُنزلہ مِنَ السماء کا علم وفہم اور اُن کے اسرار و رموز مُراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن کے عُلوم اور اُن کے مقتضٰی پر عمل کرکے نفس کی تکمیل مُراد ہیں۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ ،، اور جب تم پرندے کی مانند مٹی کا پرندہ بناتے تھے بِاِذْنِىْ ،، میرے حکم یعنی میری قدرت دینے سے فَتَنْفُخُ فِيْهَا ،، پھر اُس پرندے کی بنائی ہُوئی شکل میں پھُونک مارتے۔ فَتَكُوْنُ تو وہ پرندہ مصنوعی طَيْرًا بِاِذْنِىْ ،، حقیقی پرندہ ہوجاتا میرے حکم سے حقیقتہً تخلیق تو اللہ تعالیٰ کی تھی، لیکن چونکہ ظاہری طور اسباب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے استعمال فرمائے۔ بنا بریں اُن کی طرف مجازاً تخلیق کا اسناد ہُوا۔ جیسے نفخ رُوح کا کام حضرت جبریل علیہ السّلام نے کیا لیکن حقیقی تنفیخ (تخلیق) اللہ تعالیٰ کی ہے۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السّلام سے ازراہِ بغاوت و تعنّت سوال کیا کہ ایک چمگادڑ بناکر اس میں رُوح پھونک دیجئے تاکہ ہم معلوم کریں کہ واقعی آپ سچے نبی (علیہ السلام) ہیں۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے اُن کے سوال پر گارا اُٹھایا اور اسے چمگادڑ کی طرح بناکر اس میں رُوح پھُونکی تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان اُڑنے لگا۔

چمگادڑ کے عجائبات کا بیان: بنی اسرائیل نے آپ سے چمگادڑ کی ساخت اور پھر اس میں رُوح پھُونکنے کا اس لئے سوال کیا تھا کہ چمگادڑ عجیب الخلقت پرندہ ہے۔ مثلاً وہ ازسرتاپا صرف گوشت یا خون ہے۔ اس میں ہڈیاں نہیں۔ اُڑتا ہے تو پروں کے بغیر۔ حیوانوں کی طرح بچے جنتا ہے پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا۔ اِس کی مادہ کا پستان ہوتا ہے جس سے دُودھ نکلتا ہے۔ نہ وہ دِن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں۔ صرف دو وقت دیکھتا ہے (۱) بعد غروبِ الشمس ایک گھنٹہ (۲) بعد طلوع الفجر صبح کی سفیدی تیز ہونے تک۔ وہ انسان کی طرح ہنستا ۔۔۔

ہے اور اسے عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب عیسیٰ علیہ السلام کا چمگادڑ اُڑتا ہُوا دیکھا تو ہنسنے لگے اور کہا یہ تو جادو ہے۔ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ "اور تم مادرزاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تندرست بنا دیتے تھے۔

فائدہ : اَلْاَكْمَهَ "مادرزاد اندھے کو کہتے ہیں۔ اَلْاَبْرَصَ" وہ شخص جسے برص کی بیماری ہو۔ برص جسم پر سفید داغ ہوتے ہیں کہ جن پر سُوئی چبھوئی جائے تو بھی خون نہیں نکلتا۔ یہ دونوں لاعلاج مرض ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ ہر دونوں بیماریوں کے علاج سے اطباء عاجز تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) صومعۂ عیسیٰ است خوان اہل دل	؛	ہاں ہاں اے مُبتلا ایں در مہل
(۲) جمع گشتندے زہر اطراف خلق	؛	از ضریر و شل و لنگ و اہل دلق
(۳) او چو گشتی فارغ از اورا خویش	؛	چاشتگہ بیروں شُدی آں خوب کیش
(۴) پس دُعا کردے و گفتی از خُدا	؛	حاجت و مقصود جملہ شُد روا
(۵) بے توقف جملہ شاداں دراماں	؛	از دُعائے اُو شُدندے بارداں
(۶) آزمودی تو بسے آفاتِ خویش	؛	یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش
(۷) چند آں لنگئ تو راہوار شُد	؛	چند جانت بے غم و آزار شُد

ترجمہ : (۱) عیسیٰ علیہ السلام کا حجرہ اہل دل کا خوانِ یغما ہے اے آزمائش والا اسے نہ چھوڑ

(۲) ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے۔ اندھے، لنجے، لنگڑے اور گدڑی والے

(۳) جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے تو پھر وہ اچھی عادت والے اپنی جگہ پر آتے

(۴) پھر دعا کرتے اور کہتے۔ سب کی حاجت اور مقصود پُورا ہو۔

(۵) بلاتاخیر سب خوش ہو کر امان میں رہتے۔ آپ کی دُعا سے صحیح سالم تھے۔

(۶) تُو نے بہت سی آفات دیکھی لیکن ایسے شاہوں سے صحت پائی

(۷) تیرا لنگڑا گھوڑا راہوار ہُوا۔ ان کے طفیل بے غم اور تکلیف سے آزاد ہوئے۔

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ "اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبروں والوں کو زندہ کر دیتے تھے اور انہیں زندہ کرتے وقت پڑھتے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ محققین علمائے کرام کے نزدیک یہی اسم اعظم ہے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ "اور جب ہم نے آپ سے بنی اسرائیل یعنی یہود کو روکا جبکہ وہ تمہارے نقصان کے درپے ہُوئے۔

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ "جب تُم اُن کے ہاں معجزات لائے۔ یہ كَفَفْتُ کا ظرف ہے۔ فَقَالَ الَّذِیْنَ

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ پس کافروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام جو تم لائے ہو یہ واضح طور جادو ہے۔ یہ انھوں نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی تردید اور انکار کے طور کہا اور وہ اس مرضِ کفر میں مبتلا رہے اور ایسے حکیم حاذق بے نظیر یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر سے علاج نہ کرایا۔

حکایت حضرت شبلی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہیں شاہی ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ علی بن عیسیٰ وزیر خلیفہ نے بادشاہِ وقت کو خط لکھا کہ اُن کے علاج کے لئے کسی حاذق حکیم (ڈاکٹر) کو بھیجے بادشاہ نے چوٹی کا سول سرجن (اعلیٰ سے اعلیٰ حکیم) شاہی طبیب بھیجا لیکن اس کے علاج سے حضرت شبلی کو کچھ افاقہ نہ ہوا ڈاکٹر صاحب نے کہا بخدا اگر مجھے آپ کی صحت کے لئے اپنے جسم سے گوشت کا ٹکڑا دینا پڑے تو بھی گریز نہ کرسکوں۔ حضرت شبلی نے فرمایا کفر کا زنار کاٹ ڈالو۔ مجھے صحت و عافیت حاصل ہوجائے گی۔ ڈاکٹر نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ بادشاہِ وقت سُن کر پہلے تو رو دیا پھر کہا کہ ہم نے تو طبیب بنا کر مریض کے ہاں بھیجا، حالانکہ دراصل مریض کو ہم نے طبیب کے ہاں بھیجا تھا۔

فائدہ : حضرت امام یافعی قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقی اطباء یہی اللہ والے ہوتے ہیں اُن کی حکمت کا مرکز وہ حکمت الٰہی ہے کہ جس سے دل کے بیمار صحت و عافیت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے اطباء کے بارے میں میرا ایک شعر ہے ؎

اذا ما طبیب القلب اصبح جسمہ	علیلاً فمن ذاللطبیب طبیب
فقل ھم اولوا العلم لدنی وحکمۃ	الٰہیہ یشفی بذاک قلوب

ترجمہ: جب قلب کے طبیب کا جسم بیمار پڑ جائے تو پھر ایسے طبیب کا اور طبیب کون ہو۔ کہہ دو کہ یہی حقیقی اہل علم اور صاحبِ حکمت ہیں۔ انہی سے ہی قلوب شفا پاتے ہیں۔"

فائدہ : ہر مرشدِ کامل اپنے وقت کا مسیح زمان ہوتا ہے

سوال : اگر یہی اولیاء اللہ حکیم اور حقیقی طبیب ہوتے ہیں تو چاہیئے کہ اُن سے شفا حاصل ہو نہ کہ اُلٹا دوسروں کو بیمار کر ڈالیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ کے گھر میں جب ایک چور نے ارادہ کیا کہ وہ آپ کے کپڑے چرائے تو آپ نے اس کی آنکھ کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس سے وہ اندھا ہوگیا اس کے برعکس حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کو کسی نے مارا تو آپ نے اس کے لئے بہشت کی دُعا مانگی۔ اِن دونوں حکایتوں میں تناقض ہے وجہ کیا ہے۔

جواب : حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے چور کے لئے بددُعا فرمائی جس سے وہ نابینا ہوگیا۔ اس کے انجام پر

نگاہ کرکے اس لئے کہ حضرت کو معلوم ہو گیا کہ اس چور کو توبہ نصیب ہونے والی نہیں اس کے لئے یہی سزا موزوں تر تھی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے مارنے والے کے انجام کو دیکھا کہ وہ دُعا سے اپنی غلط کاری سے تائب ہو جائے گا، چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ جب آپ نے اس کے لئے دُعا فرمائی تو وہ وہی ظالم تھوڑی دیر کے بعد آپ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگی آپ نے اس ظالم سے فرمایا کہ جو سر جھک جائے وہ ضائع چھوڑنے کے لائق نہیں اس لئے کہ اس کے لئے بہشت ہی مناسب ہے۔

فائدہ : حضراتِ انبیاء علیہم السلام مطلقاً دُعا کے مامور ہوتے ہیں جیسے مصلحت ہوتی ہے ویسے ہی دُعا فرماتے ہیں۔ اور اُن سب کا ہر کام اذنِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انانیت سے پاک اور فانی فی اللہ ہوتے ہیں۔ اِن سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق اور پُر از حکمت ہوتا ہے اور اولیاء کرام چونکہ اُن کے تابع ہوتے ہیں اس لئے اُن سے بھی اُن کی طرح حکمتِ الٰہیہ کا صدور ہوتا ہے لیکن لوگ اُن کے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

شعر (۱) چوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است ۔۔۔ او دو دعویٰ پیش آں سُلطان فنا است

(۲) مات زید زید اگر فاعلست ۔۔۔ لیکن فاعل نیست او عاطل است

(۳) او ز رُوئے لفظ نحوی فاعلست ۔۔۔ ورنہ او مفعول و موتش قاتلست

ترجمہ : (۱) جب تو باطن کو دیکھے گا تو صرف دعویٰ نہیں دعویٰ سے بادشاہ کے آگے تو فنا چاہیئے

(۲) کہتے ہو کہ زید مر گیا اگر زید فاعل ہے تو غلط ہے بلکہ کہو وہ عاطل ہے

(۳) ہاں نحویوں کے نزدیک تو وہ فاعل ہے ورنہ وہ تو مفعول اور اس کی قاتل موت ہے۔

تفسیر عالمانہ ۲۹/۵ : وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ ، یہ حواری کی جمع ہے کہا جاتا ہے فلاں حواری فلاں ای صفوتہ وخالصتہ۔ فلاں فلاں کا حواری۔ یعنی اُس کا منتخب اور اُس کا اپنا ہے۔ یہ الحور سے ہے بمعنی البیاض الخالص۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ اُن کی نیت خالص اور ارادے نہایت پاکیزہ تھے۔ اُن میں بعض بادشاہ اور بعض مچھلی کے شکاری اور بعض دھوبی اور بعض رنگریز۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جب میں نے انبیاء و رُسل کی زبانوں کے مطابق اُنھیں فرمایا اَنْ۔ یہ اَن تفسیریہ ہے۔ اس لئے کہ اَوْحَیْتُ میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اٰمِنُوْا بِیْ یہ کہ میرے ساتھ ایمان لاؤ یعنی واحدانیت اور ربوبیت میں مجھے واحد مانو وَبِرَسُوْلِیْ اور میرے رسُولوں اور اُن کی رسالت کو مانو کہ نہ انہیں بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ۔ فَقَالُوْٓا ، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اُن کی طرف وحی کی گئی تو پھر اُنھوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اُنھوں نے کہا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۝ ہم ایمان لائے اور گواہ ہو جاؤ کہ ہم ایمان لانے میں مخلص ہیں۔ یہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ، سے ہے۔ یعنی بالکل خالص و مخلص ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ ، یہ منصوب ہے اُذْکُرْ سے یعنی یاد کرو جب حواریوں نے کہا یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ

يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا رب آسمان سے دسترخوان اُتار سکتا ہے۔ یہ سوال اُنھوں نے اُس وقت کیا جبکہ ابھی وہ معرفتِ الٰہی میں مستحکم اور پختہ نہیں ہوئے تھے[1] یہی وجہ ہے کہ اس سوال کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادب ملحوظ نہ رکھا۔ ورنہ یاعیسیٰ ابن مریم نہ کہتے بلکہ عرض کرتے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ یا رُوح اللہ کہتے چونکہ انہیں ادب نہیں تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا سادہ نام اور اُنہیں ابن مریم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اگر اُنھیں ادب ہوتا تو یا رُوح اللہ یعنی اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے منسُوب کرتے۔ اسی لئے اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا ادب بھی ترک کر کے ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ الخ کہہ کر ایسے شخص کی طرح کلام کیا جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک ہو ورنہ انہیں یقین کرنا چاہئیے تھا کہ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر اپنی خساستِ طبع کے مُوافق اللہ تعالیٰ سے مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ کا مطالبہ کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ،، جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے اُسے ہم آخرت کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دُنیا کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اسے دُنیا میں وہی دیں گے جو وہ چاہتا ہے لیکن اُسے آخرت میں کچھ نصیب نہ ہوگا۔

فائدہ: المائدہ اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر طعام رکھا جائے۔ مَادَہٗ سے مشتق ہے بمعنی اعطاہ وفدہ گویا وہ دسترخوان بچھا دیتا ہے۔ اس شخص کے سامنے جس کے آگے طعام رکھا جا رہا ہے اس کی نظیر عرب کا وہ قول ہے جو کہتے ہیں شجرۃ مُطعمۃ (یہ درخت طعام کھلانے والا ہے)

مسئلہ: شرعۃ الاسلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو وہ طعام محبوب تر تھا جو دسترخوان زمین پر رکھ کر کھایا جائے۔

فائدہ: میز پر طعام رکھ کر کھانا بادشاہوں کا طریقہ اور متکبرین کا کام ہے کہ وہ تکبر کی بنا پر سر جُھکا کر طعام کھانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں[2]

فائدہ: اسی طرح اہلِ فارس کے عجمیوں کا کام ہے کہ وہ رُومال پر رکھ کر طعام کھاتے ہیں۔ یہ بھی اُن کی متکبرانہ عادت تھی۔ **فائدہ**: دسترخوان پر طعام رکھ کر کھانا اہلِ عرب کا کام ہے۔ دراصل یہ مسافروں کا طریقہ تھا کہ سفر کے لئے اس قسم کا دسترخوان بناتے تھے۔ پھر اُس دسترخوان کو کہا جانے لگا جو طعام کے لئے تیار کیا جائے۔ (قَالَ) یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے سوال پر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا قَالَ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰہَ ایسے سوالات سے اللہ سے ڈرو۔ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ اگر تم مؤمن ہو یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری نبوت

---

[1] معلوم ہُوا کہ جو نبی علیہ السلام کے ادب سے محروم ہے وہ عرفانِ الٰہی سے بھی محروم ہے ۱۲۔

[2] یہ بھی ہماری انگریزوں سے ہمیں ورثہ کو ملی ہے۔ جسے آج بطور فخر و ناز سے اپنایا جا رہا ہے۔ ۱۲۔ اُویسی غُفرلہٗ

پر ایمان ہے تو ایسے سوالات سے بچو۔

۱۱۳/۵ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا ،، اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مائدہ سے کھائیں۔

ربط : یہ اُن کے عُذر کی تمہید ہے اور بتایا جارہا ہے کہ انہیں اس سوال پر کس بات نے اُکسایا، چنانچہ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے اِس لئے سوال نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک و شبہ ہے یا آپ کی نبوت پر ہمیں گمان ہے تاکہ ہمارا سوال ہمیں نقصان دے اور ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ ہم اس سے کھانے کا تبرک کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ مائدہ نصیب ہو جس سے ہمارے بیمار شفایاب ہوجائیں اور ہمارے تندرستوں کو قوت حاصل ہوجائے اور ہمارے فقُراء کو استغناء نصیب ہو۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِن کا سوال بوجہ مُحتاجی کے تھا۔ اس وقت انہیں تنگدستی نے پریشان کر رکھا تھا اور قحط کا دَور دَورہ تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کے نزول کا سوال کردیا۔

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا ،، اور ہمارے دِل مطمئن ہوجائیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر مشاہدہ ہوگا اور اس سے ہمیں اپنے عقیدہ پر استدلالی علم بھی حاصل ہوگا۔ وَنَعْلَمَ اور ہم یقینی طور جانیں اَنْ یہ اَن محففہ ہے۔ قَدْ صَدَقْتَنَا کہ بیشک آپ اپنی نبوت میں سچے ہیں اور یہ یقین کریں کہ ہمارا رب ہماری بات مانتا ہے۔ اگرچہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کی بات مانتا ہے۔ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اور ہم اِن لوگوں کو بتاسکیں جو اس وقت موجود نہیں تاکہ ہماری گواہی سے دُوسرے اہلِ ایمان کے دِل مضبوط ہوجائیں اور ہماری طرح وہ بھی یقین کرلیں۔ پھر کفار بھی ایمان لائیں یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم مشاہدہ کرنے والوں سے ہوجائیں۔ نہ کہ صرف سُننے والوں سے اس لئے کہ شُنیدہ کے بود مانند دیدہ (سُنی بات دیکھی کے برابر کیسے ہوسکتی)

۱۱۴/۵ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ،، جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی نیت صحیح دیکھی اور سمجھا کہ یہ بطور اعتراض نہیں کہہ رہے اور نہ ہی استہزاء کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کی غرض و غایت مبنی بر مقصد صحیح ہے اس لئے اتمام حجت کے طور فرمایا اَللّٰهُمَّ (اے اللہ) یہ میم حرفِ ندا کا عوض ہے۔ یہ وہ عظیم کلمہ ہے کہ جس نے اُسے پڑھا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء کو یاد کیا اس لئے کہ میم میں اللہ تعالیٰ کے ستر اسماء مندرج ہیں۔ رَبَّنَا (اے ہمارے رب) دوبارہ اس لئے نداء دی کہ تضرّع وزاری کا انتہائی طور اظہار اور دُعا مانگنے میں مبالغہ ہو۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ،، ہمارے اُوپر آسمان سے مائدہ نازل فرما مِنَ السَّمَآءِ اَنْزِلْ سے متعلق ہے تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ،، یہ مائدہ کی صفت ہے اور تکون کا اسم اُس کی وہ ضمیر ہے جو مائدہ کے نزول کے دن ہمارے لئے عید ہوگی۔ اِس لئے کہ وہ ہمارے لئے بہت بڑا دن ہوگا۔

فائدہ : عظمت کا مائدہ کی طرف اسناد اس لئے ہے کہ اُس دِن کی بزرگی مائدہ کی وجہ سے ہوئی۔

فائدہ : عید کو اس لئے عید کہتے ہیں کہ اس میں خوشی بار بار لوٹتی ہے لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ،، یہ لنا سے بدل ہے

اور عامل کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ یعنی یہ ہمارے متقدمین و متاخرین کے لئے عید ہوگی۔

فائدہ : مروی ہے کہ مائدہ کا نزول اتوار کے دن ہُوا اسی لئے نصاریٰ اتوار کو مُعظّم سمجھتے ہیں۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ اور وہ تیری قدرت کمال اور میری نبوت کی بہت بڑی علامت ہوگی۔ وَارْزُقْنَا ،، اور ہمیں مائدہ عطا فرما اور اُس کے شکر کی ادائیگی کی توفیق بھی وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ٥ اور تو خیرالرازقین ہے۔ یہ جُملہ تعلیل کے قائم مقام ہے یعنی تو دیگر تمام دینے والوں سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا رزق پیدا کرتا اور ہر ایک کو بلا عوض عطا فرماتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ،، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے سوال پر تمہارے لئے مائدہ نازل فرماتا ہوں۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ ،، اس کے بعد جو بھی تم میں سے کوئی ناشکری کرے گا۔ مِنْكُمْ يَكْفُرْ سے حال ہے فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ ،، تو میں کُفر کی وجہ سے اسے عذاب میں مُبتلا کردوں گا۔ عَذَابًا ،، یہ اسم مصدر ہے بمعنی عذاب کرنا۔ لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ ،، یہ عذاباً کی صفت ہے اور ضمیر بھی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی میں اُسے عذاب میں مُبتلا کروں گا کہ اس جیسا عذاب دُوسرے کو نہ ہوگا۔ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ٥ اُن کے ہم زمان لوگوں میں سے یا تمام جہانوں میں سے کسی کو (اس لئے کہ اُن میں بعض بندر بن گئے اور بعض خنزیر ہوگئے) اُس جیسا عذاب تمام جہانوں میں سوائے بنی اسرائیل کے اور کسی کو نہ ہُوا۔

نزولِ مائدہ کی کہانی

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مائدہ کے نزول کے لئے پہلے غسل فرماکر ٹاٹ کا لباس پہنا اور دوگانہ پڑھ کر سر جھکایا اور آنکھیں بند کیں اور رُوتے ہوئے کہا اے اللہ مجھے شکر گزار بندوں سے اور مائدہ کو دُنیا والوں کے لئے رحمت بنا۔ اُسے نہ تو عذاب کا سبب بنا اور نہ ہی میری اُمت کے لئے عبرت اس کے بعد اُٹھے اور نیا وضو فرماکر دوگانہ پڑھا اور خوب رُوئے اور اپنے دسترخوان سے رُومال ہٹایا اور کہا بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الرّٰزِقِيْنَ ،، جونہی رُومال ہٹایا تو دیکھا کہ دسترخوان پر مچھلی بھُنی ہُوئی تھی۔ جس میں نہ کانٹے تھے نہ ہڈیاں اور اُس سے گھی بہہ رہا تھا اور سر کی طرف نمک اور دُم کی طرف سرکہ اور دسترخوان کے ارد گرد گوناگوں سبزیاں اور ساتھ پانچ روٹیاں بھی تھیں۔ ایک پر زیتون دُوسری پر شہد۔ تیسری پر گھی۔ چوتھی پر پنیر۔ پانچویں پر گوشت تھا۔ حواریوں کے سردار شمعون نے کہا یا رُوح اللہ یہ دُنیوی طعام ہے نہ اُخروی بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے ابھی پیدا فرمایا ہے۔ کھاؤ یہ وہی مائدہ ہے۔ جس کا تم نے سوال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور اس میں مزید برکت نازل ہوگی۔ اُنھوں نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام اگر آپ اس میں کوئی اور نئی بات دکھائیں تو زہے کرم۔ آپ نے مچھلی سے فرمایا اُٹھ کھڑی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے فرمان

پر مچھلی فوراً زندہ ہو کر دسترخوان پر تڑپنے لگی۔ آپ نے فرمایا پہلے کی طرح پھر بھنی ہوئی ہو جا؛ چنانچہ وہ پہلے کی طرح ہو گئی۔ دسترخوان کامل ایک دن وہاں پڑا رہا۔ جس نے کھایا کھا لیا۔ شام کو وہ اُٹھا لیا گیا۔ بعد کو پھر کبھی نہ اُترا۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ اسی طرح اُن پر چالیس دن تک ایسا دسترخوان اُترتا رہا لیکن ایک روز ناغہ کے ساتھ۔ یعنی ایک دن اُترتا دوسرے دن ناغہ ہوتا تو تیسرے دن نازل ہوتا۔ جب مائدہ اُترتا تو تمام فقراء، اُمراء، چھوٹے اور بڑے سب جمع ہو جاتے اور اسے کھاتے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ آسمان پر واپس لوٹتا تو وہ آنکھوں سے دیکھتے رہتے۔

اس مائدہ کی برکت یہ تھی کہ فقیر نے کھایا تو زندگی بھر دولتمند رہا۔ مریض نے کھایا تو زیست تندرست رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب اُس کا نزول صرف فقیروں کے لئے ہوگا۔ دولتمندوں کو نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح تندرستوں کو نہ ملے گا۔ بیماروں کو ملے گا۔ اس پر لوگوں نے شور مچایا۔ دولتمندوں اور تندرستوں کو یہ بات شاق گذری تو مائدہ کے متعلق شک کرنے لگے اور لوگوں کو بھی شک میں ڈال دیا کہ نامعلوم یہ مائدہ آسمان سے بھی نازل ہوتا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام نے ہم پر جادو کیا ہُوا ہے۔ اس وجہ سے اُن کی شکلیں تبدیل ہو گئیں اور خنزیر ہو کر گھروں سے باہر نکل کر گلیوں کوچوں میں گھومتے اور بجائے طعام کے گندگیاں کھانے لگے۔ دوسرے لوگوں نے اُن کی حالت دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور مسخ شُدہ لوگوں کے لئے پناہ چاہی۔ اُدھر مسخ شدہ لوگوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اُن کے گرد جمع ہو گئے اور نہایت عجز و انکسار سے ان کا طواف کرنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا نام لے کر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی جب وہ کسی کا نام لیتے تو وہ چیختے چلّاتے عاجزانہ و منکسرانہ طور سر جھکاتے لیکن بول نہ سکتے تھے۔ تین دن تک اُن کی یہی حالت رہی پھر وہ سب کے سب مر گئے اور ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ نہ چلا۔ اور یہی ہر مسخ شُدہ انسان کا حکم ہے کہ اس کا توالد و تناسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے صفات حیوانیہ کے حقائق سے صورتِ انسانیہ چھین کر اُن کو صورتِ حیوانیہ کا لباس پہنا دیا اور خنزیر کی شکل میں ظاہر ہُوئے تاکہ باقیماندہ لوگ عبرت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اس دن جب دل پوشیدہ راز کھل جائیں گے ان میں بعض کے سفید چہرے اور بعض کے سیاہ ہوں گے تو ہر ایک اپنی صفاتی صورتوں میں اُٹھے گا؛ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ اپنے معاشرے پر مرتے ہیں اور جس حالت میں مریں گے اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھیں گے۔

یعنی قیامت کے دن اپنی صورتوں کی صفات پر اُٹھیں گے۔ جن پر اُن کی موت آئے گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر خیالے کو کند در دل وطن — روز محشر صورتے خواہد بدن

(۲) و آنکہ حشر حاسداں روز گزند — بے گماں بر صورت گرگاں کنند

(۳) حشر بر حرص و خس و مُردار خوار — صُورتِ خُوکاں بود روزِ شمار
(۴) زانیاں را گندہ . اندام نہاں — خمر خواراں را ہمہ گندہ دہاں
(۵) سیرتے کاندرو جودت غالبست — ہم براں تصویر حشرت واجبست

(۱) وہ خیال جو صرف دل میں ہے کل قیامت میں ایک شکل میں ہوگا !
(۲) حاسدوں کا حشر یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کی شکل بھیڑیئے کی ہوگی ۔
(۳) حرص و ہوا والوں کی شکل خنزیر سی ہوگی ۔ روز قیامت خنزیروں میں ہوں گے ۔
(۴) زانیوں کے جسم سے گندگی نکلے گی شرابخوروں کا منہ بدبودار ہوگا ۔
(۵) غرضیکہ جو خصلت کسی میں زائد ہے اسی صورت میں حشر میں ہونا لازم ہے ۔

تفسیر صوفیانہ[۲۷] : بعض صُوفیاء کرام کا قول ہے کہ مائدہ سے معارف حقائق مُراد ہیں۔ اس لئے کہ جیسے بدن کی غذا طعام ہے ایسے یہی رُوح کی غذا ہے ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے اُن حقائق کا مطالبہ تو کر دیا لیکن چونکہ وہ اُن کی گہرائی سے ناواقف تھے اسی لئے پُورے نہ اُتر سکے ۔ انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان کے بعد تقویٰ کا دامن پکڑو تو پھر تمہیں اُن کی گہرائی سے اطلاع نصیب ہو جائے گی لیکن وہ تقویٰ کے بغیر ہی اِن گہرائیوں کے درپے سوال جواب کرنے لگے ۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن کی طلب پر اللہ تعالیٰ سے سوال کر بیٹھے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انزال حقائق آسان تو ہے لیکن اُس کا نتیجہ اور انجام اُن کے لئے بُرا نکلے گا ۔ اس لئے کہ جس سالک کی استعداد کم ہو اور وہ اپنی استعداد کے خلاف اعلیٰ مقام کا مطالبہ کرے حالانکہ وہ اُس کا حامل نہ ہو تو وہ گمراہ ہو کر ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اُترتا ہے ۔

مجموعۃ الفوائد (۱) حضرت الشیخ الشہیر با فنادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے مائدہ اُٹھا لیا گیا ۔ تو کہا کہ ہمارے سے ہر وقت تو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نصیب ہوتی رہتی ہیں اور نزول مائدہ بھی ایک نعمت ہے ۔ اس سے ہماری نافرمانی ہُوئی تو کیا ہُوا ، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ نزول مائدہ اللہ تعالیٰ کو صفات کی نعمتوں سے تعلق ہے اور دوسری نعمتوں کا نزول ذات سے ہے اور قاعدہ ہے کہ ذات میں تغیر و تبدل نہیں ۔ البتہ صفات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے کہ کبھی جمال کا ظہور ہو گیا تو کبھی جلال کا ۔

فائدہ : چار عیدیں چار قوموں کو نصیب ہوئیں (۱) ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کہ جب وہ عید کے لئے چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بُت توڑ ڈالے ۔

(۲) الزینۃ بھی اُن کی عید کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا : قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ "
(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا : رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ الآیۃ
(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کی تین عیدیں ہیں :- ۱ : ہر ہفتہ میں ایک عید یعنی یوم الجمعہ ۲ : سال میں دو دفعہ عید آتی ہے یعنی عید الفطر ۳ : عید الاضحیٰ اور ہر ہفتہ کی عید یعنی یوم الجمعہ میں نماز و عبادات ادا کی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ دن اور رات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں اور دُنیا کا چکر بھی ہفتہ پر گھومتا ہے۔ جب لوگ اپنے چکر کو پُورا کر لیتے ہیں تو اُس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک عید کا دن مقرر فرمایا جسے یوم جمعہ کہتے ہیں اس میں ہفتہ کی عبادات کی تکمیل ہوتی ہے اور اس روز ہی تمام مخلوق کی تکمیل ہوئی تو پھر آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا ہوئے ہوئی اور اس روز ہی انہیں بہشت میں داخل فرمایا جائے گا اور اِس دن ہی وہ بہشت سے نکالے گئے اور اسی پر ہی دُنیا کی انتہا ہو گی اور اس روز ہی قیامت قائم ہو گی۔ اسی لئے اِس دن کو سماع (ذکر قرآن) اور وعظ اور نماز کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی عید کا دن مقرر ہُوا۔ **مسئلہ** : صرف جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

فضائل جمعہ

(۱) جمعہ کی حاضری کو حج کے ساتھ تشبیہہ دی گئی۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔ مروی ہے کہ الجمعۃ حج المساکین (جمعہ مسکینوں کا حج ہے) حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا مجھے تو جمعہ کی نماز کی حاضری نفلی حج سے محبوب تر ہے (۲) جس قدر نماز جمعہ کے لئے پہلے پہنچے گا اسی قدر قربانی کا ثواب ملے گا (چنانچہ حدیث شریف میں ہے) (۳) ایک جمعہ سے دُوسرے جمعہ تک کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ نماز جمعہ پر حاضر ہونا حج مبرور کی طرح ہے اس کے انسان کی زندگی بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (۴) جس کا جمعہ کا دن سلامتی سے گزر گیا تو ہفتہ بھر اُسے سلامتی و عافیت نصیب ہو گی۔ دو عیدیں سال بھر میں دو دفعہ تشریف لاتی ہیں۔

(۱) یعنی عید الفطر جو کہ روزہ کی تکمیل کے بعد منائی جاتی ہے اور روزہ اسلام کے ارکان سے تیسرا رکن ہے اور جب اہلِ اسلام اپنے روزوں کو مکمل کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حقدار بنتے ہیں اور اُن کے لئے واجب ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں دوزخ سے آزاد کیا جائے اور روزے کی ایک خاصیّت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے سابقہ گناہ دُھل جائیں اور جہنم سے آزادی نصیب ہو جائے۔

(۲) عید الاضحیٰ اسے بڑی عید کہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تمام عیدوں سے افضل ہے اور یہ حج کی تکمیل کے بعد نصیب ہوتی ہے اور حج ارکانِ اسلام سے چوتھا رکن ہے۔ جب اہلِ اسلام حج کی تکمیل کر لیتے ہیں تو انہیں مغفرت کا پیام نصیب ہوتا ہے اور حج کی تکمیل نویں ذوالحجہ کو ہوتی ہے اور نویں کے دن عرفات میں ٹھہرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور حج کا یہی سب سے بڑا رکن ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ والوں کے دو بہت بڑے عید کے دن ہوتے ہیں جس میں وہ کھیلتے کودتے خوشیاں مناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو بہت بڑے دن عطاء فرمائے ہیں۔ جن کا مقابلہ اور کوئی دن نہیں کرسکتا۔ (۱) یوم الفطر (۲) یوم الاضحیٰ انہی ایام کو حضور سرورِ عالم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک عید کا دن منانے کا اجماع ہے اس سے نہ کسی نے انکار کیا اور نہ انکار کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ یہی عید کے دن آنحضرت کی حاضری کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

فائدہ : بعض اہلِ دل فرماتے ہیں کہ دنیا میں مسلمان کا ہر وہ دن جو یومِ عید تھا۔ آخرت میں بھی وہی دن اہلِ اسلام کے لئے عید کا دن مقرر کیا جائے گا اس لئے کہ اُسی دن اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے جمع ہوں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے جلوۂ خاص سے نوازے گا۔ بہشت میں جمعہ کو یوم المزید کہا جائیگا اور پھر وہ اہلِ جمعہ یوم الفطر والاضحیٰ بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔ یہ عوام کے عیدوں کے ایام ہوں گے۔ اور خواص کا تو ہر دن عید کا دن ہوگا۔ وہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی زیارت سے سرشار ہوں گے اس لئے کہ ایامِ دُنیا کا ہر دن ان کے لئے یوم عید تھا تو آخرت میں بھی ان کا ہر دن یوم عید ہوگا اور اخص الخواص کا تو ہر لمحہ عید ہوگا۔

تفسیرِ صوفیانہ[۳] : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں مائدہ سے اسرار و حقائق مراد ہیں جو آسمان عنایت سے اطعمہ ہدایت لے کر اُترتے ہیں وہ اہلِ حق اور اربابِ صدق کے لئے عید بنتے ہیں۔ پھر اہلِ حق کہتے ہیں کہ ان اسرار و حقائق سے ہم پہلے اور پچھلے نفوس کے لئے خوشیاں منائیں گے۔ اس لئے کہ اہلِ حق اپنے ہر سانس کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر سانس یادِ الٰہی میں نکلے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے تو یادِ خدا سے ہی حاضر ہو۔ اُن کے نزدیک یہی عید ہے اس طرح سے انہیں حضوریت نصیب ہوتی ہے اور یہی وہ بُلند مرتبہ ہے جو کسی خوش نصیب کو نصیب ہوتا ہے۔ پھر کیوں نہ وہ اُسے عید سے تعبیر کریں ؎

صُوفیاں در دَمے دو عید کنند (صوفیہ ایک لمحہ میں دو عیدیں کرتے ہیں)

---

[۳] عید میلاد النبی یوم عید میلاد النبی کو عید کہنا بہ بنائے عرف ہے شرعی اصطلاح مراد نہیں اور عرف میں خوشی کے دن کو کہا جاتا ہے مثلاً جب کوئی دوست عرصہ کے بعد ملے تو ہم کہتے ہیں کہ آج عید ہوگئی۔ قرآن مجید کی آیت ہذا میں عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کو عید کہا گیا ہے حدیث شریف میں یوم الجمعہ کو عید کہا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ جب ان اشیاء کو شرعاً بہ بنائے عرف عید کہنا جائز ہے تو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عید کہنا بطریق اولیٰ جائز۔ لیکن جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ نہیں مانے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبھم مرض الخ

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ
إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي
بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي
نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝٣٤ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي
بِهِۦٓ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ
فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيدٌ ۝٣٥ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ
أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٣٦ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِينَ
صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ
أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝٣٧
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٣٨ ع

ترجمہ : اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ
مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا عرض کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں
جو مجھے نہیں پہنچتی۔ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں
نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے ۳۴ میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو
تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب اور میں ان پر مطلع تھا جب
تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر
ہے ۳۵ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب

حکمت والا[۳۶] اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے بڑی کامیابی[۳۷] اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[۳۸]

تفسیر عالمانہ ۞[۳۴] وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ،، اے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا وہ وقت یاد دلاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں انہیں بر سر میدان کھڑا کرکے اُن کے پجاریوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا۔ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ ،، یہ اتَّخِذُوْا کا مفعول ثانی ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ یہ اتخذوا سے حال ہے۔ یعنی کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔ اِتَّخِذُوْنِى بمعنی صیرونی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت و معبودیت سے تجاوز کرکے مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ۔ اُن کے معبود بنانے سے مُراد انہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک ٹھہرانا مُراد ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی نفی کرکے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا قائل ہو۔

فائدہ : چونکہ اس کلام سے نفسِ قول کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایسے عقیدے رکھنے والوں کی زجر و توبیخ مطلوب ہے (اس لئے کہ مبتدا پر حرفِ استفہام لایا گیا ہے) اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی فرمایا تھا (اس لئے کہ اُن کے ایسے قول کی نفی ثابت ہوتی ہے۔)

فائدہ : حضرت مولانا ابوسعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کلام کا مقصد یہ نہیں کہ یہ قول متعین ہے اور پھر اُس کے قائل کو متعین کرنے کے لئے استفہام لایا گیا ہے جیسا کہ ہمزہ استفہام کا مُبتدا پر لانے سے بظاہر ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ انہیں کافروں نے کہا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا اس طرح کے اور بھی نظائر و شواہد ہیں بلکہ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ ان کا عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو معبود بنانا تو متعین تھا پھر ہمزہ استفہام سے یہ تعین کرنا کہ اس کا حکم انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے دیا۔ اُنھوں نے از خود یہ عقیدہ گھڑا تھا۔ جیسے قرآن مجید میں دُوسرے مقام پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بتوں سے فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰۤؤُلَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ،، (کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود گمراہ ہوگئے)

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نحوی قاعدہ ہے کہ استفہام میں اثبات کے بعد نفی ہوتی ہے اور نفی کے بعد اثبات (جیسے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا معنیٰ ہے اَنَا رَبُّکُمْ) اور اثبات میں نفی کی مثال (جیسے ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللہِ۔ اس کا معنیٰ ہے لَیْسَ مَعَ اللہِ اِلٰہٌ) اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام تم نے نہیں فرمایا کہ اے لوگو تم مجھے اور میری ماں کو معبُود بناؤ بلکہ اُنھوں نے جہالت کی وجہ سے تعظیم کو مبالغہ اور مدح میں حد سے بڑھ کر تمہیں اور تیری ماں کو معبود بنا لیا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو حد سے بڑھایا۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو ایسا نہیں فرمایا تھا تو پھر اُن سے سوال کیوں (**جواب**) تاکہ اُن کی اُمّت کو زجر و توبیخ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا جُرم ہے۔

فائدہ : ابُو روق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کرے گا تو اس خطاب سے عیسیٰ علیہ السلام لرزنے لگیں گے اور آپ کے ہر بُن بال سے خُون جاری ہو جائے گا۔

فائدہ : اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہو گا، لیکن درحقیقت یہ خطاب اُمّت سے ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ قیامت میں کفار سے نہ کلام فرمائیگا اور نہ انہیں دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ : قَالَ،، یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے **سُبْحٰنَکَ**،، سُبحٰن تسبیح کا علم ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ تیری تنزیہ بیان کرتا ہوں اور میں اُس سے کوسوں دُور ہوں کہ ایسا کہوں یا میں ڈرتا ہوں کہ میں تیرے حق میں ایسی بات کہوں **مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ** میرے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ **اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ**،، اگر یہ بات میں نے کہی ہوگی **فَقَدْ عَلِمْتَہٗ**،، تو تُو اسے جانتا ہے اور مجھے یہ مقدور بھی کہاں کہ میں ایسی بات کہوں۔ ہاں تو ہی میرے اندر ایسی بات پیدا کر دے تو قادر ہے پھر میرے سے ایسے قول کا صدُور ممکن ہے اور تو مجھے جانتا ہے۔ جب تیرے علم میں نہیں تو اُس کا صدور بھی نہیں۔ یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے علم کی نفی کر کے صدور کی نفی فرمائی اس لئے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ **تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ**،، میرے اندر کا راز تو جانتا ہے۔ جیسے میرے ظاہر کا تجھے علم ہے **وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ** اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے مخفی معلومات میں ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے مخفی معلومات کو نفسِک سے کیوں تعبیر فرمایا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اس لئے کہ نفس کے اندر جو معلومات مخفی ہوتے ہیں اُن کی صُورتیں مرتسمہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے صُور مرتسمہ ثابت کرنا محال ہے اس لئے کہ اس کا علم حضوری ہے۔

جواب : لفظ نفسی کی مناسبت سے مجازاً ایسے ہی کہا گیا ہے۔ ورنہ بات وہی حق ہے جو سوال میں ہے

اور مجازات کا دائرہ وسیع ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ بے شک تم ہی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کا علم رکھنے والے ہو۔ ۳۵ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ:

رَبط: جس کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہُوا۔ اب اُس کی واضح تصریح کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ جو کچھ تو نے مجھے فرمایا میں نے انہیں صرف وہ کہا۔ اگرچہ یہی جواب اُنھوں نے پہلے عرض کر دیا تھا، لیکن وہ دلالۃً تھا۔ اب اسے صراحۃً کہہ دیا۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام نے صرف مَا قُلْتُ لَھُمْ کیوں نہ کہا۔

جواب : ادب کو ملحوظ رکھ کر اور پھر جو کچھ سوال میں اُن سے کہا گیا اُس کی رعایت کر کے اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ کا اضافہ فرمایا۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ "، اور یہ بہ کی ضمیر کی تفسیر ہے اور اَمَرْتَ بمعنی قُلْتَ سے۔ اسے مَا اَمَرْتَنِیْ کی تفسیر میں نہیں بتایا جا سکتا اس لئے کہ اِنِ اعْبُدُوا اللہ الخ مَا قُلْتَ لَہم کا مفعول بہ ہے۔ اصل عبارت یُوں ہوگی اِلَّا اَمَرْتَنِیْ بِہٖ بلفظ قولِكَ اَنِ اعْبُدُوا اللہ الخ یعنی میں نے انہیں وُہی کہا تھا جو کچھ تیرا حکم تھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا "، اور میں اُن پر نگران رہا۔ یعنی اُن کے احوال کی نگہداشت کرتا اور تیرے حکم کے مطابق انہیں چلاتا اور تیری مخالفت سے روکتا رہا۔ یا یہ کہ میں اُن کے کفر و ایمان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج جب تک کہ میں اُن میں رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ "، پھر تو نے مجھے اُن سے جُدا کر کے آسمان پر اُٹھا لیا كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ "، صرف تو ہی اُن کے اعمال کا نگہبان ہُوا اور محافظت صرف تیرے سپرد ہُوئی جس کے لئے تو چاہتا تو اپنی نافرمانی سے اسے بچا لیتا اور اُسے اِن دلائل کی رہبری فرماتا جو اُسے تیری نافرمانی سے بچاؤ نصیب ہو جاتا اور رسُول بھیج کر یا آیات نازل فرما کر اسے ہدایت دیتا۔ پھر جو گمراہ ہو اُس کی اپنی بدقسمتی اور غلط باتیں کہیں تو اُس کی اپنی شومئی قسمت۔

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اور تو ہر شئی کو جانتا اور نگرانی کرتا ہے۔ لفظ عَلیٰ شہید کے متعلق ہے۔ آیات کے فاصلہ کی وجہ سے عَلیٰ کو اپنے عامل پر مقدم کیا گیا۔

۳۶ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج اگر ان کو عذاب میں مُبتلا کرو تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تجھ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ تو ہی مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے کرے اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عذاب کے مستحق ضرور تھے اس لئے کہ اُنھوں نے غیر اللہ کی پرستش کی۔ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اور اگر تو انہیں بخش دے تو تُو ثواب و عقاب دینے پر قدرت رکھتا ہے اور تیرے جیسا نہ کوئی ثواب دینے والا ہے اور نہ عذاب دینے والا۔ تیرا ثواب دُنیا میں بھی حکمت ہے اور عذاب دینا بھی حکمت۔ البتہ مجرم کو معاف کر دینا مستحسن ہے لیکن تو عذاب دے گا تو بھی عدل ہو گا اور اگر معاف فرما دے تو نہ افضل ہے۔

سوال : مشرک کی مغفرت تو بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے۔یعنی اس کی مغفرت قطعًا ممتنع ہے اور اسے عذاب دینا قطعی الوجود پھر اُس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ اِن کیوں استعمال فرمایا ہے اس لئے کہ اِن کا تقاضا ہے کہ اس کے دونوں جانب یعنی وجود و عدم جائز اور محتمل الوقوع ہوں۔حالانکہ مشرک کے لئے مغفرت کا وجود ہی نہیں۔

جواب ۱ : اگرچہ مشرک کے لئے مغفرت بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے لیکن عقلاً تو جائز الوجود ہے۔اس بناء پر کلمہ اِن کا استعمال صحیح ہُوا کہ اُس کی مغفرت امکان ذاتی اور جواز عقلی پر مبنی ہے۔

جواب ۲ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لفظ اِن کا استعمال دو فرقوں کی وجہ سے ہے کہ اگر کافروں کو عذاب دے تو وہ اس لائق ہیں اور مومنوں کو ثواب عنایت فرمائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہی آیت پڑھتے پڑھتے کئی راتیں آنکھوں پر کاٹ دیتے کبھی بحالت قیام پڑھتے کبھی قعدہ میں اور کبھی سجدے میں اور فرماتے اُمتی اُمتی یارب ،، اے اللہ میری اُمت کی خیر۔پھر رونے لگ جاتے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان سے اُترے اور کہا اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کروں گا۔آپ کو اُس کے متعلق ملال میں نہ ڈالوں گا۔

"قَالَ اللّٰهُ ،، قیامت میں جب عیسیٰ علیہ السلام مذکورہ بالا مفروض پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تاکہ ان کی صداقت کی گواہی ہو جائے۔جیسا کہ اس آیت میں الصّٰدقین کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی ان صادقین میں داخل ہیں۔ھٰذا ،، اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔یہ مُبتدا ہے اور اُس کی خبر یہ ہے یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ،، آج سچوں کو اُن کا سچ فائدہ دے گا۔

مسئلہ : اس سے وہ صدق مُراد ہے جو دُنیا میں بولا گیا۔اس لئے کہ دُنیا ہی دارالتکلیف تھی ورنہ آخرت میں تو مجرم کو مجرم کا اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اس وقت کا صدق نفع پہنچائے گا۔

مسئلہ : اس صدق سے ہر صدق مُراد نہیں۔بلکہ وہ جو دینی اُمور سے متعلق ہو۔جس کی بناج توحید ہے اسی طرح وہ احکام و شرائع جو توحید و اسلام و دین سے متعلق ہیں

فائدہ : الصّٰدقین سے انبیاء کرام مُراد ہیں جن کا زندگی بھر صدق سے کام رہا اور داعی الی اللہ رہے۔اسی طرح اُن کے ساتھ صحیح عقیدہ رکھنے والے اور اُن کی اتباع میں زندگی بسر کرنے والے لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط اُن کے لئے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ صادق کو کیسے نفع نصیب ہوگا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ انہیں دائمی نعمتیں اور ہمیشہ کا ثواب نصیب ہوگا۔اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جسے یہ نصیب

ہو جاتے ۔ اَبَدًا ،، یہ خلود کی تاکید ہے جس کا فارسی میں ترجمہ ہے ۔ زمان بود ایشاں نہایت ندارد ،، یعنی اُن کی دائمی زندگی غیر منتہی ہوگی ۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ ،، اللہ تعالیٰ اُن کی طاعت سے راضی ہُوا ۔ وَرَضُوْا عَنْہُ ط اور وہ اللہ تعالیٰ سے کرامات سے راضی ہُوئے ۔ رضوانِ جنات پر ایک مزید فیض و فضل نصیب ہوگا کہ جس کے بعد اور کسی فیض و فضل کی ضرورت نہ ہوگی ۔ اسی لیئے فرمایا ذٰلِکَ ،، وُہی رضوان حاصل کرنا ۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ بہت بڑی کامیابی ہے ۔ یعنی نجات اور حقیقی فوز بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کرے ۔ فوز کو عظمت سے موصوف کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ جس مطلوب سے فوز کو تعلق ہے وہ بہت بڑی عظمت والا ہے یعنی خوشنودیٔ حق کہ اس کے سوا مُومن کا اور کوئی مطلوب و مقصود نہیں ۔

۝۳۸ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ ،، اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے ۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے اندر ہے ۔ اس میں حق کی تحقیق اور نصاریٰ کی تکذیب مطلوب ہے اور بتایا گیا ہے کہ اُنھوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کے متعلق عقیدہ گھڑ لیا تھا ۔ سراسر غلط تھا اور حق کا بُطلان اس لیئے کہ معبود برحق تو وہ ہے تو آسمان و زمین اور اِن کے اندر جتنا عُقلاء و غیر عُقلاء ہیں اسی کی مِلک ہیں ۔ وہی اُن کا حقیقی مالک ہے کہ جس طرح ان میں تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے ۔ انہیں پیدا کرے مٹائے فنا کر دے زندہ رکھے ۔ اُنہیں مارے یا رو کے ان میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اور وہ ہر شئے پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے نہ اُسے عجز لاحق ہوتا اور نہ عجز اور وہ مقدس اور برکت والا بُلند و بالا ہے ؎

(۱) نیست خلقش را دگر کس مالکے ۔۔۔ شرکتش دعویٰ کند جُز ہالکے

(۲) واحد اندر ملک او را یار نے ۔۔۔ بندگانش را جز او سالار نے

ترجمہ (۱) اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں تباہ ہے وہ جو اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے ۔

(۲) وہ واحد ہے اس کے ملک میں اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا اس کے سوا کوئی سردار نہیں ۔

فائدہ : آیت سے صراحتہً ثابت ہُوا کہ قیامت میں صرف سچائی فائدہ دے گی نہ کذب نہ ریاء ان سے کسی طرح بھی نفع کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے ؎

دلا دلالت خیرت کنم براہِ نجات ۔۔۔ مکن بفسق مباہات و زہد ہم مفروش

ترجمہ : اے دل میں تیری دلالت خیر کرتا ہوں ۔ فسق پر فخر نہ کر اور زہد بھی نہ بیچ ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ سچائی کے لیئے جدوجہد کرے اس لیئے کہ ایمان کے بعد سچائی احسان کی راہ دکھاتی ہے بلکہ ایمان نہ ہو تو بھی حاصل کرا دیتی ہے ۔

حکایت : حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو بلا اطلاع چلے جاتے ۔ کسی کو کچھ نہ بتاتے اور نہ اُس کے متعلق کسی قسم کا ذکر فرماتے ۔ اُن کا ایک لوٹا

تھا وہی اُٹھا کر چل پڑتے۔ حضرت حامد اسودؒ مرحوم فرماتے ہیں کہ ایک دن اُنھوں نے اچانک اپنا لوٹا اُٹھایا اور چل پڑے میں بھی اُن کے پیچھے ہولیا۔ جب شہر قادسیہ میں پہنچے مجھے دیکھ کر فرمایا حامد کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کی جہاں آپ جائیں گے۔ اُنھوں نے فرمایا میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ معظمہ چلوں گا۔ چند روز ہم چلتے رہے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی چل پڑا۔ ہمارے ساتھ اُس نے کامل دن سفر کیا، لیکن اُس نے نماز نہ پڑھی۔ میں نے حضرت ابراہیم خواص سے عرض کی یا حضرت یہ نوجوان نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے اُسے بُلوا کر اسے فرمایا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اور حج کرنے جارہے ہو، حالانکہ نماز تو حج سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اُس نے کہا یا حضرت مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مسلمان نہیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر کون ہو اُس نے کہا میں نصرانی ہوں۔ مجھے توکل پر گھمنڈ تھا۔ اس لئے میں اپنے نفس کو آزمانے کے لئے گھر سے باہر نکل کھڑا ہوں اور جنگلوں میں گھوم رہا ہوں کہ میں اپنے آپ کو آزماؤں کہ کیا یقیناً مجھ میں صحیح توکل ہے یا نہ اس کی یہ بات سُن کر حضرت ابراہیم خواص چل پڑے اور مجھے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ ہم چلتے رہے وہ بھی ہمارے ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم مرو میں پہنچے۔ وہاں حضرت ابراہیم خواص نے اپنے کپڑے دھوئے اور بعد فراغت اس نوجوان سے پوچھا تیرا کیا نام ہے۔ عرض کی "عبدالمسیح"، آپ نے فرمایا اے عبدالمسیح یہ مکہ معظمہ ہے اس کے حرم کے احاطہ میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے جیسے کافروں کو اُس کے اندر داخل ہونے سے روکا ہے؛ چنانچہ فرمایا: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا " فلہٰذا اس میں داخل نہ ہونا۔ ورنہ تیرے لئے پریشانی ہوگی۔ اس لئے کہ تم اندر آؤ گے تو ہم سے رہا نہ جائیگا۔ ہم بتا دیں گے یہ نصرانی ہے پھر تجھے مار پڑے گی؛ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے کہنے پر رُک گیا۔ حضرت حامد فرماتے ہیں کہ اُسے چھوڑ کر ہم حرم شریف کے اندر داخل ہوگئے۔ مناسک ادا کر کے ہم عرفات کو چلے گئے۔ ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ وہی عبدالمسیح احرام باندھے ہوئے عرفات میں ہماری تلاش کے لئے اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھ کر دوڑا اور آکر قدموں پر گر گیا اور آپ کے سر مبارک کو چوما۔ آپ نے اُس سے پوچھا۔ اے عبدالمسیح کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی حضرت اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں بلکہ اب میں اُس کا بندہ ہوں جس کے عبد حضرت مسیح ہیں۔ یعنی میں مسلمان ہوچکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس طرح۔ عرض کی جب آپ نے مجھے چھوڑا تو آپ کے بعد ایک قافلہ تشریف لایا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہونے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے گھر جارہے ہیں اور تو اتنا بد قسمت ہے کہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کا داخلہ بند ہے۔ میں اُٹھ کھڑا ہُوا اور احرام باندھ کر حرم میں داخل ہُوا تو میری نگاہ جونہی کعبہ معظمہ پر پڑی تو دل کی دُنیا بدل گئی۔ اس وقت سوائے دین اسلام کے باقی تمام دین مجھے ناپسند نظر آئے۔ میں پکا، سچا مسلمان ہوگیا اور غسل کر کے احرام باندھا۔ آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا بالآخر آپ کو پالیا۔

حضرت حامد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ دیکھئے سچائی کتنا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اگرچہ نصرانی

اٰيَاتُهَا ١٦٥	سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (٥٥)	رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿٢﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿٣﴾ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو مہربان رحم والا ہے

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی اس پر کافر لوگ اپنے رب کی برابر ٹھہراتے ہیں وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد کا حکم رکھا اور ایک مقررہ وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو بے شک انھوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا تو اب خبر ہُوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر ہنس رہے تھے کیا اُنھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور ان پر موسلا دھار پانی بھیجا اور ان کے نیچے نہریں بہائیں تو انہیں ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت اُٹھائی اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہُوا اتارتے کہ وہ اسے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو کام تمام ہوگیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو ان سے ہنستے تھے ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی ؎؎

: **سُورۃ انعام** مکیہ ہے۔ اس کی ایک سو پینسٹھ یا سرسٹھ یا ترسٹھ آیات ہیں سوائے " قُلْ تَعَالَوْا الآیۃ مدنیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے اتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی قاضی الحاجات ہے (آمین)

فضائل سُورۂ انعام : (۱) سورہ انعام ایک ہی رات کے وقت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے تسبیح و تحمید و تمجید پڑھتے ہوئے

نازل ہوئے۔ اُن کی کثرت سے مشرق و مغرب تک کی زمین لرز گئی اور حضور نبی پاک سُبحان ربی العظیم کہتے ہوئے سربسجود ہوئے (۲) مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے لئے ایک رات دن ستر ہزار فرشتے رحمت کی دُعاء مانگتے ہیں۔

(فائدہ) جب یہ سُورۃ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اسی رات اسے لکھ لینے کا حکم فرمایا۔

(۳) حضور علیہ السلام سے مرفوعًا مروی ہے کہ جو شخص سُورہ ہٰذا کے اوّل سے تین آیات (تکسبُون) ہر صبح کو پڑھ

تھا لیکن اپنی نصرانیت نہ چھپائی اور سچ بولا تو اسے دولتِ اسلام نصیب ہو گئی۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ہاں کچھ دیر ٹھہرا اُس کے بعد اللہ والوں کے سامنے انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

سلام علی السادات من کل صادق ۔ سلام علی ذی الوجد من کُلّ عاشق

سلام علی ذی الصّحو من سکر غفلۃ ۔ سلام علی الناجین من کُلّ کلفۃ

سلام علی مَن مات قبل موتہٖ ۔ سلام علی مَن مات قبل مُوتہٖ

ترجمہ : ہر سچے انسان سے سادات اولیاء کرام پر سلام ہوں اور اس پر سلام جو ذی وجد ہے۔ ہر عاشق سے نشۂ غفلت سے بچنے والے۔ ہر ذی ہوش پر سلام ہوں اور ہر دُکھ سے نجات پانے والے پر بھی سلام ہوں جو اپنی موت سے پہلے مرا اور اس پر سلام ہوں جو فوت ہونے سے پہلے فوت ہُوا۔

اے اللہ ہمیں نجات پانے والوں سے بنا اس لئے کہ ہم محتاجوں سے ہیں (آمین یا معینُ)

سُورۂ مائدہ مع فوائد کے ختم ہوئی۔ الحمد للہ علی نعمہ المتواترہ والصّلوٰۃ علی رسولہ وآلہ صلوٰۃ متکاثرہ

مصنّف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت ۳ محرم ۱۱۱۱ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد سُورۂ انعام کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

فقیر قادری ابُوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ نے سُورۂ مائدہ کی تفسیر ہٰذا کے ترجمہ کو ۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ شب چہارشنبہ تقریبًا ایک بجے ختم کیا۔ اس کریم و رحیم سے التجا ہے کہ بطفیل حبیب کبریا رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم مکمل طور اس تفسیر کے ترجمہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اس کی نظرِثانی سے ۱۰ محرم ۱۴۰۶ھ بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے شہر خان بیلہ میں بہ تقریب جلسہ فراغت ہوئی۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک) وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!

انا الفقیر قادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ ۱۰-۱-۱۴۰۶ بروز جمعرات مطابق ۸۵-۹-۲۶

لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتہ بھیجتا ہے اور قیامت تک اُن کی تعداد کے مطابق اس کے اعمالنامہ میں اُجر و ثواب لکھ لیا جاتا ہے اور خصوصی طور ایک فرشتہ ساتویں آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے۔ جب کوئی شیطان اس شخص کے قریب آتا ہے تو اُسے مار بھگاتا ہے۔ پھر اُس کے اور شیطان کے درمیان ستر ہزار پردے لٹکا دیتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیگا اے ابن آدم آج میرے سایۂ رحمت تلے چلتا رہ اور بہشت سے جو مرضی آئے پھل کھا اور حوض کوثر سے پانی پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ آج تیرے لئے نہ حساب نہ عذاب (رواہ الواحدی فی الوسیط)

ع۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ،، الحمد میں الف لام استغراق الجنس کا ہے اور لِلّٰہِ میں اختصاص کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے۔ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ،، اُن کے غلط عقیدہ (بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک ماننا) کا رد کر کے واضح فرمایا کہ ہر عبادت (منجملہ اس کے حمد بھی ہے) میں مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الحمد کی لام تملیک کی ہے۔ یعنی ہر وہ حمد جو اہل السموٰات والارض دُنیا و آخرت میں بجالاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یعنی اس ذات کی حمد کرتے ہیں۔ جس نے انہیں حمد کرنے کی استعداد و استطاعت کے مطابق اُن پر قدرتِ الٰہیہ کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ مخلوق کی حمد اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور فانی ہے اور وہ جو اُس نے اپنی حمد خود فرمائی ہے وہ قدیم اور باقی ہے۔

سوال : کیا منعم کا شکر واجب نہیں جیسے استاذ کی تعلیم پر شاگرد کا شاکر ہونا اور سلطان کے عدل و انصاف پر شکر گزار ہونا اور محسن کے احسان پر شکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ" جس نے انسانوں کا شکریہ نہ کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کیا۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام محامد صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

جواب : کسی محسن و منعم کے انعام و احسان پر حمد و شکر یا اُس کی تعظیم بجالانا صرف اس لئے ہے کہ وہ اس نعمت کا سبب اور وسیلہ ہے ورنہ درحقیقت وہ حمد و شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اگر وہ اس نعمت کو پیدا نہ فرماتا یا اُس محسن و منعم کے دل میں احسان و انعام کا خیال نہ ڈالتا تو وہ کسی پر انعام و احسان کرتا ہی نہ اس بنا پر منعم و محسن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس جب منعم و محسن صرف وہی ہے تو حمد و شکر کا مستحق بھی اس کے سوا اور کوئی نہیں (نکتہ) حمد کو ایسے اسم سے متعلق کرنا کہ وہ جامع لجمیع الصفات ہے۔ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حمد کا

مستحق ہونا اُس کا ذاتی ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

لطیفہ: امام بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی حمد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی حمد کی تعلیم دیتا ہے کہ اس کی حمد کرو۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) چونکہ آن خلاق شکر و حمد جوست — آدمی را مدح جوئی نیز خوست

(۲) خاصۂ مردِ حق کہ در فضلست جست — پر شود زاں باد چوں خیک درست

(۳) ورنہ نباشد اہل زاں باد دُرُوغ — خیک بدریست کے باشد فروغ

ترجمہ (۱) چونکہ وہ خالق حمد و شکر کا طالب ہے اسی لئے آدمی بھی مدح کا جویاں ہے

(۲) مردِ حق کا خاصہ ہے کہ وہ فضل کی جستجو میں ہے وہ اس سے خیک کی طرح پُر ہو جاتا ہے۔

(۳) اگر اس کا اہل نہ ہو تو ہوا مصنوعی سے خیک کب رونق پائے گا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰت ،، جس نے آسمانوں (اور جو کچھ ان میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے) کو پیدا فرمایا **وَالْاَرض** ،، اور زمینوں (اور جو کچھ اس میں ہے جیسے جنگل دریا، ریت، پہاڑ، انگوریاں اور درخت) کو۔

فائدہ: آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اور زمینوں (اور جو ان میں ہے) کو دو دنوں (منگل، بدھ) میں پیدا فرمایا۔

نکتہ: حمد کو تخلیق سے متعلق کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے افعال اور نعمتوں کی وجہ سے بھی حمد کا مستحق ہے۔

سوال: تخلیق کے بیان میں صرف آسمان و زمین کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ اُن کے ماسواء باقی اشیاء کا بھی خالق ہے۔

جواب¹: چونکہ انسان کی نظر میں یہی اعظم المخلوقات ہیں۔ بنابریں اس کی تخصیص کی گئی۔ تاکہ انسان کو نصیحت حاصل ہو کہ وہ صرف اس بڑی مخلوق کے خالق کے سامنے سر جھکائے۔

جواب²: چونکہ انسان اپنے منافع کے حصول کے درپے رہتا ہے اور ان میں اس کے منافع متعلق ہیں جب وہ سمجھے گا کہ میرے منافع انہی میں ہیں اور اُن کا خالق وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ فلہٰذا صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

جواب³: ان میں انسان کو عبرت حاصل کرنے کا موقعہ بھی آسانی سے میسر آتا ہے۔ بنابریں تخلیق میں انہی کی تخصیص کی گئی۔

سوال: آسمانوں کو جمع اور زمین کو واحد کیوں لایا گیا ہے، حالانکہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں۔

جواب: آسمانوں کے طبقات بالذات مختلف اور اُن کے آثار اور حرکات بھی متفرق ہیں بخلاف زمین کے طبقات کے کہ ان میں کسی قسم کا تفاوت نہیں۔

فائدہ: ہر دو آسمانوں کے درمیانی مسافت پانچ سو سال کی ہے۔ پہلا آسمان موج مکفوف ہے۔ ایک دوسری سے متصادم کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو سیلان سے روکتا ہے دُوسرا آسمان سفید مرمر کا ہے۔ تیسرا لوہے کا چوتھا قلعی یا تانبے کا۔ پانچواں چاندی کا۔ چھٹا سونے کا۔ ساتواں سُرخ یاقوت کا اور زمین کے تمام

طبقات صرف مٹی کے ہیں اور بس۔

مسئلہ : اکثر علماء کا مذہب یہی ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا ہوئے اور اس پر عبادت کرتے رہے اور اسی میں مدفون ہیں۔ نیز زمین دارالخلافہ اور مزرعۃ الآخرۃ (آخرت کی کھیتی) ہے۔

مسئلہ : تمام زمین سے افضل مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کا وہ حصہ ہے جس سے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس متصل ہے اس لئے کہ مٹی کا جزو اصلی وہی ہے جو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر آرام فرما ہے۔

مسئلہ : اس کے بعد مکہ معظمہ کا حرم شریف۔ پھر بیت المقدس (شام کی فضیلت اس میں شامل ہے) پھر کوفہ جسے حرم رابع کہا جاتا ہے اور بغداد شریف اس میں شامل ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ اَلْجَعَل بمعنے الانشاء و ابداع ہے

فائدہ : اَلْجَعْل وَالْخَلْق ،، میں فرق ہے۔ اس لئے کہ الخلق امور تکوینیہ سے مخصوص ہے اور الجعل التقدیر والتسویۃ کے معنی میں آتا ہے لیکن اس آیت میں اَلْخَلْق کے معنی میں ہے یعنی اُمُور تکوینیہ کے لئے بھی الجعل مستعمل ہوتا ہے اور امُور تشریعیہ کے لئے بھی۔ کما قال تعالیٰ مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَائِبَۃٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیرہ و سائبہ وغیرہ کو مشروع نہیں فرمایا۔

سوال : اَلظُّلُمٰت ،، کو جمع اور اَلنُّوْر کو واحد کیوں لایا گیا ہے۔

جواب : ظلمت کے اسباب کی کثرت کی وجہ سے نُورانی اور ظلمانی اشیاء کے درمیان جہاں تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یہی حائل شدہ اشیاء سب کے سب ظلمت کے اسباب ہیں اور یہ حائل ہونا اجرام متخللہ کی کثرت سے کثیر ہوتا ہے۔ بخلاف نُور کے کہ اس کا سبب صرف نار ہے یہاں تک کہ ستارے منوّر ہیں تو بھی اپنی ناریت کی وجہ سے اور کواکبِ اجرام ناریہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چنگاری ستارے کی ناریت سے خارج ہوتی ہے۔

نکتہ : حدادیؒ نے فرمایا کہ ظلمات کو جمع اور نُور کو واحد لانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نُور متعدی ہوتا یعنی اپنے محل کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی پھیلا ہوتا ہے۔ بخلاف ظلمت کے کہ وہ متعدی نہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نُور کا خالق ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے اور تیسیر میں ہے کہ آیت میں ثنویہ فرقہ کا رد ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ نُور کا خالق یزدان اور ظلمات کا خالق اہرمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر و شر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ** ○ پھر وہ کافر اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ اس کا جملہ سابقہ پر عطف ہے۔ اور یہ ثُمَّ استبعادیہ ہے یعنی جب آیت تکوینیہ سے واضح ہو چکا ہے

کہ شرک ایک مذموم فعل ہے تو اُن کے عقول سے امر بعید ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کریں۔

فائدہ : باء بِعَدِلُوْنَ کے متعلق ہے معمول کو عامل پر مقدم کرنے میں اہتمام تحقیق الاستبعاد مطلوب ہے اور یَعْدِلُوْنَ ، عدل سے مشتق ہے بمعنی التسویۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے (عَدَلْتُ هٰذَا بِهٰذَا) اَیْ سَاوَیْتُہٗ ، میں نے اُسے اس کے برابر کیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ حمد و عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ بہت بڑی عزت و عظمت کا مالک ہے اور وہ عزت و عظمت صرف اسی سے مخصوص ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد و عبادت کا صرف وہی مستحق ہے، لیکن یہ کافر حمد و عبادت کے موجب کے خلاف عمل کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ اُس کے غیر کو عبادت کے استحقاق میں برابر مانتے ہیں۔ **فائدہ** : عبادت غایات شکر کے انتہائی مقام کا نام ہے اور شکر کا تاج حمد ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ اُس کا ماسوا تمام اُسی کا پیدا کردہ ہے۔ بنابریں حمد اپنی جمیع انواع کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہو سکتی ہے۔ اُس کے غیر کو اس سے معمولی طور بھی بالذات کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کے آسمان اور نفوس کی زمین پیدا فرمائی اور نفوس میں ظلمات پیدا فرمائے۔ نفوس کے ظلمات سے نفس کے صفات بہیمیہ و حیوانیہ اور اس کے اخلاق سبعیہ و شیطانیہ مُراد ہیں اور نور کو قلوب میں پیدا فرمایا۔ قلب کے صفاتِ ملکیہ اور اس کے اخلاق رُوحانیہ باقیہ قلب کے نور ہیں۔ جس پر نور یعنی صفتہ ملکیہ کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ عبودیت حق میں لگ جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو بدل و جان قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاتا ہے اور شریعت کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے اگر جس پر ظلمات بشریہ حیوانیہ غلبہ پا جاتی ہے اور طاغوتی ہویٰ کی اتباع کرتا ہے اور شہوات دُنیا سے لذت پاتا ہے تو شیطان طاغوت اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے نور صفات رُوحانیہ سے نکال کر صفاتِ حیوانیہ کی ظلمات کی طرف لے جاتا ہے کَمَا قَالَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ" ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ٥ کا یہی معنے کہ سمٰوٰتِ قلوب اور ارض قلوب و نفوس کے پیدا کرنے کے بعد اُن میں ظلمات نفسانیہ اور نور رُوحانیہ رکھا۔ کفار نفس کے صفات سے مغلوب ہو کر اُس کی عبادت کو لگ گئے بلکہ اسے معبود حقیقی کے برابر بنا دیا (التاویلات النجمیہ)

حکایت : یمنی فقہاء کی ایک جماعت شیخ عارف باللہ ابُو الغیث قدس سرہ کے ہاں آزمائش کے لئے حاضر ہُوئی۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے انہیں فرمایا جی آئے میرے بندے کے بندو۔ اُنھوں

نے اس کلمہ کو کفر پر محمول کیا کہ شیخ نے (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ کہہ دیا۔ شیخ موصوف نے ناراض ہوکر شیخ الطریقین امام الفریقین سیدنا ابوالذبیح اسماعیل بن الحضرمی قدس سرہ کو تمام ماجرا سُنایا اور جو کلمہ شیخ موصوف نے کہا وہ بھی بتایا تو امام موصوف ہنس پڑے اور فرمایا کہ شیخ موصوف نے صحیح فرمایا ہے اس لئے کہ تم خواہش نفسانی کے بندے ہو اور خواہش نفسانی شیخ موصوف کی لونڈی ہے ؎

(۱) غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ز ہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

ترجمہ : میں اپنی ہمت کا خادم ہوں، کیونکہ جو بھی اس رنگ سے تعلق رکھتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے

تفسیرِ عالمانہ ۛ هُوَ ،، وہ اللہ تعالیٰ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ،، جس نے اے لوگو تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا مِّنْ طِيْنٍ ،، وہ مٹی جو پانی سے ملائی جائے اُسے طین کہتے ہیں۔ یہی انسان کا ابتدائی مادہ ہے۔ اس لئے کہ اسی سے حضرتِ آدم علیہ السّلام کی پیدائش ہوئی اور وہ تمام بشروں میں اصل ہیں۔

آدم علیہ السّلام کے لئے زمین سے مٹی اُٹھانے کی داستان

سُدی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السّلام کو زمین سے تھوڑی سی مٹی لانے کا حکم فرمایا۔ جب جبریل علیہ السلام نے مٹی اُٹھائی تو مٹی نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں پناہ چاہتی ہوں کہ مجھ سے کچھ لے کر مجھے گھٹایا جائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ سُن کر خالی ہاتھ واپس لوٹے ؎

معدنِ شرم و حیا بد جبرائیل بست آں سوگندھا بروئے سبیل

ترجمہ : جبرائیل علیہ السلام معدن شرم و حیا تھے اس کی قسموں سے اپنے ارادہ سے باز آئے

جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جاکر عرض کی کہ یا اللہ مٹی نے پناہ مانگی ہے اس لئے میں واپس آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا اُن سے بھی زمین نے وہی بات کی جو جبرائیل علیہ السلام سے کی وہ بھی خالی واپس لوٹ آئے ؎

(۱) خاک لرزید و درآمد در گریز گشت اولا بہ کناں واشک ریز
(۲) رفت میکائیل سوئے ربّ دیں خالی از مقصود دست و آستیں
(۳) گفت اسرافیل را یزدانِ ما کہ بروزاں خاک پر کُن کف بیا
(۴) آمد اسرافیل ہم سوئے زمین باز آغا زید خاکستان حنین
(۵) رُود اسرافیل باز آمد بشاہ گفت عذر ماجرا نزد اللہ

ترجمہ : (۱) خاک کانپی اور گریہ کیا فریاد کناں ہوئی اور آنسو بہانے والی تھی۔

(۲) میکائیل علیہ السلام خالی مقصود اور خالی ہاتھ و خالی آستین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے۔
(۳) اسرافیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ مٹی سے مٹھی بھر کر لاؤ
(۴) اسرافیل علیہ السلام زمین کے ہاں آئے تو خاک رونے لگی
(۵) اسرافیل علیہ السلام بھی اللہ کے ہاں خالی واپس لوٹ آئے اپنے کام سے خالی واپس لوٹنے کا عذر پیش کیا۔

میکائیل علیہ السلام کے بعد اسرافیل علیہ السلام بھی مٹی نہ لا سکے تو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جائیں اور زمین سے مٹی لائیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی اُٹھانے لگے تو ان سے بھی زمین نے وہی عرض گزاشت کی جو دوسرے فرشتوں سے کی لیکن عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر زمین سے مٹی اُٹھائی اور آپ کے ہاتھ سفید و سرخ سیاہ مٹی آئی۔ اس وجہ سے آدمی مختلف رنگوں میں ہیں۔ پھر اس مٹی کو میٹھے اور نمکین اور کڑوے پانی میں بھگو کر ملایا گیا۔ اس وجہ سے آدمیوں کے اخلاق مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ زمین کی فریاد سن کر جبرائیل و میکائیل و اسرافیل نے رحم فرمایا آپ کو اُس پر رحم نہ آیا۔ اس بنا پر ہم اُن کی ارواح قبض کرنے پر بھی آپ کو مقرر کرتے ہیں ؎

گفت یزداں بعلم روشنم ÷ کہ تُرا جلاد ایں خلقاں کنم

آدم علیہ السلام کے جسم کی تیاری کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا کہ پہلے ان کی مٹی میں پانی ملا کر گارہ بنایا اسے چند روز تک چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ (حماء مسنون) یعنی سیاہ رنگ اور بدبو والی ہوگئی۔ اس کے بعد اُس کا ایک ڈھانچہ تیار فرما کر اس کے نقش و نگار بنائے پھر اسے چند روز چھوڑے رکھا یہاں تک کہ صَلْصَال کالفخار (بجنے والی مٹی، جیسے مٹی گارے والی کو آگ میں ڈالی جائے یہاں تک کہ وہ پک جائے تو پھر بجنے لگتی ہے) پھر اس میں اپنی رُوح پھونکی۔

نکتہ در تخلیق آدم: آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے میں راز یہ ہے کہ مٹی میں تواضع و انکسار ہے اور تواضع سے رفع و ثبات نصیب ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَہُ اللہُ، جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ بلند قدر بنا دیتا ہے" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں کہا کرتے اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین کر کے موت دے)

نکتہ: اسے آگ سے سزا دینے میں بھی یہی راز ہے ورنہ اُسے پانی سے سزا دی جاتی اس لئے کہ وہ برتن جو

مٹی سے تیار کیا جائے۔ اُس پر پیشاب پاخانہ یا اس طرح کی اور نجاست لگ جائے تو اُسے پانی سے پاک نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے دھوپ سے خشک کر کے پاک کیا جاتا ہے ایسی طرح جو انسان بھی گناہوں کی نجاست سے پلید ہو جائے تو اُسے بھی جہنم کی آگ سے پاک کیا جائے گا۔

نکتہ : تیمم کے لئے مٹی کے استعمال میں بھی یہی حکمت ہے۔

لطیفہ : جس جگہ کی مٹی ہوتی ہے اسی جگہ پر انسان دفنایا جاتا ہے۔

حضرات صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی دلیل

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضرت صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اُن کے اجساد مبارکہ کی مٹی اس جگہ سے تیار ہوئی جہاں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تیار ہوا اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے مزارات اُسی روضہ مقدسہ مطہرہ میں ہیں جو ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ **ثُمَّ قَضٰی** ،، پھر پورا کیا ہر ایک کی موت کے لئے **اَجَلًا** ،، میعاد جو ہر ایک کے لئے خصوصیت رکھتا ہے یعنی اُس کی وہ حد معین (جو دُنیا میں اس کے لئے مقرر ہے) جب وہ ختم ہوگی تو اُس کے لئے موت آجائے گی۔

نکتہ : لفظ ثم میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کی تخلیق و موت میں تفاوت ہے۔

وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی ،، اور میعاد مقرر یعنی وہ حد مُعیّن جو قیامت میں اُٹھنے سے پہلے ہر ایک کو دی گئی ہے یہ مبتدا ہے اور اُس کی خبر عندہٗ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں معین و مُثبت ہے نہ اس میں تغیر ہے اور نہ اس کے تعین سے کوئی واقف ہے نہ اجمالاً نہ تفصیلاً۔ اس اجل سے قیام قیامت مُراد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا (یا بعض اللہ والے اللہ تعالیٰ کے جتلانے پر جانتے ہیں)

فائدہ : موت کا اجل قرائن سے تھوڑا سا پہلے اجمالاً معلوم ہو جاتا ہے۔ موت کے علامات سے یا بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جانے سے۔

فائدہ : اجل انسان کے قبر میں طویل مدت تک ٹھہرنے کی انتہا کا نام ہے۔ قیام قیامت کی ابتداء کا نام اجل نہیں۔ آیت میں لفظ اجل انسان کی زندگی کے آخری لحہ کو کہا گیا نہ کہ موت کی ابتدائی گھڑی۔ اس لئے کہ اجل لُغت میں شئے کی آخری مُدّت کا نام ہے۔ اہلِ لُغت اوّل مُدّت کو اجل سے تعبیر نہیں کرتے۔

فائدہ : حکمائے اسلام فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے دو[۲] اجل ہوتے ہیں (۱) آجال طبعیہ (۲) آجال اخترامیہ آجال طبعیہ وہ ہیں کہ اگر انسان اپنے مزاج و طبیعت کے موافق زندہ رہے اور اسے عوارض خارجیہ اور آفات

مہلکہ لاحق ہوں اس کی بقاء کی مُدت اس وقت پہنچے کہ رطوبت عزیزیہ متحمل اور حرارت عزیزیہ ختم ہوجائے اور اجال اختزامیہ یہی ہیں کہ کسی خارجی سبب سے اس کا اجل اختتام پذیر ہو۔ مثلاً جل جائے غرق ہوجائے اسی طرح اسے حشرات الارض کاٹ لیں اور دیگر وہ اسباب کہ جن سے انسان کی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اجل ہر وہ گھڑی ہے جو ہر ذی رُوح کے لئے مقرر ہے کہ جب وہ گھڑی آجاتی ہے تو ذی روح کی زندگی ختم ہوجاتی ہے اور وہ اس وقت طاری ہوتی ہے جب کسی ذی رُوح کی زندگی کا آخری لمحہ ہوتا ہے اور کسی کی موت نہ اس گھڑی سے پہلے آسکتی ہے اور نہ اُس سے مؤخر ہوسکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ اور فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى،، اِن آیات میں تصریح کی گئی ہے کہ اجل مقرر سے کوئی سبقت نہیں کرسکتا۔ (**ازالۂ وہم**) کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اجل کی مختلف تعبیروں سے معلوم ہُوا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے علم میں نقص ہے بلکہ یہ مختلف تعبیر ہمارے لئے ہیں؛ ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی تبدیلی نہیں اس کے ہاں اجل ایک مُدت مقررہ کا نام ہے جو ہر تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں تمام موجودات کو جانتا ہے اور ہر شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کا علم ہے۔ مثلاً ازل میں کہا کہ فلاں نے اگر تقویٰ و طہارت سے کام لیا تو اُس کی عمر میں اضافہ ہوگا یا فلاں مُدت سے پہلے اسے موت نہیں آئے گی۔ اگر اُس نے تقویٰ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رُوگردانی کی تو اُسے وہ وقت نصیب نہ ہوگا۔ اس معنے پر یہاں الاجل سے اجل ذاتی مُراد ہوگا۔ جو ان ہر دونوں سے طویل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ بندہ اِن دو فعلوں میں سے کون سے فعل کا ارتکاب کرے گا اور ہم چونکہ ہر طرح سے بے خبر ہوتے ہیں کہ نا معلوم وہ بندہ کونسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے ہمیں اُس کے اجل کا علم نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ اِن دونوں فعلوں میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر اجل معیّن وارد ہوجاتا ہے تب ہم سمجھتے ہیں کہ اُس کی موت کا میعاد ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے ثابت ہُوا کہ یہ تردّد ہمارے علم کی بنا پر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں۔ مذکورہ بالا تقریر نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ وقوع فعل سے پہلے کچھ نہیں جانتا ایسے ہی کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ وَلَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ ،، مسلمان ہوجا بہشت کا داخلہ نصیب ہوگا اور کفر مت کر ورنہ جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے منافی نہیں اس لئے کہ ازل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ یہ کافر ہی رہے گا، لیکن امر و نہی کا اظہار طاعت و مخالفت سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو جانتا ہے کہ وہ اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو وہ مجمع عام میں اسے فرماتا ہے کہ یہ کام کر۔ اس امر سے اس کا مطلب امر کرنا نہیں بلکہ حاضرین کو ظاہر کرنا مطلب ہوتا ہے کہ میرا یہ غلام بے فرمان ہے۔ یہ تقریر اللہ تعالیٰ کے جمیع مقدرات کے متعلق ہوگی کہ بندوں کے اختیاری امور میں اسی طرح متردّدانہ طور حکم فرماتا

ہے اور یہ تردد بہ نسبت ہمارے ہے نہ کہ بہ نسبت علم الٰہی کے۔

علم غیب نبوی کا ثبوت : اگر اس سے کسی اپنے بندے کو مطلع کرے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں ایمان لائے گا یا نہ وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کفار کے ایمان نہ لانے کے متعلق بعض اوقات مطلع فرما دیتا تھا۔ کَمَا قَالَ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ، اور فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور فرمایا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاعات دی گئیں کہ وہ اپنے اختیارات سے ایمان قبول نہیں کریں گے۔

(ف) تقدیر کے مسئلہ پر یہ تقریر نہایت ہی مفید ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ یہ ثُمَّ استبعاد کے لئے ہے۔ تم وقوع قیامت کے لئے شک کرتے ہو حالانکہ تمہیں دلائل سے سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے آباد اجداد کا خالق ہے اور تمہیں اپنے آجال تک زندگی بخشنے والا ہے پھر وہ ذات جو تمہارے مواد کے پیدا کرنے اور انہیں جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے اور جتنا قدر چاہتا ہے انہیں باقی رہتا ہے تو اسے یہ قدرت بھی ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مواد کو جمع کرکے دوبارہ زندہ کرے۔ المریۃ بمعنی وہ شک جو شبہ کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ مَرَیْتُ النَّاقَۃَ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ اونٹنی کے پستانوں کو مسلا جائے تاکہ دودھ دوہنے کے وقت وہ دودھ دے اور المری بمعنے پستانوں سے دودھ نکالنا۔

سوال : انہیں قیامت کا شک نہ تھا بلکہ وہ یقین سے کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ان کا عقیدہ یوں منقول ہے أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اس طرح کی اور آیات بھی ہیں (**جواب**) اُس کے اس جزم اور یقین کو اس طریقہ سے بیان کرنے میں اُن کے استبعاد و استنکار کی مزید تقویت اور تاکید کی گئی ہے۔

لطیفہ : انسان جب نطفہ تھا تو اسے کہا گیا کہ تجھے بشر بنایا جائے گا تو وہ اُسے بعید از امکان سمجھ کر انکار کرتا رہا لیکن جب اُسے بشر بنا کر اسے یقین کرایا گیا تب اس پر حجت قائم ہوئی۔ اسی طرح اسے جب کہا جاتا ہے تو نے مرنا اور مر کر پھر اُٹھنا ہے تو بھی بدستور سابق انکار کرتا ہے ؎

(۱) پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست — کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

(۲) حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست — پس زحلقہ بر ندارد ہیچ دست

(۳) پس ہم انکارت مبین مے کند — کز جماد او حشر صدفن مے کند

ترجمہ : (۱) تیری مثال اس حلقہ جیسی ہے کہ وہ خود کو خواجہ کہلوائے لیکن اس کی ضمیر اسے قبول نہ کرے

(۲) انسان کو جب نیست سے ہست کیا اب اس سے ماخذ نہیں اُٹھا سکتا ۔
(۳) تیرے انکار کو خوب ظاہر کرے گا۔ ڈھیلے سے کئی قسم کے فن تیار کرتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کے لئے ایک میعاد مقرر فرمائی کہ وہ بارگاہ سے جُدا اور اپنے حقیقی اور اصلی وطن سے دُور رہے گی اور اجل مسمّٰی سے وصال کی گھڑی مُراد ہے کہ انسان کو بہت بڑی دُوری کے بعد اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ، اس سے ثابت ہُوا کہ مفارقت اور جُدائی کی گھڑی چند روزہ ہے ایک دِن اس کی انتہا ہے اور وصال کی گھڑیاں لامتناہی ہیں اور مسمّٰی میں اشارہ ہے کہ وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے اور وہ وُہی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے ارجعی الیٰ ربک فرما کر اسے اپنی طرف بلائے گا ۔ یاد رہے کہ ایام وصال کی بھی ابتداء ہے ۔ وہ وہی ہے جب مشرق قلوب سے شمس توحید طلوع کر کے حد استوائے وحدت پر پہنچتا ہے ۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ تک رہے گا ۔ پھر اس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی وہ سُورج غروب ہوگا ۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ یہ خطاب اہل وصال کو ہے کہ اے وصال والو فرقت والوں کی طرح شک کرتے ہو اور یہ محال ہے ۔ (**سبق**) عاقل پر لازم ہے کہ موت کے آنے سے پہلے جد و جہد کر کے حُسن توجہ اور نیک عمل سے وصل کی تیاری میں لگا رہے ۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے جو اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے وہ جاہل ہے اور جو اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ غافل ہے ۔

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ کے چند ایسے مخصوص بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہشت کے بہت بڑے بلند مقام میں جگہ دے گا ۔ وُہی سب سے زیادہ عقلمند سمجھے جائیں گے ۔ دُنیا میں اُن کا یہی کام تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرنے اور اُس کی رضاجوئی میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ترکِ دُنیا اپنا معمول کئے ہُوئے اور اُس کی فضول سے اجتناب رکھتے تھے ۔ نہ ہی ریاست و حکومت کے طالب تھے اور نہ دُنیا کی نعمتوں کے خواہشمند دُنیا میں تھوڑی مُدت رہ کر صبر کر کے آخرت کی بہت بڑی مُدت کی نعمتوں سے مالامال ہُوئے ۔

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ کے ہاں حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ تشریف لائے تو دیکھا کہ سرّی سقطی رو رہے ہیں جُنید نے سبب پُوچھا تو فرمایا کہ گذشتہ شب میری لڑکی نے عرض کی کہ آج سخت گرمی ہے اسی لئے یہ ٹھنڈا پانی ہے میں اُسے ایک کوزہ میں رکھ کر جا رہی ہوں حسب ضرورت استعمال فرمائیں ۔ اُسی شب میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی آسمان سے اُتری ہے (جو نہایت ہی حسین و جمیل ہے) میں نے پُوچھا کہ تُو کس کی ہے ۔ جواب دیا میں اُس کی ہوں جو ٹھنڈے پانی کے کوزے کے انتظار میں نہیں رہتے ۔ میں نے اُٹھتے ہی

اُس ٹھنڈے کُوزے کو توڑ دیا (حضرت جُنید فرماتے ہیں کہ صبح کو میں نے کُوزے کی ٹھیکریاں دیکھیں) سری سقطی نے اُنہیں پھر ہاتھ تک نہ لگایا۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیکریاں مٹی میں مٹی ہوگئیں۔

سبق: وہ حضرات کیسے تارک الدُّنیا تھے اور اپنے نفس کو ٹھنڈا پانی پلانے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور نہ ہی اسے لذیذ کھانا کھلاتے۔ دراصل وہ موت کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا (ایسی بے نظیر نعمتیں کہ جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے)

تفسیر عالمانہ ۳ وَهُوَ ،، مُبتدا اور آنے والی عبارت اُس کی خبر ہے اَللّٰهُ ،، اس میں وصفی معنی ہے بمعنی معبود۔ اس وجہ سے آنے والا جار مجرور اس کے متعلق ہے۔

فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ،، پچھلی عبارت کو ملا کر اب معنی ہوگا اور وہ عبادت کا مستحق ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ زمین و آسمان میں معبود ہے۔ فی کی قید سے ثابت ہُوا کہ وہ متحیز ہے۔ اس میں تحیز کیسا جبکہ وہ مکان و زمان سے پاک اور منزہ ہے۔

حکایت: حضرت امام الحرمین استاذ الامام غزالی قدس سرہ کہیں مہمان ہُوئے تو بڑے بڑے عُلماء ملنے کے لئے حاضر ہُوئے۔ جب مجلس گرم ہُوئی تو اُن میں سے ایک نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے مکان سے مُنزہ ہونے کی دلیل کیا ہے جبکہ قرآن میں صراحۃً موجود ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کے استاذ نے فرمایا اس کے مکان سے منزہ ہونے کی دلیل۔ یونس علیہ السلام کا قول لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ،، جبکہ اُنھوں نے بطن حُوت میں یہی کلمہ کہا۔ تمام عُلمائے کرام متعجب ہُوئے یہ کیسا جواب ہے۔ اسے سوال سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ صاحبِ خانہ نے عرض کی کہ حضرت اس کی وضاحت فرمائیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہاں ایک فقیر محتاج قرضدار بیٹھا ہے اُس نے کسی کا ایک ہزار درہم قرضہ ادا کرنا ہے۔ اُسے تم ادا کردو سوال کا جواب میں بیان کر دوں گا۔ صاحبِ خانہ نے عرض کی میرا وعدہ ہوگیا انشاء اللہ تعالیٰ میں اُس کا قرضہ ادا کر دوں گا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج تشریف لے گئے اور آپ کا لامکان تک تشریف لے جانے کے متعلق سب کا عقیدہ ہے لیکن وہاں بھی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کی لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً كَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ اور یُونس علیہ السلام جب امتحان میں مُبتلا ہوکر مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو عرض کی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ہر دونوں حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ کو اَنْتَ کے خطاب سے اپنی گذارش پیش کی اور یہ خطاب اس وقت کیا جاتا ہے جو سامنے حاضر و موجود ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہوتا تو اسے اس خطاب سے مخاطب نہ کیا جاتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک و مُنزہ ہے۔

یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَجَهۡرَکُمۡ "، یہ ھُوَ کی دوسری خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اقوال اور وہ جو کھلم کھلا باتیں کرتے ہو انہیں بھی جانتا ہے۔ وَیَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ ○ اور وہ جو تم نفع حاصل یا نقصان دفع کرنے کے لئے عمل کرتے ہو (قلوب یا جوارح سے) سب کو جانتا ہے (یعنی پوشیدہ یا کھلم کھلا) اُن سب کی تمہیں جزا اور سزا دے گا۔ اگر نیک کام کرتے ہو تو جزا ملے گی۔ اگر بُرائی کرتے ہو تو سزا پاؤ گے۔

تفسیر صُوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وہ معبود ہے سمٰوٰتِ وجود میں "وفی الارض" اور ارضِ نفوس میں یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ جو کچھ تمہارے اندر اسرار پوشیدہ رکھے ہیں۔ اس سے وہ خلافت مراد ہے جو حضرت انسان سے مخصوص ہے کہ وہ فیضِ الٰہی کو قبول کرے۔ وَجَهۡرَکُمۡ "، اور وہ تمہارے ظاہری صفات حیوانیہ اور احوال نفسانیہ کو جانتا ہے۔ وَیَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ اور تمہارے مامورات و منہیات یعنی خیر و شر میں تمہاری استعداد (سرًا وجھرًا) کے استعمال کو جانتا ہے اور اس استعداد (سرّی وجہری) کا استعمال بھی صرف انسان سے مخصوص ہے۔ ملائکہ اور حیوانات کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس لئے کہ فرشتے کو یہ قدرت نہیں کہ وہ حیوان کے صفات میں سے کوئی صفت حاصل کرے اور نہ ہی حیوان کو یہ طاقت ہے کہ وہ فرشتے کی کسی صفت سے مشرف ہو اور یہ حضرت انسان کو شرف ملا ہے کہ وہ نہ صرف ملائکہ اور حیوانات کے صفات پر تصرف کرے بلکہ اسے اخلاق الٰہی سے متخلق ہو کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بھی اجازت ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر التزام اور نواہی سے اجتناب کرے۔ یہاں تک کہ وہ خیر البریہ کہلائے اور اگر بُرائیوں کا ارتکاب کرے گا تو وہ شر البریہ ہو گا۔

نکتہ صُوفیانہ

: حُسین واعظ کاشفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نقد النصوص میں ہے کہ حضرتِ انسان دوطرفہ آئینہ ہے اس کی ایک طرف سے خصائص ربُوبیت نظر آتے ہیں دوسری طرف سے نقائص عبودیت اگر خصائص ربُوبیت سے متصف ہو تمام موجودات سے بزرگ و برتر ہے۔ اگر نقائص عبودیت کی طرف مائل ہو تو تمام مخلوق سے ذلیل و خوار تر ہے ؎

(۱) چوں در خود از اوصاف تو یابم اثرے ⁂ حاشا کہ بود نکو تر از من دِگرے

(۲) واں دم کہ فتد بحال خویشتم نظرے ⁂ در ہر دو جہاں نباشد از مَن بترے

ترجمہ (۱) جب تیرے اوصاف سے کوئی نشان پاتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ اچھا کوئی نہ ہو گا۔

(۲) لیکن جب مجھے اپنے حال پر نظر پڑتی ہے تو مجھ جیسا بدتر دنیا میں اور کوئی نہیں نظر آتا۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا کہ میں تمہارے اسرار خصائص کو بادیۂ غیب کو جانتا ہوں اور تمہارے آثار نقائص عالم شہادت میں بھی مجھ سے مخفی نہیں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم کس عمل سے ترقی کے منازل طے کر کے درجات انسا۔

حاصل کر سکو گے اور یہ بھی میرے علم سے پوشیدہ نہیں کہ کس وجہ سے تم تنزل کی طرف گرتے پھسلتے حیوانات کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہو۔

سبق : سالک سمجھدار کو یہ باتیں جاننا ضروری ہیں کہ کن وجوہ سے وہ اصلاح اور تزکیۂ اعمال کر سکتا ہے تاکہ حیوانی خطوط سے بچ کر نعیم رُوحانی کے منازل طے کرنی کی صلاحیت حاصل کر سکے ؎

(۱) حیف باشد کہ عمرے انسانی چو بہائم بخواب و خور گذرد
(۲) آدمی میتواند از کوشش کہ مقام فرشتہ در گذرد

ترجمہ : (۱) افسوس ہے کہ عمر انسانی جانوروں کی طرح خواب و خور میں بسر ہوتی ہے۔
(۲) انسان کوشش سے فرشتے کے مرتبہ سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

حدیث قدسی : سِرّ الانسان سری و سری سرہ ،، انسان کا راز میرا راز ہے اور میرا راز اُس کا راز ہے۔

فائدہ : اس کی شرح میں میرے شیخ ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ) نے فرمایا کہ سر الانسان سری کا مطلب یہ ہے کہ اس کا راز میرے راز کا ظاہری حصّہ ہے اور میرے راز کی صُورت اس کا باطنی حصّہ ہے اور وہی اس راز کی حقیقت ہے۔

تقریر دیگر : شیخ مذکور نے فرمایا کہ "سر الانسان" سے مُراد یہ ہے کہ حقیقتِ انسانیہ ظاہرہ حقیقۃ الٰہیہ کی صورت کا عکس ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلق اللہ آدم علٰی صُورتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صُورت پہ پیدا کیا۔ یعنی جب حقیقۃ انسانیہ نے مرتبہ غیب سے منزل شہادت میں قدم رکھا تو اس پر ذاتِ حق جمال و جلال سے متجلی ہُوئی اور اس میں شرقی جانب سے نُورِ جمال اور غربی جانب سے ظلمت جلال امانت رکھی۔ پہلی جانب میں ایک فرشتہ مقرر فرمایا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور دُوسری جانب میں شیطان بٹھایا جو اُسے باطل کی طرف لے جائے۔ فرشتہ قبضۂ جمال کا خادم اور لطفِ الٰہی کا ہاتھ اور شیطان قبضۂ جلال کا خادم اور قہر و غضب کا ہاتھ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس حقیقۃ انسانیہ کے لئے حق کی طرف پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ حقیقۃ انسانیہ میں حق کا القاء کرے۔ جس سے وہ حق کو اس نُورِ الٰہی جمالی سے دیکھتا ہے کہ جس کے ذریعے تجلی جمال سے فائز ہُوا اور وہ نہ صرف اس حق کو دیکھتا ہے بلکہ اس کی اتباع اور اسے بدل و جان قبول کرتا ہے بلکہ وہ حقیقۃ انسانیہ تادمِ زیست عین رُوح ہو جاتی ہے اور تادمِ زندگی حق پر ثابت قدم رہتی ہے۔ اس قالب میں کہ جس میں وہ مقیم ہے یعنی انسان کے جسم پر بھی حق کی مہر ثابت کر دی جاتی ہے اور اُس کے جسم کو قلب کے باغ میں چرنے کی عام اجازت دی جاتی ہے اور اس کی حقیقتِ انسانیہ پر ہر وقت تجلیات جمالیہ اور الطاف خاصہ کی بارش برستی رہتی ہے جو اُس کے اطمینان و سکون کا موجب بنتی ہے۔ اسی لئے ایسا انسان ہر وقت سرِ تسلیم خم رکھتا ہے اور

طاعت وصبر اور طلب رضا و دیگر اخلاق حمیدہ سے موصوف رہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس حقیقت انسانیہ کو باطل کی طرف پھیرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس پر شیطان کو حملہ کرنے کی اجازت عام ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان ہر وقت اسے بُرائی کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ جس سے وہ نہ حق کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اُسے سمجھ سکتا ہے یعنی اسے محسوس نہیں ہوتا کہ وہ باطل میں پھنسا ہُوا ہے اور یہی باطل حق سے حائل ہے۔ اس لئے کہ اس بندے کو جو ظلمت جلال سے حصہ ملا ہے وہ اسے حق سے مانع ہے۔ اس بنا پر وہ باطل سے اجتناب کے بجائے اسے حاصل کرتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے تو اُس کے نفس پر تاریکی چھا جاتی ہے، حالانکہ وہ اس کے قبل نورانی رُوح تھا۔ ایسے شخص کا جسم اس باطل کا مرکز بن جاتا ہے جس سے وہ جسم طبعی ظلمانی ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ نورانی تھا۔ ان پر اللہ تعالیٰ تجلیاً جلالیاً واحوالِ قہریہ سے متجلی ہوتا ہے وہ اس کے اندر اضطرابیہ میں نہ ماننے کا مرض مُسلّط کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مخالفت و رُوگردانی پر کمر بستہ اور اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اوصافِ محمودہ سے موصوف تھا اسی طرح ہر معاملہ میں اُس کے متعلق یہی تقریر ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم اور ازل سے عادت ہے کہ جس بندے کے متعلق اُس کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ اسے دین کی سمجھ دے اور اسے ماسوا سے فارغ کر کے اپنے وصل وصال سے نوازے تو اس پر شیطان کو مُسلّط نہیں ہونے دیتا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ بلکہ اُس کے لئے قبضۂ جمال کے لئے خدام ملائکہ کو اُس پر مُسلّط کیا جاتا ہے جو اُسے راہ حق کی طرف لاتے ہیں اور دونوں قبضوں یعنی جمال و جلال کے احکام عوالم وانفس و آفاق میں تاقیامت جاری و ساری رہیں گے۔ ان دونوں کے خُدام فرشتوں کے ذریعے جب انسان کا قلب جمالی ہے تو جمال کے فرشتے ورنہ جلال کے فرشتے جہاں حکم الٰہی ہوگا اسے وہی پھیریں گے۔ حضرت الشیخ کا کلام یہاں ختم ہُوا اور حق یہ ہے کہ شیخ صدرالدین قنوی کے بعد شیخ موصوف جیسا اور کوئی نہیں۔ واللہ اعلم!

تفسیر عالمانہ ۞ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ ،، آیت ہٰذا میں مانافیہ ہے اور پہلا مِنْ زائدہ اور استغراق کے لئے ہے دوسرا تبعیضیہ ہے۔ یہ اپنے مجرور سے مل کر آیۃ کی صفت ہے آیات سے آیات تنزیل اور اُن کے آنے سے اُن کا نزول مُراد ہے۔ یعنی اہلِ مکہ کے ہاں آیاتِ قرآنیہ میں کوئی آیت نہیں اُترتی۔ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ،، مگر ہیں اُس سے رُوگردانی کرنے والے۔ یعنی آیات قرآنیہ کی وہ لوگ تکذیب و استہزاء کرتے ہیں یا آیات سے آیات تکوینیہ مُراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات سے ہیں (ان میں معجزات بھی شامل ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور اُن کے آنے سے ان کا ظہور مُراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے آیاتِ الٰہیہ اور معجزات نبویہ میں سے کوئی معجزہ سامنے آتا ہے تو اہلِ مکہ نظر صحیح سے نہیں دیکھتے بلکہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ نظر صحیح سے دیکھیں تو وہ آیات و معجزات ایمان کی دولت سے نوازے جائیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ ان مصنوعات کا صانع و خالق کوئی ہے اور لفظ عَنْ مُعْرِضِیْنَ کے متعلق ہے اور سالم جملہ مَحلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ تاتی کے مفعول ثانی سے حال ہے۔

فائدہ : آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آیات کو دیکھ کر انکار میں کفار بڑے جلد باز تھے کہ جونہی اُن پر آیات اُترتے تو فوراً انکار کر دیتے؛ چنانچہ آنے والی آیت کے اندر لفظ لمّا سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

۵ فَقَدْ كَذَّبُوا لَمَّا جَآءَهُمْ ،، جب اُن کے ہاں حق آیا تو اُنھوں نے اس کی تکذیب کی۔ (یہاں حق سے مُراد قرآن ہے) یعنی اُنھوں نے قرآن کی ہر آیت کا انکار کیا۔ قرآن کو حق سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اتنے بدبخت تھے کہ ایسے کلام کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہُوا۔ یہ اُن کے کمال قبح کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ حق کی تکذیب تو کسی فردِ بشر سے متصور ہی نہیں لیکن اِن بدبختوں نے اُس کی تکذیب کر ہی دی۔

فائدہ : فاء ما بعد کو ماقبل کی ترتیب دینے کے لئے ہے۔ اس معنی پر نہیں کہ وہ درحقیقت اس کا مغایر ہے جو اُس کے بعد واقع یا اس کے سبب سے حاصل ہُوا۔ بلکہ اس معنی پر کہ درحقیقت پہلا دُوسرے کا عین ہے۔ البتہ ترتیب بوجہ تغائر اعتباری کے ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشادِ گرامی میں فَقَدْ جَاؤُ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا اس سے قبل فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ،، فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا الخ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کا عین ہے لیکن وہ چونکہ اس سے مفہوماً مغایر اور بہت سخت قبیح ہے اس لئے اسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے جیسے لازم کو ملزوم پر مرتب کیا جاتا ہے تاکہ اس کے امر کی ہولناکی محسوس ہو۔ اسی طرح چونکہ تکذیب بالحق اعراضِ مذکور سے زیادہ ہولناک تھی اس لئے اسے لازم البُطلان کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ پھر اُسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کا بطلان زیادہ واضح ہو۔ اس کے بعد اسے تکذیب سے مقیّد کیا تاکہ بلا تامل اُس کی شناعت و قباحت پر دلالت ہو سکے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آیات کے نزول کے وقت اُنھوں نے اعراض کر کے ایسے امر کی تکذیب کی کہ جس کی تکذیب ممکن ہی نہ تھی۔ اگرچہ اس میں تدبّر تفکر بھی نہ کرتے لیکن اِن بدبختوں نے تکذیب کر دی۔

فَسَوْفَ يَأْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ سَوْفَ مضمونِ جُملہ کی تاکید ہے۔ اَنْبَاء نبأ کی جمع ہے۔ ہر اُس خبر کو کہا جاتا ہے جو ذیشان اور صاحبِ عظمت ہو اور لفظ ما سے حق مذکور مُراد ہے۔ انباء سے مراد یہ ہے کہ جن سزاؤں کے وہ مستحق ہیں وہ عنقریب انہیں لاحق ہوں گی یعنی وہ عنقریب اپنی ان سزاؤں کو جان لیں گے جو انہیں آیات کے استہزاء اور تکذیب سے ملیں گی؛ چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں تلوار سے مزا چکھایا گیا۔

۶ اَلَمْ يَرَوْا (ربط) جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے قبائح مثلاً اعراض از آیات اور اُن کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کو بیان فرمایا تو اب اِن باتوں کا ذکر فرمایا جو وعظ و نصیحت کے طور ہوتی ہیں۔ اسی لئے اِن آیات میں گذشتہ قوموں کے حالات سُناتے ہُوئے فرمایا کہ کیا انہیں معلوم نہیں۔

فائدہ : یہ ہمزہ انکار کا ہے تاکہ رؤیت کی تقریر ہو اور یہ رؤیت عرفانی ہے۔ جو صرف ایک مفعول کی مقتضی ہے اور اُس کی ضمیر اہلِ مکہ کی طرف راجع ہے یعنی کیا انہیں آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر اور اُن کے حالات سُن کر معلوم نہیں۔

کَمْ اس لئے اشخاص مُراد ہیں۔ کَمْ استفہامیہ ہو یا خبریہ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ جنہیں ہم نے اِن سے پہلے تباہ و برباد کیا۔ یہ مِنْ اَهْلَكْنَا سے متعلق ہے اور مِنْ قَبْل سے وہ لوگ مُراد ہیں۔ جو اہلِ مکہ سے پہلے قومیں گذری ہیں یا یہاں پر مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے کہ دراصل "مِنْ قَبْلِ زَمَانِهِمْ"، یعنی اُن کے زمانہ سے پہلے لوگ "مِنْ قَرْنٍ"، یہ کم کی تمیز ہے۔ اس سے اِس زمانہ کے اہل مُراد ہیں۔ انہیں قرن سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ دہر کے کسی ایک حصہ سے مقترن ہوتے ہیں؛ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ "بہترین زمانوں سے میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر وہ جو اُن سے متصل ہیں پھر وہ جو اُن دُوسروں سے متصل ہیں۔ حدیث شریف میں قرن اوّل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُوسرے سے تابعین اور تیسرے سے تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ مُراد ہیں۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے کہ یہ مُدّت مخصوصہ یعنی اسّی یا ستّر یا ساٹھ یا چالیس[۴۰] یا تیس[۳۰] یا سَو[۱۰۰] سال کی مدّت کا نام ہے۔ یہاں بھی مضاف محذوف ہے۔ یعنی دراصل اہل قرن تھا۔ اس لئے کہ نفسِ قرن کو ہلاک و تباہ نہیں کیا گیا بلکہ اُس کے اہل تباہ و برباد ہوئے۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ "یہ جملہ مُستانفہ ہے ان کے ہلاک و تباہ کرنے کو بیان کیا گیا یا اہلاک کی مبادی کی تفصیل ہے یا اس سوال مقدر کا جواب ہے جو صدرِ کلام سے پیدا ہُوا۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ کس حال پر تھے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں زمین پر قدرت دے رکھی تھی۔ تمکین فِي الْاَرْضِ (زمین پر قرار پانا) چونکہ زمین قرارگاہ ہے اسی لئے اس کا استعمال ہر دونوں طرح ہوتا ہے۔ مثلاً یُوں کہنا جائز ہے "مَكَّنَهُ فِي الْاَرْضِ"، اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے "مَكَّنَ لَهُ فِي الْاَرْضِ" اسی لئے اِن کو ایک دُوسرے کے قائم مقام لانا جائز ہے۔ اسی استعمال سے مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ہے جبکہ اس سے قبل مَكَّنّٰهُمْ فِي الارض"، دُوسرے طور استعمال کیا گیا ہے۔ گویا پہلے کہا گیا۔ مَكَّنَّا لَهُمْ پھر کہا گیا مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ آیت مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ "میں مَا نکرہ اپنے مَابعد والے جُملہ منفیہ سے موصوف ہے۔ اس میں عائد محذوف ہے اور مفعول مُطلق کی حیثیت سے محلاً منصُوب ہے۔ اصل عبارت یُوں ہوگی مَكَّنَّاهُمْ تَمْكِيْنًا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ، یعنی ہم نے انہیں زمین پر ایسے تصرفات بخشے جو تمہیں نصیب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَالَمْ نُمَكِّن الخ مفعول لہٗ ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جو کچھ ہم نے انہیں عنایت فرمایا۔ وہ تمہیں عطا نہیں ہُوا۔ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ اور ہم نے آسمان سے بارشیں بھیجیں یا اسماء سے بارش مُراد ہے یا بادل عَلَيْهِمْ "، یہ اَرْسَلْنَا کے متعلق ہے مِّدْرَارًا بہت زیادہ برسنے والا یہ السّماء سے حال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ مدرار بر وزن مفعال ہے۔ یہ فاعل کے صیغہ کا مبالغہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ امرأۃ مذکار مدرار دراصل دَرَّ اللَّبَنُ دُرورًا سے مشتق ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب دُودھ دھونے والے کے لئے

بکثرت وار دہو۔ اسی طرح کہتے ہیں سحاب مدرار و مطر مدرار،، یعنی بادل ضرورت کے وقت بہت برسا۔ یاموسلا دھار بارش ہوئی وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ اور ہم نے اُن کے لئے نہریں بنائیں۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ ،، جو اُن کے درختوں اور مکانوں اور محلوں کے نیچے جاری رہتی تھیں۔

خلاصہ : یہ کہ ہم نے اُن کے اجسام میں تنومندی اور صحت اور عمروں میں برکت اور اموال میں وُسعت دی یعنی دنیوی اسباب میں انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وہ جس طرح کے منافع یا جس طرح سے نقصانات کو دفعیہ چاہتے۔ انہیں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں جو تمہیں اے مکّہ والو اُن کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہیں لیکن انھوں نے اتنی وُسعت کے باوجود کفران وعصیان کا کمال کر دیا۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ،، پھر ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ یعنی ہر زمانہ کے لوگ اپنے مخصوص گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ نہ اُنھیں اُن کی کثرت نے بچایا اور نہ ہی دُنیوی اسباب کی وفرت کی وجہ سے بچ سکے۔ کچھ تمہاری حالت بھی یہی ہے کہ ان کی طرح تم پر عذاب الٰہی کا نزول ہوگا۔

وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ،، اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تباہ و برباد ہونے کے بعد ہم نے پیدا کئے۔ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ،، دوسرے زمانہ کے لوگ یعنی ھلاک ہونے والوں کے بعد ہم نے اور لوگ پیدا کر دیئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا اظہار فرمایا کہ ان لوگوں کے بار بار تباہ و برباد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مُلک ملک میں کسی قسم کمی نہ ہوئی بلکہ ایک قوم کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے اور قوم پیدا فرما دی جو شہروں اور ملکوں کو آکر آباد کرتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلِ ظلم کو چند روز مہلت دے کر انہیں فناہ کر کے اہل عدل و انصاف پیدا فرماتا ہے۔ اسی طرح اہل ریاو سمعۃ کو مٹا کر اہلِ صدق و اخلاص پیدا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں اہلِ صدق و اخلاص بھی پیدا ہوتے رہے۔

حدیث ابدال : حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ وہ نماز روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھی صُورت بنانے کی کثرت سے اس مرتبہ کو نہیں پہنچے بلکہ انہیں سچے تقویٰ اور نیک نیتی اور سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پہ رحم و کرم کی وجہ سے یہ مرتبہ نصیب ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے علم سے اپنے لئے خصوصیت سے چُنا ہے وہ چالیس افراد ہوتے ہیں، اُن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قلب مبارک کے مطابق ہوتے ہیں۔ اُن میں سے جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض دُوسرا مقرر کر دیتا ہے۔

ابدال کی علامات : وہ حضرات نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور اپنے سے کمزوروں کو نہیں ستاتے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے سے اُونچے طبقہ کے لوگوں پر حسد بھی نہیں کرتے۔ نہایت پاکیزہ طبع

اور نہایت نرم خو اور بہت فراخ دِل (سخی) ہوتے ہیں۔ اُن کی پرواز کو تیز رفتار سواری نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی تیز آندھیاں وہ رب تعالیٰ کے مابین ایک خصوصی معاہدہ اور اس سے مخصوص راز و نیاز رکھتے ہیں۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے وصال کے لئے اُونچی پرواز رکھتے ہیں اور ہر نیکی میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے حقیقی گروہ ہیں اور کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے گروہ کو ہے (یہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ کے بیان کا بعض حصہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: فَاَهْلَكْنٰهُمْ ،، میں اشارہ ہے کہ اُنہیں ظاہرًا و باطنًا ہر طرح سے ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جیسے اُن کے ظاہری طور ابدان واموال تباہ و برباد ہوگئے اسی طرح معنوی طور بھی انسانیت کے مراتب سے بھی گر گئے۔ صرف گناہوں اور کفرانِ نعمت کی نحوست سے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎ شکر نعمت نعمتت افزوں کند ؛ کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: شکر نعمت تیرے لئے نعمت میں اضافہ کرے گا۔ کفرانِ نعمت تجھ سے نعمت چھین لے گا۔

جس نے معجزات و کرامات دیکھ کر حق سے اعراض کر کے دُنیا اور اُس کی زینت اور اُس کی شہوات کو اپنایا تو وہ گویا جانور ہے بلکہ اُس سے بھی بدتر اس لئے کہ جانور حق کی تکذیب نہیں کرتے لیکن اس بدبخت نے حق کی تکذیب کی ؎ دریغ آدمی زادہ پر محل ؛ کہ باشد چو انعام بل ھُم اَضَل

ترجمہ: افسوس ہے آدم زادہ جس کی عزّت بڑی ہے وہ جانوروں جیسا بلکہ ان سے بڑھ کر بدتر ہو جائے۔

فَسَوْفَ يَأْتِيْهِمْ ،، یعنی انہیں دُنیا و آخرت میں ایسے واقعات درپیش ہوں گے کہ جن سے وہ استہزاء کرتے تھے۔ دُنیا میں ان کا استہزاء یہی کہ وہ انبیاء و اولیاء کے اقوال سُن کر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کان حق کے سُننے سے بہرے اور حق کو دیکھنے سے اُن کی آنکھوں کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اسی لئے وہ حق کی طرف ہدایت نہیں پاسکتے اور نہ ہی انہیں حقیقت کا راہ ملتا ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو اپنے دیدار سے محروم کر دے گا اور وہ ذاتِ حق سے بہت دُور کئے جائیں گے اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ تک جہنم میں رکھا جائے گا۔

حکایت: امام الحرمین ایک دن مسجد شریف میں درس دے رہے تھے کہ اُن کے پاس سے صُوفیہ کی جماعت مع اپنے مُریدین فقراء کی گذری (جنہیں ایک رئیس کے ہاں مدعو کیا گیا تھا) امام صاحب نے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ یہ لوگ صرف کھانے پینے اور سماع و سرود میں مست رہتے ہیں انہیں سے ایک صُوفی دعوت سے فراغت پا کر امام صاحب کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے فقیہہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جو صبح کی نماز جنب کی حالت میں پڑھ کر مسجد میں علوم دینیہ پڑھائے اور پھر لوگوں کی غیبت کرے۔ امام صاحب کو یاد آیا کہ یہ جملہ اُمور مجھ سے سرزد ہوئے ہیں اُس کے بعد امام صاحب صُوفیہ کرام کے معتقد ہو گئے۔ ورنہ اس سے قبل وہ صُوفیہ کے مخالف تھے۔

سبق) صُوفیہ کرام واُولیائے عظام سب سے پہلے حسن اعتقاد لازمی ہے۔ پھر اُن کی اتباع کی جائے تب اُن کے مقامات و مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

حکایت : حضرت ابوالقاسم جُنید بغدادی قدس سرہ سے پُوچھا گیا کہ آپ نے اتنے بہت بڑے علُوم کہاں سے حاصل کئے۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ علوم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس جگہ تیس سال گھٹنے ٹیک کر حاصل کئے۔ اِس جگہ سے اُن کے گھر کی چار دیواری مُراد تھی۔

سبق : طریقت کے اسرار و انوار بہت بڑی جدوجہد کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ انسان کو اس میں بہت دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے (وَاللّٰہُ الْھَادِیْ)

تفسیر عالمانہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ (**شانِ نزول**) مروی ہے کہ بعض مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی کہ ہم آپ کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ آپ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ سے ایسی کتاب نہ لا دکھائیں جس کی چار فرشتے گواہی دیں کہ واقعی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہُوئی کتاب ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ردّ میں یہ آیت نازل فرمائی (اگر ہم آپ پر نازل فرمائیں) **کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ** ،، کاغذوں پر لکھا ہُوا یہاں پر کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ **فَلَمَسُوْہُ** ،، یہ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ **بِاَیْدِیْھِمْ** ،، پھر وہ اسے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے چھُو بھی لیتے۔ اس لئے کہ انہیں اس طرح سے اُس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوگا۔

فائدہ : لمس کا ذکر اس لئے ہے کہ اس میں مکر و فریب کا پہلو نہیں نکل سکتا اور نہ ہی کہہ سکیں گے اِنَّمَا سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا ،، (بیشک ہماری آنکھیں مسحور کی گئیں ہیں۔ یعنی بند کر دی گئی ہیں)

سوال : لمس کے بعد اَیْدِی کا ذکر کیوں حالانکہ لمس ہوتا بھی ہاتھوں سے ہے۔

جواب : تاکہ مجازی معنے کا احتمال ختم ہو جائے یعنی لمس کے بعد اَیْدِی کا ذکر حقیقی معنے پر محمول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ورنہ اس کا مجازی معنی تفحص ہو سکتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کے اِس قول وَاِنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ اَیْ تَفَحَّصْنَا ،، ہم نے تلاش کیا۔

لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ،، البتہ کافر سرکشی اور عناد سے کہتے باوجودیکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے جیسے کٹ حجتی اور ضدی کا طریقہ ہے۔ **اِنْ ھٰذَآ** ،، نہیں ہے یہ کتاب **اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ** ،، مگر کھُلا جادو یعنی ہر ایک کے لئے واضح ہے کہ یہ جادو ہے (معاذ اللہ) اور قاعدہ ہے کہ جو ازلی محروم ہوتا ہے۔ وہ اگر غائبانہ حق کی تکذیب کرتا ہے تو آنکھوں سے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی انکار سے نہیں چُوکتا۔ مثلاً اولیاکرام کی کرامات کے مُنکر کے سامنے اگر کوئی ولی اُڑتا ہُوا بھی نظر آئے تو کہے گا یہ جادوگر ہے یا شیطان ہے (معاذ اللہ) تم جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ کا عام طریقہ ہے کہ

انہیں اولیاء کرام کی کرامات سُنائی جائیں تو فوراً انکار کر کے اپنی تائید میں کوئی توجیہہ بیان کر دیتے ہیں گے [1]

۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ،، اس سے کفار کا نبوت پر جرح قدح کا بیان صراحۃً شروع ہے جس کا اس سے پہلے اشارۃً بیان کیا گیا۔ اور لولا تخصیص کے لئے ہے بمعنی الامر اور علیہ کا ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور وہ براہ راست ہمیں کہے کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ،، اگر اُن کے مطالبہ پر ہم فرشتے کو اُس کی اپنی اصلی شکل و صورت پر اُتاریں (فرشتوں کو اس کی اپنی اصلی صورت پر دیکھنا عام آدمیوں کے بس سے باہر ہے اس لئے کہ اُن کا ہولناک منظر ہے) اور فرشتے کا نزول ہو تو کفار کی تباہی و بربادی کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ،، فرشتوں کے نزول کے بعد تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی کُفار کو مُہلت نہیں ملے گی۔ اِن دو امروں (یعنی قضاء الامر اور عدم الانظار یعنی مُہلت نہ دینا) میں سے عدم الانظار کو قضاء الامر سے زیادہ سخت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اچانک عذاب کا نزول نفسِ عذاب سے عزیز ترین اور زیادہ دکھ اور تکلیف پہنچانے والا ہوتا ہے ۵ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا ،، ۂ ضمیر مطالب کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہر وہ فرشتہ جو نبوّت کا شاہد بنے یعنی اگر ہم نبوّت کا شاہد فرشتے کو بنائیں لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا تو اسے بنائیں گے مرد یعنی فرشتے کو مَرد کی شکل میں بنا کر بھیجیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ اگر فرشتے کی اصلی صُورت کو دیکھنا کسی فردِ بشر کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحیہ کلبی کی صُورت میں حاضر ہوتے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے حاضر ہوئے تو دو ایسے انسانوں کی صورت میں جو کوئی فیصلہ لے کر آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے تو مہمانوں کی صُورت میں (اسی طرح لوط علیہ السلام و بی بی مریم کے ہاں وغیرہ وغیرہ) اس لئے کہ قوت بشریہ فرشتے کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام ملائکہ کرام کو اصلی صُورتوں میں اس لئے دیکھا کرتے کہ اُن کے قویٰ مقدسہ میں نُورانی قوت و طاقت بھی [2] وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ کو محذوف کا جواب ہے۔ اس لئے کہ یہ دراصل وَلَوْ جَعَلْنٰهُ رجلا لَلَبَسْنَا الخ تھا یعنی اگر اسے ہم مَرد بنا کر بھیجتے تو ہم ان میں اسے ملا دیتے کہ وہ بھی اُن کا ہم مِثل مرد ہوتا۔

مَا يَلْبِسُوْنَ ،، وہ جو التباس میں پڑتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ تو فرشتہ نہیں بلکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (جیسے کہ دیوبندی وہابیوں کو غلط فہمی ہوئی کہ حضور علیہ السلام کو بشری لباس میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں اور ہم چھوٹے (تقویۃ الایمان)

سوال : ملک کے بشرین کے آنے کو تُلبّس سے کیوں تعبیر کیا جا رہا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] انبیاء علیہم السلام اور عام بشر میں مابہ الامتیاز کی ایک دلیل یہ بھی ہے جسے دیوبندی وہابی وغیرہ آج نہیں سمجھے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

جواب : اس لئے کہ تمثیل کے بعد التباس کا ہونا لازمی امر ہے۔ تمثیل سبب ہے اِلباس کا گویا مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔ **فائدہ :** مطلوب یعنی شاہد علی النبوۃ کا فرشتے سے انسان بن کر آنا اُس کے محال ہونے کی تاکید ہے گویا اللہ تعالیٰ نے کفار کو یُوں فرمایا کہ لَوْ فَعَلْنَاهُ لفعلنا مَالَا يَلِيقُ بِشَانِنَا الخ۔ یعنی اگر ہم اس طرح کرتے تو وہ کرتے جو ہمارے شان کے خلاف ہے یعنی انہیں اشکال واشتباہ میں ڈالنا یہ لَبَسْتُ الْأَمْرَ عَلَى الْقَوْمِ اَلْبَسَهٗ سے ماخوذ ہے (از باب ضرب) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اشکال و اشتباہ میں ڈالے۔ دراصل لَبَس کسی شئے کو کپڑے سے ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ،، برسل ،، استہزئ کے متعلق ہے اور مِن ابتدائیہ ہے۔ اس کا متعلق محذوف ہے جو رُسُل کی صفت ہے۔ اس میں حضورؐ تاجدارِ انبیاء علیہم السلام کو تسلی دی جا رہی ہے۔ جبکہ آپ کو اہل مکہ نے بہت بہت پریشان کیا۔ یعنی اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ کھائیے۔ اس لئے کہ بخدا بہت بڑے اولوالعزم پیغمبر اور کثیر التعداد انبیاء علیہم السلام (جو آپ سے پہلے گزرے ہیں) ان سے بھی استہزاء کیا گیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل مِن قَبْلِ زَمَانِكَ تھا۔ پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا۔ فَحَاقَ ،، اس کے بعد محیط ہو گیا۔

فائدہ : حاق بمعنے اَحاطَ یا نَزَل یا حَلّ یا ان الفاظ کا ہم معنے کوئی اور لفظ اس لئے کہ اُس کا معنیٰ شمول لزوم کے گرد پھرتا ہے لیکن اُس کا اکثر استعمال شر پر ہوتا ہے۔ اَحدُ الحیق ہر وہ دُکھ اور تکلیف جو انسان کو کسی مکروہ فعل کی وجہ سے پہنچے۔

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اور اس کا عائد بہ کا ضمیر اور بہ يَسْتَهْزِءُوْنَ کے متعلق ہے اور موصول اپنے صلہ سے مِل کر حاق کا فاعل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ گھیر لیا اُنہیں جنہوں نے تمسخر کیا وہ کہ جس سے وہ استہزاء کرتے تھے کہ وہ اس سے ہی ہلاک و تباہ و برباد ہوئے۔

سوال : اہلاک و احاطہ کا اسناد رُسُل کی طرف کیوں۔

جواب : اہلاک و احاطہ کے سبب وہی تھے اور فعل کا اسناد کبھی سبب کی طرف بھی ہوتا ہے[1]۔ اب واضح اور صاف مطلب یُوں ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیرا اور انہیں تباہ و برباد کیا اس لئے کہ اُنھوں نے انبیاء و رُسل علیہم السلام سے استہزاء کیا اور حضور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ وعدہ غزوہ بدر میں پُورا کر دیا گیا۔

---

[1] جیسے ہم کہتے ہیں یا رسُول اللہ مدد کیجئے یا کہا جاتا ہے۔ اے شیخ فلاں کام کیجئے۔ مسائل استمداد و استغاثہ اور تصرفات انبیاء و اولیاء اسی قبیل سے ہیں۔ جنہیں وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ فافہم اویسی غفرلہ

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ

الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١١ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ

وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٢ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٣ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٤ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ

فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝١٥ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٦

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١٧ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

تُشْرِكُوْنَ ۝١٨ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٩ ع

ترجمہ: تم فرماؤ زمین میں سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہُوا تم فرماؤ کس کا ہے

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تم فرماؤ اللہ کا ہے اُس نے اپنے کرم کے ذمہ پر رحمت لکھ لی ہے بیشک ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ شک نہیں وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی ایمان نہیں لاتے[11] اور اسی کا ہے جو کچھ بستا ہے رات اور دن میں اور وہی سُنتا جانتا تم فرماؤ[12] کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہُوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں میں سے نہ ہونا[13] تم فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے[14]۔ اس دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے ضرور اس پر اللہ کی رحمت ہُوئی اور یہی کھلی کامیابی ہے اگر تجھے اللہ کوئی بُرائی پہنچائے تو اُس کے سوا اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے[15] اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور وُہی ہے حکمت والا خبردار[16] تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہُوئی کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خُدا ہیں۔ تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو[17] جن کو اللہ نے کتاب دی اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے "[18]

تفسیر عالمانہ

: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ " فرمایئے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اے لوگو) زمین پر چلو تاکہ تمہیں گذشتہ اُمتوں کے حالات و واقعات معلوم ہوں۔

ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کس طرح ہُوا۔ یعنی غور و فکر کرو کہ انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ تو کیوں ؟

سوال : ثم تراخی کے لئے آتا ہے اور یہاں پر تراخی کیسے۔

جواب : صرف دو واجب یعنی سِيْرُوْا اور اُنْظُرُوْا میں تفاوت کے اظہار کے لئے جن میں تفاوت کی حیثیت کو تراخی متصوّر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ صرف نظر الی حال الکفار کے لئے وسیلہ ہے اور سبب ہے مثلاً فقہاء کرام کا مقولہ مشہور ہے توضأ ثم صلّ۔ اس میں یہی بات ہے کہ وضوء نماز کا وسیلہ ہے اور ان دونوں اُمروں

کے تفاوت کو تراخی تصور کیا گیا ہے «اَلْعَاقِبَۃُ» مصدر ہے امر کے منتہیٰ اور اُس کے انجام کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ : ہر زمانہ کے سرکش لوگوں اور بُری عادت والوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء سے استہزاء اور ٹھٹھا مخول کرتے رہتے ہیں۔ (اور کرتے رہیں گے جیسے اب داڑھی والوں اور علمائے دین اور درویشوں فقیروں سے نئی تہذیب کے دلدادہ مغربیت زدہ کیا کرتے ہیں) اضافہ اویسی غفرلہ)

حدیث شریف : حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چند ایک غریب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسجد حرام (مکہ شریف) میں تشریف فرما تھے۔ جن میں حضرت بلال و صہیب و عمار وغیرہم شامل تھے تو وہاں سے ابوجہل کا اہلِ مکہ کے بہت بڑے رؤسا کے ساتھ گذر ہُوا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ بہشت کے مالک یہی لوگ ہیں۔ حضرت بلال و دیگر فقراء کی طرف اشارہ کرکے استہزاء کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں اِس کا مزہ چکھایا کہ استہزاء کرنے والا جہنم رسید ہُوا۔ اور یہ فقراء بفضلہٖ تعالیٰ بہشت کے مالک ہوں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

سبق : اس سے دُنیا دار سرکش طبع لوگ عبرت حاصل کریں کہ وہ مالک کس طرح اپنی قدرت کے رنگ دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نے ترا حفظ زباں از راز کس — نے نظر کردن بعبرت پیش و پس

(۲) پیش چہ بود یاد مرگ نزع خویش — پس چہ باشد مُردن یاراں زپیش

ترجمہ : (۱) نہ تجھے زبان کی حفاظت ہے کہ لوگوں کے ایذاء سے بچ کر رہے نہ ہی تو آگے پیچھے سے عبرت کامل کرتا ہے

(۲) موت کے وقت نزع موت کی یاد کا کیا فائدہ دوستوں کے مرنے کے وقت یاد کرنا بھلا تھا۔

شیعہ کی کہانی اور اُس کا انجام بد

ایک شیعہ ابن ھیلان نامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا اور سب بکتا تھا۔ ایک دن وہ کسی دیوار کو توڑ رہا تھا کہ اچانک وہی دیوار اس پر گری اور مر گیا اسے مدینہ منورہ میں جنۃ البقیع میں دفنایا گیا لیکن دوسرے دن قبر کھودی گئی تو وہ اس میں نہ پایا گیا اور نہ ہی اُس کی قبر کے نشان کی مٹی بلکہ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی قبر کو کھود کر باہر نکالا گیا ہے لیکن قبر کی ہیئت کذائیہ اپنے حال پر باقی تھی کہ جس سے کھود کر لے جانے کا نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ اسے علاقہ کے بہت سے لوگوں نے دیکھا اور قاضی جمال الدین صاحب بھی تشریف لائے۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ دُور دُور سے لوگ چل کر اس منظر کو دیکھنے کے لئے حاضر ہُوئے یہاں تک کہ وہ واقعہ بہت دُور تک پھیل گیا اور ایک عرصہ تک اُس کا چرچا رہا۔

سبق : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے لیکن اس کے لئے جس کا اللہ تعالیٰ سینہ کھولتا ہے تو وہ ایسی

حکایات سے عبرت حاصل کرتا ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔ المقاصد الحسنہ الامام السخاوی قدس سرہٗ)

سبق : اس سے معلوم ہُوا کہ جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے کہ اُسے متبرک مقامات سے نکال کر منحوس مقامات پر پہنچایا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی میرا اُمتی لواطت کا عمل کرتا ہُوا مَرا تو اُسے اپنے مدفن سے نکال کر لوطیوں کے ساتھ ملایا جائے گا یہاں تک کہ اُس کا حشر بھی اُن کے ساتھ ہوگا۔ (الدرر المنتثرہ اللامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ اجساد کو قبور سے بعد از دفن نقل کیا جاتا ہے (یعنی منجانب اللہ نہ یہ کہ لوگ کبھی کہیں دفن کریں تو پھر وہاں سے نکال کر دُوسری جگہ لے جائیں۔ جس کی تشریح دوسرے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ

مسئلہ : حشر میں جسد اور رُوح ہر دونوں کو اُٹھنا ہوگا۔

لطیفہ : جیسے اللہ تعالیٰ اشرار کو مقامات مقدسہ سے منتقل کر کے منحوس مقامات پہ لے جاتا ہے۔ ایسے ہی اخیار کو منحوس مقامات سے نکال کر مقدسہ مقامات پر پہنچاتا ہے۔ مثلاً انہیں جنۃ البقیع یا حجون میں لے جایا جاتا ہے۔ جنۃ البقیع[1] اور حجون[2] دونوں گورستانوں کے نام ہیں جو مدینہ طیبہ[1] اور مکہ معظمہ[2] میں واقع ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلیت کے مطابق مقام بخشتا ہے لیکن اُس آخری زمانہ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ جنہیں قبلہ کی جانب (ظاہرًا و باطنًا) توجہ اور حیات و ممات میں قبلہ کا تصور ہو کسی نے کیا خوب فرمایا کہ ذھب النّاس وَ مابقی الاالنسناس" (حقیقی انسان چلے گئے اب صرف نسناس باقی ہیں)

فائدہ : نسناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو انسانوں سے مشابہت کا دَم بھرتے ہیں، لیکن وہ حقیقی انسان نہیں ہیں۔ دراصل نسناس یاجوج و ماجوج کو کہا جاتا ہے یا وہ ایک دریائی جانور ہے۔ جس کی ظاہری صُورت انسانوں جیسی ہے یا اسے انسانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ حالانکہ درحقیقت وہ جانور ہے جو بعض باتوں میں انسانوں کے مشابہ ہے اور بعض باتوں میں اُن کے مخالف ایسی مخلوق بنی آدم سے نہیں۔ بعض کے نزدیک وہ بھی بنی آدم ہیں۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ عاد کی قوم سے ایک قبیلے نے اپنے رسُول علیہ السّلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نسناس کی صُورت میں تبدیل کر دیا۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ اِن میں ہر ایک کا بیک طرف ایک پاؤں اور ایک ہاتھ ہوتا ہے۔ اور پرندوں سی چونچ رکھتے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چرتے ہیں۔ غور کیجئے ایسے لوگ اخیار و اولوالابصار سے کس طرح ہوسکتے ہیں۔ اس لئے ہم نے کہا کہ حقیقی انسان دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ اگر ہیں تو بہت تھوڑے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تناھی الصبر فدخلت بمادی الاسد سرحان
العفتا اذ غنی بمعنی الورق غربان

ترجمہ : (۱) اب صبر کے سوا کیا ہو سکتا ہے جبکہ شیروں کی جگہ گدھ بیٹھ گئے

(۲) اور عقل چلی گئی۔اب درختوں پہ کوے کائیں کر رہے ہیں

(۱) دریں ظلمت سرا تا کے بہوئے دوست بنشینم گہے انگشت در دنداں دگہ سر بر سر زانو

(۲) بیا اے طائر فرخ بیاور مژدہ دولت عسی الایام ان یرجعن قوما کالذی کانوا

ترجمہ (۱) اس ظلمت کدہ دُنیا میں کب تک دوست کی خوشبو کے لئے منتظر رہوں گا کبھی اُنگلیاں مُنہ میں دباتا ہوں کبھی سر گھٹنوں پر رکھتا ہوں۔

(۲) اے مبارک پرندہ دولت کی خوشخبری لا۔شاید کہ قوم کے لئے گذشتہ ایام واپس لوٹیں۔

یعنی اس طریق سے واپس لوٹیں جس طرح کہ وہ پہلے نظم و نسق سے زندگی بسر کرتے تھے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ فرمائیے اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کہ کس کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔فرمائیے اللہ کے لئے ہے اس میں اہلِ مکہ سے دلائل کا اعتراف کرایا جارہا ہے کہ وہ اقرار کریں کہ تمام عقلاء وغیر عقلاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں اور ان پر صرف وہی تصرف کرسکتا ہے گویا اُن سے سوال ہُوا کہ بتاؤ اے کافرو ایسے واضح دلائل کے باوجود اب بھی تمہیں اقرار ہے یا نہ جبکہ کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

سوال : اُن سے سوال کرکے جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلوادیا۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اِس قسم کے سوال کا جواب خود بخود متعین ہوتا ہے۔اسی لئے جواب کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔بلکہ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کے لئے انتظار کئے بغیر فوراً جواب دیا جائے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ یہ مستقل جُملہ ہے۔یہ بھی قُلْ کے مقولہ میں داخل ہے۔یہ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ وہ کریم اپنے بندوں کے لئے بہت بڑا مہربان ہے اور اُن پہ سزا کے لئے عجلت نہیں کرتا بلکہ اُن کی توبہ بہت جلد قبول کرلیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے اور اپنے نفس پر رحمت لکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے التزام کیا ہُوا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت فرمائے۔یہ معنی اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس کی ذات اس سے منزّہ ہے کہ اس پر کوئی شئے واجب ہو۔

فائدہ : لفظ ذات کے بجائے نفس کا اطلاق اس لئے فرمایا تاکہ اس کا رَد ہو جو کہتا ہے کہ لفظ نفس کا اطلاق ذاتِ حق کے لئے ناجائز ہے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ،، البتہ قیامت میں جمع کرے گا۔یہ قسم محذوف (وَاللّٰہِ) کا جواب ہے۔یعنی قبروں میں سے اُٹھا کر قیامت میں جمع کرے گا تاکہ تمہیں شرک اور باقی تمام گناہوں کی سزا دے۔اگرچہ اُس نے اپنی رحمت کی وجہ سے اب تمہیں مُہلت دے رکھی ہے اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جو عموماً دُنیا میں سزا دینے کا کیا

جاتا ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ ،، اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی قیامت کا دن یا تمہارے جمع کرنے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا کہ اپنے راس المال یعنی فطرت اصلیہ اور عقل سلیم کو ضائع کر دیا۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر ہے۔ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (پس وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہ فاء جزائیہ ہے اس لئے کہ مُبتدا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ایمان نہ لانا اُن کے خسارہ اور گھاٹے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اُنھوں نے اپنے عقل کو حواس اور وہم کے تابع کر کے تقلید مذموم میں منہمک ہو کر اور نظر و فکر کو غفلت میں ڈال کر ضائع کر دیا۔ اس لئے کہ وہ کُفر کے گڑھے میں جا گرے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو کر رحمت خاصہ کے دائرہ سے خارج ہو گئے۔

فائدہ : قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں یہ رحمت سے رحمت عامہ مُراد ہے۔ یعنی وہ رحمت جو دارین کو شامل ہو منجملہ اُس کے ہدایت الی المعرفت اور العلم بتوحید اور انزال الکتب اور الامہال علی الکفر بھی ہے۔

فائدہ : تفسیر کاشفی میں ہے کہ اس سے رحمت ذاتیہ جسے رحمت مطلقہ کہا جاتا ہے اور وہ رحمت ہے جو ہر ایک کو پہنچے اور بے مانگے ہر ایک کو ملے نہ ہی مستحق و غیر مستحق کو دیکھے۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎ (۱) دَر عَدم ما مستحقاں کے بُدیم ٭ کہ بریں جان و بریں دانش زدیم ؎

(۲) مانبودیم و تقاضا مانبود ٭ لطف تو ناگفتہ مامے شنود

ترجمہ (۱) ہم عدم میں اس کے کب مستحق تھے کہ ایسی جان و دانش حاصل کرتے۔

(۲) ہم نہ تھے اور نہ ہی ہمیں ایسے تقاضے تھے تیرے لطف و کرم نے ہمارے سوال کے بغیر ہماری بات سُن لی۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو اجزاء ہیں ان میں ننانوے اجزاء اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں رکھے ہیں اور باقی صرف ایک زمین پر نازل کیا گیا۔ اسی ایک جُز سے تمام مخلوق رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پرندے اپنے گھونسلے اُونچے رکھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر بچوں کو دانہ دُنکا کھلاتے ہیں تو بھی اسی رحمت سے (**سبق**) اس سے مومن کو بشارت و رجا ہے کہ دُنیا میں اُس کی رحمت کی یہ شان ہے کہ بہت بڑے انعامات و کرامات سے ہمیں نوازا جا رہا ہے اور نہ صرف ظاہری نعمتوں سے بلکہ اس کی باطنی نعمتیں بھی بے بہا ہیں۔ پھر اندازہ کیجئے کہ باقی ننانوے رحمت کے حصص جو صرف آخرت کے لئے ہیں مخصوص کئے گئے ہیں ان کا کیا حال ہوگا

حکایت : حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں چند قیدی لائے گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے سے بچھڑ گئی جس نے بسیار تلاش بسیار کے بعد اپنے بچے کو پا لیا اور اُسے جلدی سے اُٹھا کر اپنے پستانوں سے لگا لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر حضور

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا بتاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو عمداً آگ میں ڈالے گی۔ ہم نے عرض کی نہیں بلکہ جہاں تک اسے قدرت ہوگی اپنے بچے کو آگ سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ اس عورت سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست ؞ بہر تہدید لئیمان درہٗ ایست

(۲) باچنیں قہرے کہ زفت وفائقست ؞ برد لطفش بیں بروے سابقست

(۳) رحمت بیچوں چنیں دان اے پدر ؞ زائد اندر وہم از وے جز اثر

ترجمہ : (۱) آگ تو اس کے قہر کے آگے ایک ذرہ ہے نالائقوں کے لئے ایک کوڑا ہے۔

(۲) ایسے قہر وغضب کے باوجود کہ وہ غالب ہے لیکن اس کی رحمت اس پر سابق ہے۔

(۳) اے بزرگ اس کی رحمت کو یوں جان کہ وہ حد و حساب سے باہر ہے نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

لطیفہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا ہے۔ آیتِ رحمت صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ،، ہے اور یہ آیت ہزار معانی کو متضمن ہے۔ اس کا ہر معنیٰ عرصہ دراز کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ اس کے جمیع معانی کو حاصل کرے۔ اس لئے کہ جس پہ جو معنےٰ کھلتا ہے۔ اس پر اسی قدر حقیقت واضح کر دی جاتی ہے اس لئے اس اُمت کے ایک ایک فرد کے لئے ایک ہزار سال عمر ضروری تھی،، اے اللہ ہمیں اس وقت اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے (جب انسان پسینہ پسینہ ہو جائے گا اور آہ و فغاں کا شور ہوگا اور ہم پر ہمارے دوست روئیں گے اور طبیب ہماری زندگی سے مایوس ہو جائے گا) یعنی خاتمہ ایمان پر ہو اور ہمارے حال پر رحم فرما (جب ہمیں مٹی سے چھپائیں گے اور ہم سے دوست الوداع کر کے واپس لوٹیں گے اور دنیوی نعمتیں ہم سے منقطع ہو جائیں گی اور دُنیا کی ہوائیں ہم سے بند ہوں گی) یعنی جب ہم قبر میں دفنائے جائیں تو اپنے فضل وکرم سے ہمیں قبر کے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ رحم فرمانا جب ہمارا نام مٹ جائے گا۔ اور ہمارا جسم چُورا چُورا ہو جائے گا اور ہماری قبر کے نشانات بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمیں یاد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا یعنی برزخی زندگی بخیر وخوبی گزرے،، اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما جبکہ راز کھل جائیں اور دل کی باتیں سامنے آجائیں اور ہر ایک کا عمل نامہ کھل جائے گا اور ترازوئے عمل نصب کیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ یا حیی یا قیوم یا رحمٰن یا رحیم برحمتك نستعین ،، یہ تمام مناجات حضرت الشیخ الاکبر محی الدین صاحب فتوحات مکیہ (قدس سرہ) کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ بہترین اور عمدہ ترین مناجات ہے۔ حضرت شیخ سعدی کے لئے حکم = ۸۴ روح البیان

تفسیر عالمانہ ۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ط اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ جو رات و دن میں ساکن ہے۔ (**شانِ نزول**) مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر و فاقہ نے تنگ کر رکھا ہے۔ اس

وجہ سے آپ ہمیں نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے بڑے دُور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا چندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دُنیا کے امیر ترین انسانوں سے گنے جائیں گے لیکن مہربانی فرمائیے کہ آپ ہمیں اس نئے دین کی دعوت نہ دیجئے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ جو کچھ رات اور دن میں مستقر ہے اور جن پر یہ دونوں مشتمل ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے مالا مال کر دے اور وہ تمام مخلوق سے غنی ترین ہوں۔

سوال: رات اور دن میں تو کوئی نہیں ٹھہرتا، بلکہ مکان میں ٹھہرا جاتا ہے۔

جواب: مجازاً مکان کے بجائے زمان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اشیائے زمانیہ کو اشیاء مکانیہ کے قائم مقام کھڑا کیا جا سکتا ہے۔" وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥ اور وہ ہر مسموع شئے کو بہت زیادہ سُنتا ہے اور وہ ہر معلوم شئے کو بہت جانتا ہے۔ نہ اس کے ہاں کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں دو جوہر پیدا فرمائے ہیں۔ (۱) ظلمانی (۲) نورانی۔ ہر نور والی شئے کو اس جوہر سے خلاصہ کے طور لیا گیا۔ یہ دن اسی خلاصہ کردہ جوہر سے ہے۔ اس کے بقایا سے نار پیدا کی گئی۔ اسی طرح ظلمانی جوہر کے خلاصہ سے ظلمانی اشیاء لی گئیں۔ انہیں میں سے رات ہے اس کے بقایا سے بہشت پیدا کی گئی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جنت اللیل سے اور نار جہنم النہار سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتی طور رات سے انسان کو انس ہے اور محبین بھی رات کو چاہتے اور محبوبین بھی رات کے طالب ہیں۔ اس لئے وصل وصال رات کو رنگ لاتا ہے۔" (نکتہ) اللیل کو النہار پر مقدم کرنے میں یہی راز ہے کہ رات خدمتِ مولا کے لئے اور دن خدمتِ خلق کے لئے۔" (لطیفہ) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معراج رات کو ہوئی اور وہ ایسی رات ہے کہ جس کی عبادت ہزار ماہ سے بہتر ہے اور دنوں میں سے کوئی دن ایسی بزرگی اور شرافت والا نہیں۔

فائدہ: ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب رات آتی تو وہ فرماتے " جَاءَ الْخَلْقُ الْأَعْظَمُ "، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عظمت والی مخلوق تشریف لائی (اُن کا یہ مقولہ رات کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے)

اعجوبہ: جسے رات کے اسرار و رموز سے بے خبری اور لاعلمی ہے اور اُسے اس کی مناجات کے مزے اور اُس کی خلوت و وحدت کے ذوق سے بے بہرگی ہے تو وہ رات پر دن کو ترجیح دیتا ہے "۔ **فائدہ**: منقول ہے کہ ثعلب نحوی کہتے تھے وودت ان اللیل نصیر اللیل نہاراً حتیٰ لا تنقطع عنی اصحابی کہ کاش رات بھی دن بن جاتی۔ تاکہ مجھ سے میرے دوست مجھ سے جُدا نہ ہو جاتے اس سے ثابت ہُوا کہ اُسے یہ حرص اس لئے تھا کہ رات نہ آئے بلکہ دن ہی دن ہو۔

(دیگر) اہلِ علم باعمل یعنی مجتہدین و دیگر محدثین و مفسرین وغیرہم رات کو دن پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً امام اعظم

رضی اللہ عنہ دن کو درس و تدریس میں مشغول رہتے اور رات کو بیدار رہتے ؎

ہر گنج سعادت کہ داد بحافظ — از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

ترجمہ : جتنا خزانے اللہ تعالیٰ نے حافظ کو عطا فرمائے یہ تمام دعائے شب اور ورد سحری کی برکت ہے۔

مسئلہ : تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ رات دن سے افضل ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو اس کے لئے نگرانی وغیرہ کے لئے ساتھ رہتا ہے۔ اسی طرح رات اور دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے (حدیث شریف میں ہے) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روائت کیا کہ رات کے لئے جو فرشتہ مقرر ہے اس کا نام شراھیل ہے جب رات قریب آتی ہے تو وہ ایک سیاہ منکہ لے کر مغرب کی جانب لٹکا دیتا ہے جب سورج اس منکے کو دیکھتا ہے تو اس طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب مغرب کی طرف ڈوبے تو وہ سیاہ منکے کو لٹکا دے جب سورج غرب کرتا ہے تو رات اپنے پر پھیلاتی ہے (جس پر فرشتے نے دو پر پھیلائے ہوئے ہیں اور وہی منکہ لٹکا رہا ہے) یہاں تک کہ دن کا مؤکل فرشتہ آتا ہے جس کا نام ھراھیل ہے وہ سفید منکہ لاتا ہے جو طلوع شمس کی جگہ پر جا کر لٹکا دیتا ہے۔ جب اسے سورج دیکھتا ہے تو وہاں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب سفید منکہ نظر آئے تو اس وقت مشرق میں پہنچ جائے۔ جب سورج طلوع کرتا ہے تو دن فرشتے کے دو پروں کے نیچے اپنا نور پھیلا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے اور رات کے لئے بھی یعنی طلوع و غروب فرشتے کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۳ قُلْ ،، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے۔

شان نزول : یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے شرک اور اپنے آباء کے دین کی دعوت دی تو یہی آیت اتری۔ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا ،، کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کو مستقل بالاشتراک معبود بناؤں۔ حالانکہ ازل سے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔

حدیث شریف میں ہے : لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ اللّٰهِ لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلًا ،، اگر میں غیر اللہ کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے خلیل ہوتے۔ ہاں میرے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ میں غیر اللہ کو خلیل یعنی معبود نہیں بنایا۔ آیت و حدیث میں اس کا انکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کو معبود بنانے والے نہیں (اس کا وہ مطلب نہیں جو وہابیوں دیوبندیوں نے سمجھا کہ کسی کو ولی بھی نہ بناؤ)

فائدہ : مفعول کی تقدیم اس لئے ہے کہ نفی کا دارومدار اسی پر ہے۔

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے یعنی اُن کی پیدائش کی مثال پہلے نہیں تھی - یہ جُملہ لفظ اللہ (جلّ جلالہ) سے بدل ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ،، مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے - رزق کا محتاج نہیں۔

سوال : آیت میں لفظ طعام واقع ہے اور تم نے رزق کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب : مقصد رزق ہی ہے، لیکن چونکہ انسان وغیرہ کو اُس کی حاجت سخت تر ہوتی ہے۔ اس لئے صرف اسی کا نام لیا گیا ذکر الخاص بارادۃ العام کے قبیل سے ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مَنْ اَسْلَمَ ،، فرمائیے اے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ بے شک میں مامور من اللہ ہوں کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلا اسلام لانے والا یعنی میں اپنا منہ اس کی طرف پھیر دوں اور مخلص ہو کر اور آپ کے لئے اوّلیّت کی قید اس لئے ہے کہ آپ اپنی تمام اُمت کے امام ہیں۔ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اور مجھے کہا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤں امورِ دینیہ میں سے کسی امر میں۔ خلاصہ یہ کہ مجھے اسلام کا حکم ہے اور شرک سے روکا گیا۔

صُوفی کا اسلام : اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وجود کی تمام قیدوں سے فارغ ہو جانا ہے اور یہ صرف حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نصیب ہُوا ہے۔ یہی وجہ ہے (قیامت میں تمام انبیاء کرام علیہم السّلام نفسی نفسی پکاریں گے۔ آپ اُمتی اُمتی فرمائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ،، فرمائیے اے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ اپنے رب کے امر و نہی کی مخالفت کر کے اگرچہ معمولی گناہ سے بھی بے فرمانی کروں تو ڈرتا ہوں۔ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ بہت بڑے دن کے عذاب سے۔ اس سے قیامت کے دن کا عذاب مُراد ہے اور عذاب یوم عظیم ،، اَخَافُ کا مفعول بہ ہے۔ اس میں کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے دین کے داخلہ کی کوئی اُمید نہ رکھیں بلکہ اپنی خیر منائیں کہ انہیں بہت بڑے عذاب میں مُبتلا ہونا پڑے گا۔ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ ،، یُصْرَفْ یَوْمَئِذٍ کا ظرف ہے۔ یعنی جسے اُس بہت بڑے دن میں عذاب ہٹایا جائے گا۔ فَقَدْ رَحِمَهٗ ،، تو ہر ایک کو یقین ہو جائے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے۔ یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے عذاب سے نجات دے کر بہت بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وَذٰلِكَ ،، اور اس سے عذاب ہٹا لینا۔ اَلْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝ اس بندے کے لئے بہت بڑی کامیابی ہو گی یعنی اُسے نجات نصیب ہو گئی ۱۵ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ اور درد پہنچائے یہ دُوسری دلیل ہے۔ اس معنیٰ کے لئے کہ سمجھدار پر لازم ہے کہ مُصیبت اور مرض وغیرہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دُوسرے کو حقیقی اور مستقل بالذات مشکل کُشا نہ سمجھے۔

فائدہ : بِضُرٍّ کی باء تعدیہ کی ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ہوگا ،، اگر برساند خدا بتو سختی ،،

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ ،، تو کسی کو قدرت نہیں کہ اس سختی اور دُکھ درد کو ٹال سکے یا دُور کر سکے۔ اِلَّا ھُوَط ،، سوائے اس اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ کے وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ ،، اور اگر وہ پہنچائے بھلائی یعنی تندرستی اور نعمت وغیرہ وغیرہ۔ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ تو وہ ہر شئی پہ قادر ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس شئی کی نگرانی اور اُسے کسی کو دائمی طور عطا کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ پھر کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اس سے وہ بھلائی چھین سکے یا ہٹا سکے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پہ فرمایا فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ۔

حکایت : سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسریٰ نے ہدیہ کے طور ایک خچر بھیجا۔ اُس کے مُنہ میں لگام دے کر آپ اُس پہ سوار ہوئے تو مجھے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر چلے تھے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عزیز اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو ہر مقام پہ اپنا محافظ و نگران پاؤ گے اور نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مدِ نظر رکھو گے تو دُکھ درد کے وقت اسے کریم و رحیم پاؤ گے۔ اگر کسی شئی کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اگر مدد چاہیئے تو اللہ تعالیٰ سے چاہو، اس لئے کہ جو کچھ ہونا تھا وہ قلم نے لکھ دیا گیا اگر تمام مخلوق مل کر تمہیں کسی معاملہ میں فائدہ پہنچانا چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ارادہ نہیں تو تمہیں خس برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر وہ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کے قلم نے تمہارے متعلق نہیں لکھا تو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہو سکے تو یقین کو مدِ نظر رکھ کر صبر پہ مُداومت کیجئے۔ اگر یقین کی دولت میسر نہیں تو صبر کا دامن نہ چھوڑیئے اس لئے کہ دُکھ اور تکالیف کے وقت صبر کرنے میں بہت بڑے فوائد ہیں۔

رُوحانی فوائد (۱) فتح و نصرت صبر میں (۲) کُشادگی اور مُشکل کا حل ہونا دُکھ اور درد میں ہے اس لئے کہ ہر دُکھ کے ساتھ آرام و آسودگی ہے۔

سوال : کبھی انسان انسان سے دُکھ اور درد ٹال دیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ مشکلکشا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں (**جواب**) مشکلکشا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے باقی کسی سے تکالیف اور مصائب دُور ہوتے ہیں تو وہ اسباب و وسائل ہیں اُن میں کوئی حرج نہیں[1] (یہی ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اگر مشکل کشائی اور حاجت روائی سے موصوف کیا جاتا ہے تو بوجہ وسائل و اسباب کے ہے جسے وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ ناحال نہیں سمجھے یا سمجھے ہیں تو ضد کر کے شرک کی مشین چلاتے ہیں) حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم ؛ نسبت مکُن بغیر کہ اینہا خدا کند

ترجمہ: اگر تجھے رنج پہنچے یا راحت سوائے خُدا کے کسی دُوسرے کی طرف منسوب نہ کر۔

---

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے کہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اور مدد چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے انبیاء و اولیاء کو اُس کی درگاہ کا وسیلہ مانتے ہیں اور انہیں وسیلہ بنانا عین اسلام ہے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

ردّ وہابیہ و دیوبندیہ از صاحب رُوح البیان

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ وکن االاستعانۃ فی الحقیقۃ من اللہ فلا استعانۃ من الانبیاء والاولیاء انماھی استشفاع منھم فی قضاء الحاجۃ والموحد لا یعتقدان فی الوجود مؤثر غیر اللہ تعالیٰ، استعانت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے استعانت بمعنی اُن سے شفاعت طلب کرنے کے معنیٰ میں ہے کہ اپنی ضرورت کے وقت انہیں وسیلہ بنایا جاتا ہے ورنہ حقیقتاً استعانۃ تو اللہ تعالیٰ سے ہے اس لئے موحد کا اعتقاد یہی ہے کہ ہر شئ مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے[1]۔

تفسیرِ عالمانہ ۱۶ وَهُوَ الْقَاهِرُ ،، اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اسے کوئی شئ عاجز نہیں کر سکتی اور وہ سب پر غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ ،، اپنے بندوں پر غلبہ رکھتا ہے اور وہ حکیم ہے کہ اپنی حکمت سے جس طرح کرتا اور حکم فرماتا ہے۔ الْخَبِيْرُ ٥ اور اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور اُن کے پوشیدہ سے پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے قہر اور علوشان کو فوقیت سے تعبیر فرمایا جو ایک حسّی امر ہے، حالانکہ نہ اس کا قہر حسی ہے اور نہ علوِشان۔

جواب : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے جسے اہلِ علم جانتے ہیں اور ایسے مواقع پر اسے استعمال کرنا نہائت درجہ کی بلاغت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ : وَهُوَ الْقَاهِرُ فوق عبادہٖ سے کمال قدرت کا اظہار مطلوب ہے جیسے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ سے کمال علم کا اظہار مقصود ہے۔

فائدہ : فناری رحمہ اللہ الباری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں فوقیت سے قدرت کی حیثیت مطلوب ہے نہ کہ فوقیت مکان کی حیثیت مُراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان کی نسبت سے مُنزہ ماننا ضروری ہے[2]۔ اس لئے کہ اس کو تمام ممکنات پر غلبہ ہے وہ معدومہ ہوں یا موجودہ اس لئے کہ اُن کے ہر فرد پر اسے قہر و قدر کی قدرت ہے مثلاً معدومات کو موجود کر سکتا ہے اور موجودات کو معدُوم۔

---

[1] یہ ہیں صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ جو ۱۰۔ ۱۱ صدی میں ہم اہلسنت کے حق میں فیصلہ دے گئے جسے آج وہابی، دیوبندی، نجدی شرک کہنے سے نہیں تھکتا۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

[2] لیکن غیر مقلدین وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو عرش پہ بیٹھا ہُوا ماننا واجب ہے اور اس کے برعکس عقیدہ کو بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے ہیں (ایضاح اسماعیل الدہلوی و فتاویٰ ستاریہ وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر تمام بندوں کو حاوی ہے کفار پر قہر کا یہ معنےٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر موت طاری کر دی اور اُن کے نفوس کو حیات بخشی۔ جبکہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے ایک نُور کا چھینٹا ارواح پر مارا۔ اس وقت کفار کی رُوحیں ظُلمات طبیعت میں بھٹکتی رہیں اور نُور کے چھینٹے سے محروم ہوگئیں جنہیں نُورِ شریعت سے یکسر دُور رکھا گیا اور مومنین کے ارواح پر انوارِ شریعت سے اسے غلبہ ہے کہ قیام طاعت کی وجہ سے انہیں ظلماتِ طبعیبہ سے نکال لیا اور محبین یعنی عُشاق پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر اشتیاقِ دیدار کی چنگاری ڈال دی اور پھر انہیں اپنے مشاہدہ کے لُطف سے مانوس فرمایا اور صدیقین کے ارواح پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن پر صفات جلالیہ کے تجلیات ڈالے اس وجہ سے صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوائے ذاتِ حق کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اُس کے عزّت کے جھنڈوں کے تلے نہایت عجز و انکسار سے مغلوبیت کا مظاہرہ کرے بلکہ اس کی صمدیت کے میدانوں میں اپنے آپ کو ذرّہ بیقدار بنا دے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولا کو پہچانے اور صرف اس کی عبودیت میں مشغولیت رکھے اس لئے کہ اُس کا مولیٰ وہ ہے جس نے ہر شئے کو عدم سے وجود بخشا اور سب پر اُسی کا غلبہ ہے۔

حکایت : حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں بحری جہاز پر سوار تھا کہ باد مخالف نے ہمیں ایک جزیرے میں پھینک مارا۔ وہاں ایک بُت پرست بُت کے سامنے عبادت کر رہا ہے ہم نے اس سے پُوچھا اے بھائی کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُس نے بُت کی طرف اشارہ کیا ہم نے کہا یہ تیرا معبود مصنوعی ہے۔ ہم میں ہر ایک کو قدرت حاصل ہے کہ اس جیسا اور تیار کر لے وہ بھی کوئی معبود ہے کہ جس کا وجود مخلوق کے رحم و کرم پر ہو اُس نے ہم سے سوال کیا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ ہم نے جواب دیا ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کا تخت آسمان پر اور اس کی گرفت زمین پر ہے۔ اُس کا حکم تمام زندوں اور مُردوں پر برابر چلتا ہے اس کے اسماء تقدس اور عظمت و کبریائی بہت بُلند ہے۔ اُس نے پوچھا اس کی تمہیں کس نے خبر دی۔ ہم نے کہا اُس نے ہمارے ہاں ایک رسُول کریم علیہ السلام بھیجا جس نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ پھر اُس نے پُوچھا تمہارے رسُول علیہ السلام پر کیسی گزری۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیج کر انہیں اپنے ہاں واپس بُلا کر بہت بڑے انعامات سے نوازا اُس نے پوچھا تمہارے رسُول علیہ السّلام کے چلے جانے کے بعد تمہارے ہاں اُن کی کوئی نشانی بھی ہے۔ ہم نے کہا ہاں وہ ہمارے ربّ کی دی ہُوئی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ اُس نے کہا تو مجھے وہ کتاب دکھاؤ (جو تمہارے ربّ تعالیٰ نے تمہارے نبی علیہ السّلام کو دی اور وہ تمہارے ہاں چھوڑ گئے کیونکہ بادشاہوں کی کتابیں نہائت ہی برتر ہوتی ہیں) ہم نے اُس کے سامنے کتابِ الٰہی کی ایک سُورۃ پڑھی۔ وہ ختم سورۃ تک اُسے غور سے سُنتا رہا۔ اختتام پر کہنے لگا کہ ایسے صاحب کے کلام کی نافرمانی [illegible]

تادمِ زیست اسلام پر قائم رہا اور اسلام پر اُس کی موت واقع ہوئی اور اُس کا خاتمہ نہایت ہی احسن طریق سے ہُوا!

تفسیر عالمانہ ۱۹: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً ط (شانِ نزول) مروی ہے کہ مکہ کے قریشیوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کے یہود و نصاریٰ سے پُوچھا تو اُن کا خیال ہے کہ اُن کے ہاں آپ کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اور نہ ہی آپ کے متعلق اُن کی کتابوں میں کسی قسم کے علامات ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے کہ ہمیں اپنی رسالت پر کوئی ایسی شہادت پیش کریں جس سے ہمیں یقین ہو کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں ورنہ اُنھوں نے تو آپ کے متعلق انکار کیا ہے۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمائیے کہ باعتبار شہادت کے کس کی گواہی بڑی ہے۔

قُلِ اللّٰہُ ،، فرمائیے اے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی ہے اور مخلوق میں سے کوئی گواہی اُس کی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لیئے کہ مخلوق کی شہادت اور اُن کے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب علیہ السلام کو جواب کے لئے منتخب فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انہیں ہے اور نہ وہ اس کے جواب کے اہل ہیں۔ بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہے۔
شَھِیْدٌ وہی گواہ ہے۔ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ،میرے اور تمہارے مابین وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ،، اور اُس کی طرف سے میرے ہاں وحی آئی ہے۔ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ ،، یہی قرآن میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ ،، تاکہ میں اسی کے ذریعے تمہیں ڈراؤں یعنی اُس کے اندر جو وعیدیں ہیں تمہیں اے موجودہ کافرو ڈراؤں۔
وَمَنْۢ بَلَغَ اس کا عطف (کُمْ) مخاطبین کی ضمیر پر ہے یعنی اسے ڈراؤں جس انسان کو قیامت تک جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ **(فائدہ)** حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا مَنْۢ بَلَغَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے ہاں قرآن پہنچا گویا اُس نے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی اور اُن سے گویا براہِ راست قرآن سُنا۔
اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ ،، اس سے اُن سے اعتراف کرانا مطلوب ہے کہ واقعی وہ مشرک ہیں اس لئے کہ انہیں اِس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ وہ اس عمل میں بہت بڑی شہرت رکھتے ہیں اور یہ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے کیا تُم وہی ہو جو گواہی دیتے ہو۔ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی ط ،، بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُوسرے اور معبُود ہیں۔ قُلْ ،، اے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں فرمائیے لَّآ اَشْھَدُ ج میں تو گواہی نہیں دیتا (اگرچہ تم اُس کی گواہی دے رہے ہو لیکن وہ باطل محض ہے)

قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (فرمائیے اے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ بے شک صرف وہی ایک معبود ہے) لفظ قُلْ کا بار بار لانا محض تاکید کے لئے ہے۔ یعنی تم شرک کی گواہی دیتے رہو لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا بلکہ میں میرا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی منفرد بالالوہیت ہے۔

وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اور جن بتوں کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ،، وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ۔ اُن کے سابق سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا کہ کافروں نے کہا کہ ہم نے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے تو ایسے ویسے کہتے ہیں ۔ اب اُن کے سوال کا تفصیلی جواب ہے ۔ اَلَّذِیْنَ سے یہود و نصاریٰ مُراد ہیں اور الکتاب سے جنس کتاب مُراد ہے جس میں توراۃ و انجیل بھی شامل ہے ۔ یَعْرِفُوْنَهٗ ،، وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مبارکہ اور آپ کے جُملہ صفات سمیت اپنی کتاب سے جانتے ہیں ۔ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ،، جیسے وہ اپنے بیٹے کو حُلیے سمیت جانتے ہیں ۔

حدیث شریف : جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی آیت نازل فرمائی ۔ بتائیں کہ آپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا جانتے ہیں ۔ حضرت ابنِ سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے جب سے اُنہیں دیکھا ہے تو مجھے اُن پر اتنا یقین ہے جیسے اپنے بیٹے پر بلکہ اس سے بھی زائد اس لئے کہ مجھے عورتوں پر بھروسہ نہیں کہ نامعلوم میری عدم موجودگی میں کیا کیا ہو لیکن مجھے حضور علیہ السلام پر پختہ عقیدہ ہے کہ یقینی طور وہ نبی برحق ہیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی توفیق بخشے) ۔

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ،، اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا ۔ (اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مُراد ہیں) یعنی اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور وہ آیات بینات (جو ایمان کا موجب ہیں) سے رُوگردانی کی ۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مِل کر مُبتدا اور اُس کی خبر فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) ہے ۔ اس لئے کہ اُن کے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے فاء سببیہ اُن کے فطرت سلیمہ کو ضائع کرنے پر دلالت کرتی ہے ۔ (ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عقل سلیم بھی اُن سے جاتا رہا ۔ اسی لئے وہ ایمان قبول نہ کر سکے ۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی بہشت میں ایک منزل اور ایک منزل جہنم میں متعین فرمائی ہے جب قیامت کا دن ہو گا تو اہل نار کے تمام منازل اہل جنت پر تقسیم ہونگی یہی اُن کے لئے سب سے بڑا خسارا ہے ۔ (البغوی)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ إِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢١ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
أَشْرَكُوْٓا أَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝٢٢ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ
فِتْنَتُهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝٢٣ اُنْظُرْ كَيْفَ
كَذَبُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٤ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ
اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰىٓ إِذَا جَآءُوْكَ
يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ۝٢٥
وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٢٦ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا
نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢٧ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا
كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ۝٢٨ وَقَالُوْٓا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝٢٩
وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝٣٠ ع

ترجمہ : اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی
آیتیں جھٹلائے بیشک ظالم فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اُٹھائیں گے پھر مشرکوں سے

فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے[۲۰] پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ وہ بولے ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے[۲۱] دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اُوپر اور گم ہو گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے[۲۲] اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں[۲۳] اور وہ اس سے روکتے اور اس سے دُور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں شعور نہیں[۲۴] اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور مسلمان ہو جائیں[۲۵] بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور بیشک وہ ضرور جھوٹے ہیں[۲۶] اور وہ بولے وہ تو یہی ہماری دُنیا کی زندگی ہے اور ہمیں اُٹھنا نہیں[۲۷] اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے فرمائے گا کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا [۲۸]

تفسیر عالمانہ ۱۹ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے) وہ لوگ دونوں کتابوں (تورات والجیل) سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سُناتے یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور یہ بھی کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتاتے کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ط (یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کرے) مثلاً اُنھوں نے قرآن مجید کو نہ مانا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور تورات کی تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ غلط مسلط طریقے سے بتائے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ : افتراء و تکذیب کو لفظ اَوْ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک ہیں۔ چونکہ وہ ظلم میں

وبکتا تھے اسی لئے اُسے افعل التفضیل سے تعبیر فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا اس کی اُنھوں نے نفی کی اور جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے کی اس کا اُنھوں نے اثبات کیا۔ اِنَّہٗ بیشک شان یہ ہے لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کہ ظالم تکالیف سے نجات اور مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہے تو اظلم کا کیا حشر ہوگا۔

۝ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ،، یوم منصوب علی الظرفیہ اور فعل محذوف سے متعلق ہے اور اُسے محذوف اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ دن ہولناک ہے کہ اُس کے لئے شرح و بیان کی گنجائش نہیں۔ الحشر بمعنی لوگوں کو ایک جگہ معلوم پر جمع کرنا اور ضمیر ھُم تمام لوگوں کی طرف راجع ہے اور جمیعا ضمیر سے حال ہے اب معنیٰ یُوں ہوگا کہ قیامت کے میدان میں ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔ پھر برسرِ میدان عام مجمع میں مشرکوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انہیں باخبر کرکے کہیں گے۔ ثُمَّ تراخی کے لئے ہے بایں معنی کہ میدان قیامت کو طے کرنے کے لئے چند مقامات[۱۵] پر منقسم کیا جائے گا اور ہر مقام پر بہت بڑے عرصہ تک ٹھہرنا پڑے گا کہ ہر پہلے موقف کی طرح دوسرے موقف پر وقت بسر کرنا ہوگا۔

اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ ،، تمہارے معبود کہاں ہیں جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا۔ یہ اضافت بیانیہ ہے اس اعتبار سے کہ اُنھوں نے اپنے معبودوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ثابت کیا۔ اَلَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وُہی تمہارے معبود اور وہی بارگاہِ حق میں تمہارے شفیع ہوں گے۔ (ف) الزعم کا اکثر قول باطل اور کذب پر اطلاق ہوتا ہے[۲۱] ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا ،، اُن کا فتنہ صرف یہی تھا کہ وہ کہیں گے فتنہ ،، لم تکن کے اسم کی وجہ سے مرفوع اور خبر (اِلَّآ اَنْ قَالُوْا) اور اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے اور فتنہ سے کفر یعنی اس کا انجام مُراد ہے یعنی مدۃ العمر جو وہ کفر میں ڈوبے رہے اور اس پر انہیں فخر و ناز بھی تھا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت میں اُلٹا اس سے انکار اور برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اُن کے جواب کو فتنہ سے تعبیر کیا۔ اس لئے کہ ان کا وہ جواب کذب محض تھا اور یہ عمدًا کہا ورنہ اُنہیں یقین تھا کہ وہ دُنیا میں شرک وکفر میں منہمک رہے یا حیرت یا مدہوشی میں کہیں گے۔ مثلاً دوزخ سے نکلنے کے لئے عرض کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ،، حالانکہ اُنہیں یقین تھا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ تک رہیں گے[۲۲] اُنْظُرْ ،، اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے۔ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ،، دُنیا میں اپنے شرک کے صدور کا انکار کرکے جھوٹ بولیں گے۔ ایسے وقت میں اُن کا جھوٹ بولنا عجیب ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ اس کا عطف کَذَبُوْا پر ہے اور اُنْظُرْ کی خبر میں داخل ہے یعنی زائل اور باطل ہُوا۔ ان کا وہ اِفترا جو وہ بتوں کے بارے میں

---

[۱۵] پچاس ہزار سال کا دن ہوگا ہر وقف ایک ہزار سال کا ہوگا ۱۲۔ (لوافح الانوار للشعرانی)

عقیدہ رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں[1]۔ اور اُن کا سفارشی ہونے کا گمان قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا۔

مسائل شرعیہ : (مسئلہ) آیت سے ثابت ہُوا کہ لفظ شئے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے لیکن شئے بمعنی شائی ہونا ضروری ہے نہ بمعنی المشئی وُجُودُہٗ،، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الشائی والمرید،، ہے۔

مسئلہ : توحید کے اقرار کے بعد شرک سے بری ہونا بھی ضروری ہے۔

فائدہ : حضرت مولانا الشہیر باخی چلپی مرحوم نے صدر الشریعۃ کے حواشی پر لکھا کہ یہود و نصاریٰ کے اسلام لانے میں شرط ہے کہ وہ یہودیت و نصرانیت سے بھی توبہ کریں۔ اگرچہ بظاہر کلمہ شہادت ہزار بار بھی پڑھ لیں اس لئے کہ وہ رسُول اللہ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ان لوگوں کے لئے ہیں جو مسلمان ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے رسُول نہیں)

مسئلہ : شرک سے بری ہونے کی شرط اُن کے لئے ہے جو دار الاسلام میں ہیں اور جو لوگ دار الحرب میں ہوں اور اُن پر کوئی مسلمان حملہ کرے اور وہ اس حملہ پر کلمۂ شہادت پڑھ لیں اور کہیں ہم دینِ اسلام میں داخل ہیں یا کہیں ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہیں تو ان سے ایسے الفاظ سُن کر بلا شرطِ دیگر اُس کی توبہ قبول کی جائے گی۔

مسئلہ : الدر المختصر میں ہے ایمان کے لئے اتنا کافی ہے کہ کوئی کہے جن اُمُور کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ سب کے سب مجھے منظور ہیں اور جن امور سے روکا ہے اُن سے بچتا رہوں گا جو شخص اِن دونوں باتوں کو دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے تو وہ یقیناً صحیح مومن ہے۔

مسئلہ : جو مؤمن مسلمانوں کے علاقوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے مصنوعات کو دیکھ کر سبحان اللہ کہہ دیتا ہے تو وہ مقلد نہیں (بفضلہٖ تعالیٰ یہی بات ہمارے ہر مسلمان سُنی حنفی کو حاصل ہے)

مسئلہ صوفیانہ : جیسے آباء اپنے ابناء کے وجُود کے سرچشمہ اور اصل ہیں ایسے ہی اہلِ معرفت سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کا مُبداء و مصدر ہے کہ اُس کے وجود سے ہی ان کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو تمام معدوم ہی معدوم ہوتے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) درمکتب حقائق و پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ رُوزے پدر شوی

---

[1] اُن کا عقیدہ بتوں کے سفارشی بنانے کا اس لحاظ سے غلط نہیں تھا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے بلکہ اس معنے میں غلط تھا کہ اُنھوں نے ایسی اشیاء کو خُدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں بلکہ .... مغضوب و معتوب تھے حالانکہ سفارشی محبوبوں کو بنایا جاتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء ۱۲ اویسی غفرلہ

(۲) خواب وخوارت زمرتبۂ خویش دُور کرد　　آنگہ رسی بخویش کہ بےخواب وخور شوی

ترجمہ : (۱) مکتبِ حقائق میں عشق ادب سکھانے والے کے سامنے جدوجہد کر ایک دن تو باپ ہوگا۔
(۲) تجھے خواب وخور خودی کے مرتبہ سے دور کر دیا جب تمہیں خودی کا مقام نصیب ہوگا تو خواب خور کی تجھے ضرورت نہ رہیگی۔

نسخہ رُوحانی : مبدأ قدیم تک وصف حادث کے پُل کو عبور کرنے کے بعد پہنچنا پڑتا ہے۔
(مسئلہ) قیامت میں صرف ایمان، توحید، صدق، اخلاص ہی فائدہ پہنچائیں گے اور شرک انسان کو ذلیل وخوار کرے گا۔

فائدہ : قیامت میں جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ توحید کے گُناہ معاف فرما کر انہیں نجات کی خوشخبری سُنا رہا ہے تو کفار آپس میں مشورہ کریں گے۔ ہم بھی کُفر چھپا کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ مَاكُنَّا مُشْرِكِيْنَ" اے اللہ تعالیٰ ہم دُنیا میں مشرک نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مُنہ پر مہر ثابت فرما کر اُن کے اعضاء کو فرمائے گا کہ تم اُن کے متعلق کیا جانتے ہو ان کے تمام اعضاء اُن کے کُفر کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے جاؤ انہیں جہنم میں۔ اس بنا پر وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

اہل ریا کا انجام : اسی طرح اہلِ ریاء بھی اپنے ریاء کو چھپا کر اہلِ توحید مخلصین کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں گے تو اُن کے خلاف بھی اُن کے اعضاء گواہی دیں گے جس کی وجہ سے وہ بھی واصلِ جہنم ہوں گے۔

فائدہ : جہنم کی تخلیق اس لئے ہُوئی کہ اس سے ڈر کر لوگ کفر سے بچیں۔ لیکن وہ کفر کر کے اس میں ہمیشہ تک رہیں گے (مسئلہ) اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اُس کی وحدانیت پر ہر شئے گواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت اُس کی معرفت و توحید کا ہر شئی سے مشاہدہ کرتے ہیں اور شئی کے آثار شئے کی کثرت پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اُس کی وحدت کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً گٹھلی ایک ہے لیکن اُس سے بے شمار درخت پیدا ہُوئے اور وہی اُس کے آثار اور اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال　∴　خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ : اے شوریدہ حال حافظ وحدت کا کب تک دم بھرے گا توحید کا قلم این و آن پر کھینچ۔

۲۵ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ،، جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اُن کے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ ابوسفیان ولید، نضر، عُتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ان جیسے اور بڑے لیڈر (مشرکین) جمع ہو کہ حضور پاک نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن سُننے

تھے۔ سب نے نضر سے کہا (اس لئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ دان تھا) کہ بتایئے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلا رہے ہیں۔ اور باتیں وہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں۔ جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں کے واقعات و حالات سناتا ہوں۔ کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے تو اُن کی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو اُن کی کوئی بات حق ہو سکتی ہی نہیں (معاذ اللہ) اُن کی اس گفتگو پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف) مِنْهُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ وَجَعَلْنَا ،، اور ہم نے پیدا کر دیئے ہیں عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ،، یعنی غلاف یعنی بڑے پردے کہ جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کر سکیں۔

(ف) اکنۃ اکنان (بالکسر) کی جمع ہے ہر وہ شئے کہ جس سے کسی شئ کو چھپایا جائے

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ،، یہ مفعول لہٗ ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل کراھۃ اَنْ يَّفْقَهُوْا مَا يَسْتَمِعُوْنَ الخ ہے یعنی کراہت کی وجہ سے کہ وہ قرآن کے سُنے ہوئے کو سمجھ لیں۔

سوال : قرآن کا لفظ آیت میں نہیں۔ تم نے کہاں سے نکال لیا۔

جواب : يَسْتَمِعُ سے دلالۃً معلوم ہُوا

وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ،، اور اُن کے کانوں پر ٹینٹ اور بوجھ ہے یعنی اُن کے کانوں پر یہ بوجھ اس لئے ڈال دیا گیا تاکہ انہیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

فائدہ : یہ تمثیل ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس سے جاہل اور فہم قرآن کی دولت سے بہت دُور اور اُن کے کان قرآن مجید سُننے سے بالکل خالی ہیں۔

عقیدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے۔ کسی کا سینہ ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے تاکہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

وہابیوں و دیوبندیوں کے لئے تازیانۂ عبرت

کچھ یہی حال ہے ان کا جو کلامِ الٰہی اور کلام انبیاء اور ملفوظاتِ اولیاء کرام (علی نبینا وعلیہم السلام) کو انکار کے طور سُنتے اور اُن پر طعن تشنیع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے اُن کے انوار و اسرار و رموز سے محروم رہتے ہیں بلکہ اُن کے ارشادات کی لذت پاتے ہی نہیں، اور نہ ہی اُن کے حقائق سمجھتے ہیں بلکہ یوں کہو اُلٹا مذاقیں اور ٹھٹھا مخول کرتے ہیں (جیسے ہم نے دیوبندیوں وہابیوں کا تجربہ کیا کہ وہ اولیاء کرام کے ملفوظات سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں) اضافہ از اویسی غفرلہ

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ ،، اور اگر وہ آیاتِ قرآنیہ میں سے ساری نشانیاں دیکھ لیں اور اُن کے سُننے کے بعد انکا مشاہدہ کرلیں۔ لَا یُؤْمِنُوْا بِھَا ،، تو ایمان نہیں لائیں گے ان ہر ایک کو جادو سے تعبیر کرکے ٹھکرا دیں گے۔ بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء و اجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کریں گے۔ حَتّٰٓی ابتدائیہ ہے اور اس میں غایۃ کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے یعنی اُن کا فہم قرآن سے دُور ہونے کی نوبت یہاں تک ہے کہ اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ ،، جب آپ کے ہاں حاضر ہوکر جھگڑا کرتے ہیں یجادلونک (جاؤ) کی ضمیر سے حال ہے۔ ای حال کونہم مجادلین لک

یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ،، آیات قرآنیہ سُن کر صرف ایمان نہ لانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ٥ نہیں ہے یہ قرآن مگر اگلے لوگوں کی جھُوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔ اساطیر اسطورۃ (بالضم) کی جمع ہے جیسے اضاحیک اضحوکہ اور اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوں کتاب اللہ بیامدم بر آں — ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں

(۲) کہ اساطیر است و افسانہ نژند — نیست تعمیقی و تحقیقی بلند

(۳) نو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں — دیو آدم را نہ بیند جز کہ طیں

ترجمہ (۱) جب میں کتاب الٰہی لایا تو کافروں نے یوں طعنہ مارا

(۲) کہ بناوٹی اور پُرانا افسانہ ہے اس میں کوئی تعمیق و تحقیق نہیں۔

(۳) اے عزیز تم قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھو اس لئے کہ شیطان صرف آدم کی مٹی کو دیکھتا ہے

۲۶ وَھُمْ اور کافر یَنْھَوْنَ ،، لوگوں کو روکتے ہیں عَنْہُ قرآن اور اُس پر ایمان لانے سے وَیَنْئَوْنَ عَنْہُ اور اپنے نفسوں کو بھی اس سے دُور رکھتے ہیں۔ اس میں قرآن سے سخت نفرت کا اظہار ہے اور اس سے دوسروں کو روکنے کی تاکید کا بیان ہے اس لئے کہ کسی شئے سے دوسرے کو روکنا ہی کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہی راز ہے اس میں کہ یَنْئَوْنَ کو یَنْھَوْنَ کے بعد ذکر کیا گیا۔ (ف) النأی ،، بمعنی البعد ،، وَاِنْ یُّھْلِکُوْنَ نہیں ہلاک و برباد کرتے اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ مگر اپنے نفسوں کو۔ اس لئے کہ اس کا وبال اُن پر آئے گا۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ ٥ اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو۔

۲۷ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ ،، اور اگر تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ (یہ خطاب یا تو رسُولِ خُدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مشاہدہ اور معائنہ کرنے والے کو) اور وقف

بمعنی حبس ہے اور لَوْ کا جواب اور تریٰ کا مفعول محذوف ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی وَلَوْ تَرٰی هُمْ يُوْقِفُوْنَ عَلَى النَّارِ حَتّٰى يُعَانِيُوهَا لَوْ أَيْتَ مَا لَا يساعد ہ "، یعنی اگر تم انہیں آگ پر کھڑے ہُوئے معائنہ کر لو تو تم اُن کا ایسا سخت معاملہ دیکھو گے کہ اس کا بیان حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ فَقَالُوْا "، تو وہ کہیں گے يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ "، کاش کہ کسی طرح ہم دُنیا کی طرف لوٹائے جائیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا "اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے۔ اِن آیات سے آیاتِ قرانیہ مُراد ہیں۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور ہم مسلمان ہو جائیں گے یعنی اُن آیات کے تقاضوں پر عمل کریں گے یہاں تک کہ ہم یہ سخت مؤقف (جہنم) نہ دیکھیں گے۔

(ف) دونوں فعل منصوب ہیں۔ اس لئے کہ یہ لَوْ تمنائیہ اور واؤ کے بعد اَن مقدر ہے اور وُہی واؤ فاء کے قائم مقام ہے۔ خُلاصہ یہ کہ وُہ اُس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم دُنیا میں واپس چلے جائیں تو وہاں جا کر ہم تکذیب نہ کریں گے بلکہ ہم مومن ہو جائیں گے۔

۲۶ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط بلکہ اُن پر کُھل گیا جو پہلے چُھپاتے تھے۔ اَب ایسے نہیں ہوگا۔ جیسے وہ کہتے ہیں کہ کاش وہ دُنیا میں چلے جائیں اور جا کر مؤمن ہو جائیں اس لئے کہ قیامت میں ایمان کی تمنا اس میں رغبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ وہ دُنیا میں چھپاتے تھے۔ یعنی یہی جہنم کی آگ جس پر کھڑے کئے جائیں گے اور چُھپانے سے تکذیب مُراد ہے اس لئے کہ کسی شئے کو چُھپانا اُس سے کفر کرنے کا دُوسرا نام ہے وَلَوْ رُدُّوْا "، اگر بفرضِ محال انہیں دُنیا میں واپس بھیجا جائے۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ تو پھر وُہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے یعنی شرک کریں گے اور جو کچھ دیکھ کر آئے اُسے بھُول جائیں گے۔ اس لئے کہ اُن کی نظریں نقد سودے پر لگی رہتی ہیں۔ اُدھارا اور غیبی سودے سے اُن کا جی نہیں لگتا۔ جیسے ابلیس نے باوجود دیکھ اللہ تعالیٰ کے آیات کا معائنہ کیا، لیکن عناد و سرکشی کی لعنت میں مُبتلا ہُوا ویسے اللہ تعالیٰ تقدیر بر(مبرم) کو کون ٹالے اور جو کچھ اُس نے ازل سے لکھ دیا اُسے کون موڑے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک وہ ایسی قوم ہے جن کا طریقہ تکذیب ہے انہیں کسی امر کے لئے مامور کیا جائے یا روکا جائے تو اس کے برعکس عمل کریں گے۔

فقہاء کی بصیرت : اس آیت سے فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ باغی اور فسادی کا سر قلم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اب اُن سے اَمان اُٹھ گئی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آں ندامت از نتیجۂ رنج بُود — چونکہ رنج نبود ندامت نیست بُود
(۲) چونکہ شُد رنج آں ندامت شد عدم — مے نیرزد خاکِ آں توبہ عدم
(۳) مے کند او توبہ و پیر خرد — بانگ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا مے زند

(۱) ندامت رنج کا نتیجہ ہے جب رنج نہ ہو تو ندامت کیسی ۔

(۲) جب رنج نہ ہو تو ندامت معدوم ہوتی ہے ۔ ندامت نہ ہو تو توبہ کی کوئی قیمت نہیں ۔

(۳) توبہ تو کرتا ہے لیکن کمزور عقل والوں کا فیصلہ ہے کہ اگر وہ دُنیا میں واپس لوٹائے جائیں تب بھی گ وغیرہ کو عود کریں گے ۔

۲۷ وَقَالُوٓا ،، اس کا عطف عادُوا پر ہے اور جواب کے مقام میں داخل ہے اور اُنھوں نے کہا کہ اِنْ هِيَ نہیں ہے (زندگی) هِيَ کی ضمیر حیاۃ کی طرف راجع ہے ۔

سوال : اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس لئے کہ حیاۃ لبعد کو مذکور ہے ۔

جواب : بہت سے ضمائر کو مبہم بیان کیا جاتا ہے لیکن اُن کے مراجع معلوم نہیں ہوتے پھر مالبعد اسی مبہم کی تفسیر بن جاتا ہے ۔

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ مگر ہماری دُنیا کی زندگی اور ھم اُٹھائے نہیں جائیں گے ۔ یعنی دُنیا سے جُدا ہونے کے بعد ہمیں اُٹھنا ہی نہیں گویا اُنھوں نے مرنے کے بعد والے احوال یعنی بعثت ونشور کو کالعدم قرار دے دیا ۔

۲۸ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ ،، اور اگر تم دیکھو جب اپنے ربِّ تعالیٰ کے ہاں کھڑے کئے جائیں گے ۔ جیسے مُجرم غلام اپنے آقا کے سامنے عتاب میں کھڑا ہوتا ہے ۔ اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی لرأیت اَمْرًا عَظِيمًا ۔

قَالَ ،، یہ جُملہ مُستانفہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی زبان سے اُنہیں جھڑکتے ہوئے فرمائے گا ۔

اَلَيْسَ هٰذَا ،، کیا یہ حساب اور بعثت ونشور ۔ بِالْحَقِّ ،، حق نہیں ۔ قَالُوا بَلٰى وَرَبِّنَا ،، کہیں گے بے شک بخدا حق ہے قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ ،، فرمائے گا تو چکھو یہی عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو ،، بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ اس وجہ سے کہ دُنیا میں تم کُفر کرتے تھے ۔

نکتہ : عذاب کے درد کو ذوق سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح چکھنے والا شئے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان وحلق میں محسوس کرتا ہے ۔ ایسے ہی وہ کُفّار عذابِ الٰہی کو ہر وقت محسوس کریں گے بلکہ ہر دُوسرے لمحہ کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہو گا ۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ
بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ
عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝٢٩ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ
اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝٣٠ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝٣١ وَلَقَدْ
كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى
اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى
الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣٢ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ
اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٣٣
اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ
اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝٣٤ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٥
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ
اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝٣٦

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ
اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۳۷ قُلْ
اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ
اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۳۸ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ع ۳۹

ترجمہ : بے شک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب اِن پر قیامت اچانک آگئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں ارے کتنا بُرا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں[۲۹] اور دُنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بیشک پچھلا گھر بھلا ان کے لئے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں[۳۰] ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں[۳۱] اور تم سے پہلے رسُول جھٹلائے گئے تو اُنھوں نے صبر کیا اس جھٹلانے پر اور ایذائیں پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آہی چکی ہیں[۳۲] اور اگر ان کا مُنہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سُننے والے تو ہرگز نادان نہ بن[۳۳] مانتے تو وہی ہیں جو سُنتے ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اُٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے[۳۴] اور بولے ان پر نشانی کیوں نہ اُتری ان کے رب کی طرف سے تم فرمادو کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اُتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں[۳۵] اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے مگر تم جیسی امت میں ہم

نے اس کتاب میں کچھ اُٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اُٹھائے جائیں[۳۶] اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے سیدھے راستے ڈال دے[۳۷] تم فرماؤ بھلا بتاؤ اگر تم پہ اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو[۳۸] بلکہ اسی کو پکارو گے تو وہ اگر چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھالے اور شریکوں کو بھول جاؤ گے[۳۹]"

تفسیر عالمانہ ۲۹ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِلِقَاۤءِ اللّٰهِ " بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے۔ جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ملنے کا انکار کیا۔ یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہوئے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ " یہاں تک کہ جب اِن پر قیامت آگئی۔ یہ غایت اُن کی تکذیب کے لئے ہے نہ کہ اُن کے خُسران کے لئے اس لئے کہ اُن کے خُسران کی کوئی حد نہیں کیونکہ وہ ابدی دائمی ہے۔ بَغْتَةً (اچانک) یہ جاءتہم کے فاعل سے حال اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی باغتۃ مفاجئۃ البَغْتُ وَالْبَغْتَةُ مُفاجاۃ الشئ بسرعۃ من غیر اَنْ یَّشْعُرَ بِہ الانسان الخ یعنی شئے کا اچانک جلدی سے اس طرح واقع ہونا کہ اُس کا انسان کو شعور بھی نہ ہو۔ اگر اسے کچھ تھوڑا سا پہلے اس کے وقوع کا شعور ہو تو اُسے بَغْتَةً نہیں کہیں گے اور ہر وہ گھڑی کہ جس میں قیامت قائم ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ وہ اچانک واقع ہوگی کہ جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ ہوگا (یعنی عوام کو ورنہ انبیاء کرام اور بعض مخصوص اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہوگا) اسی لئے اُسے ساعۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ معمولی گھڑی کہ جس میں ایک بہت بڑا امر واقع ہوا اور ویسے لُغت کے لحاظ سے ساعۃ سعی سے ہے اور وہ چونکہ اپنے وقوع کی جانب سعی کرتی ہے۔ بنا بریں اس نام سے موسوم ہوئی اور اُس کی مسافت مکانات کے بجائے انفاس (سانس) ہیں۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اُنھوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ اچانک اُن پر قیامت ظاہر ہوگئی۔

سوال : اُس کی تکذیب کا انتہا تو موت ہے اور قیامت کا وقوع اس کے بعد بہت دیر سے ہوگا۔

جواب : موت دُنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ پھر جس کی تکذیب کا انتہا اسی وقت کو ہُوا تو اَب ہمارا کہنا صحیح ہوگیا کہ تکذیب کے انتہا کے بعد اس کے لئے قیامت ظاہر ہوگئی واسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہوگئی۔

قَالُوْا ۔ یہ اِذَا جَآءَتْهُمُ کا جواب ہے یعنی قیامت میں کہیں گے۔ يٰحَسْرَتَنَا " ہائے افسوس (الحسرۃ) معنی شدۃ الندم والتالم، یعنی سخت دُکھ درد اور اسے ندا کرنا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت کو متوجہ کرنا مطلوب

نہیں۔ صرف اُن کے تحسر (حسرت) کی شدت میں مبالغہ مقصود ہے گویا کہ وہ دُکھ اور درد کے وقت حسرت کو پکارتے ہوں گے مثلاً اُن کی حسرت کو عرضگذاشت پیش ہوتی ہے کہ اگر تجھے کوئی وقت فرصت دیتا ہے تو آجا اس لئے کہ اب تیرا آنے کا وقت ہے۔ یہی تقریر یٰا وَیلتنا میں کرنی ہوگی۔ اس عبارت سے ندا کرنے والے کی خطا کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کہ وہ جس کا محتاج ہے اسے اُس نے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اسے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیئے تھا اگر اُس نے چھوڑا تھا تو اب حماقت سے حسرت و ندامت وغیرہ کو پکار رہا ہے۔

عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ط اس پر کہ اُس کے ماننے میں ہم نے کوتاہی کی۔ یعنی قیامت کے ماننے میں کوتاہی کرنا اور کوتاہی یہی کہ اُس کے حقوق ادا نہ کئے اور اُس پر ایمان لاکر اس کے لئے تیاری نہ کی یعنی نیک اعمال نہ کئے۔

(**ف**) لفظ علیٰ حسرت کے متعلق اور ما مصدریہ ہے اور تفریط کسی فعل پر عمل کرنے کی قدرت کے باوجود اس میں کوتاہی کرنا، **وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ** ط (اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے) یہ قَالُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات : اوزار وزر کی جمع ہے بھاری بوجھ اُٹھانے کو عربی میں وزر کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: وزرتہ ای حملتہ ثقیلاً یعنی میں نے اُسے بھاری بوجھ اُٹھوایا۔ وزیر کا لفظ اس سے مشتق ہے۔ اسے بھی وزیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا اور لشکر وغیرہ کے امور اُس پر بطور بوجھ کے لاد دیئے ہیں اور گناہ کو بھی وزر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گنہگار پر بوجھل ہیں اور الحمل کا اعیان کثیفہ پر اطلاق ہوتا ہے اور ظہورھم کا ذکر اسی طرح ہے جیسے فیما کسبت ایدیھم میں ہاتھوں کا ذکر ہُوا ہے۔ اس لئے کہ عموماً بوجھ پیٹھ پر اُٹھایا جاتا ہے اور کسب عموماً ہاتھ سے ہوتا ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ قیامت میں نیک اعمال نہ کرنے سے حسرت کریں گے، حالانکہ اُس وقت مزید برآں انہیں برائیوں کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑے گا۔

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ،، خبردار دیکھا کتنا بُرا بوجھ اُٹھائے ہونگے۔

فائدہ : حضرت سعدی (المفتی) نے فرمایا کہ جب بندہ محشر میدان کی حاضری کے لئے قبر سے نکلے گا تو ایک حسین وجمیل مرد اس کا استقبال کرے گا۔ جس کی خوشبو دماغ کو معطر کر دے گی۔ وہ صاحبِ قبر سے پُوچھیگا کہ کیا تم مجھے جانتے ہو وہ کہیگا نہیں۔ وہ فرمائے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مجھ پر سوار ہو جا۔ اس لئے کہ دُنیا میں تو نے مجھے اُٹھائے رکھا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا۔ یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔ یہاں پر وفدا بمعنی رُکباناً ہے۔ اور کافر کو قبر سے نکلتے ہی ایک بدشکل اور نہایت بدبودار شخص کے آگے آئیگا اور کہے گا تو مجھے جانتا ہے۔ وہ کہے گا نہیں وہ جواب دے گا کہ میں تیرا ہی بُرا عمل ہوں۔ دُنیا میں تو مجھ

پر سوار رہا۔ اب میں تجھ پر سوار ہوتا ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُم الخ اس معنے پر علیٰ ظہور ھم اپنے حقیقی معنی پر ہو گا۔ اس لئے کہ اعمال کی بھی صورتیں اور اجسام ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : تمام گناہوں سے زیادہ بوجھل وجود کا گناہ ہے اس لئے کہ تمام گناہوں کا اصلی سبب یہی ہے اور سالک کو سلوک سے بھی روکتا ہے۔

(سبق) سالک کو ہر گناہ سے توبہ لازمی ہے بلکہ راہ حق میں فانی ہو جائے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ؛ کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود داری

ترجمہ : جہاں میں رند کو کوئی فکر نہیں بلکہ اسے خود اپنا بھی خیال نہیں کیونکہ اس مذہب میں خود بینی و خود داری کفر ہے۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ نفس کی خرابیوں سے بچنا نفس کی طاقت سے مشکل ہے جب تک کہ تائید ایزدی نصیب نہ ہو۔

دیگر نسخہ : حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی الترمذی الحکیم قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی دل کو تر و تازہ اور اُسے نرمی بخشتا ہے جب دل ذکر الٰہی سے فارغ ہو تو قلب پر نفس کی حرارت اور شہوات کی آگ کی گرمی پہنچتی ہے۔ اس سے قلب سخت اور خشک ہو جاتا ہے اسی وجہ سے پھر دیگر اعضاء طاعتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔ جب یہ بیماری طول پکڑے تو دل خشک ہو کر ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے درخت کو پانی نہ ملے تو وہ خشک ہو جاتا ہے پھر اسے سوائے کاٹنے کے کوئی اور چارہ نہیں رہتا۔ یہی قلب کا حال ہے پھر جس طرح وہ درخت کٹا ہُوا سوائے جلانے کے اور کسی کام نہیں رہتا۔ ایسے ہی خشک اور سخت قلب وغیرہ سوائے جہنم کے ایندھن کے اور کسی کام کا نہیں ہوتا (اعاذنا اللہ عنہا)

خلاصہ یہ کہ ذکر توحید اور اہل اللہ کی اتباع سلوک طریقت کے اصل الاصول ہیں۔

حکایت : حضرت علی بن الموفق رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں ایک سال حج کے لئے سوار ہو کر بیت اللہ شریف کو جا رہا تھا۔ چند لوگوں کو پیدل چلتے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ پیدل چلوں؛ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کو سواری پر سوار کیا اور خود اُن کے ساتھ چل پڑا۔ ہم چلتے چلتے راستہ بھُول گئے اور ایک جنگل میں جا پہنچے۔ تھکے ہارے تھے۔ اس جنگل میں ہم سب سو گئے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ چند نوجوان لڑکیاں سونے کے تھال اور چاندی کے لوٹے لئے ہُوئے حج کے لئے پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور مجھے پُوچھا تک بھی نہیں۔ اُن میں ایک نے بول کر اپنی ساتھیوں سے کہا کہ اس کے پاؤں کیوں نہیں دھوتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سواری والا ہے۔ ہم صرف پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھونے پر مامور ہیں انہیں ایک دوسری نے کہا کہ یہ بھی ان پیدل چلنے والوں میں سے ہے اگرچہ اس کی سواری تھی لیکن اُس نے دوسرے کو دے کر پیدل چلنے والوں کے ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ پھر میرے بھی

پاؤں دھوئے گئے۔ اس سے میری تھکان اور دوسری تمام پریشانیاں دُور ہوگئیں۔

صُحبت اولیا کی شان : اللہ والوں کی صحبت کی ایک معمولی شان یہ ہے کہ جو اعتقاد صحیح سے ان کے ساتھ رفاقت اختیار کرتا ہے اسے بھی انہی کی طرح انعامات و کرامات نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تو اولیاء کرام کی صحبت کی برکات ہیں نبوت کی صحبت سے کتنا درجات نصیب ہوں گے۔ اگر مشرکین عرب حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کا قرآن پاک سُن کر اُن کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے تو انہیں نجات بھی نصیب ہوتی اور گناہوں کے بوجھ بھی اُتر جاتے ہیں اور جنۃ الفردوس کی نعمتوں سے نوازے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ، یہاں پر مضاف یعنی لفظ اعمال محذوف ہے یعنی دراصل (وَمَا أَعْمَالُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تھا۔ وہ اعمال جو صرف دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ دُنیا کے متعلق کچھ نہیں ہیں۔

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط مگر کھیل کود جو لوگوں کو غافل کرتے اور اُنھیں کھیل کے منافع کی لالچ میں ایمان سے دُور رکھتے ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ دائمی لذات تک پہنچاتے ہیں۔ لعب ،، ہر وہ عمل جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کرکے مفید باتوں سے نفرت پیدا کر دے اور لہو ہر وہ فعل جو نفس کو منافع کی جدوجہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کر دے۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ،، البتہ دار آخرت یعنی وہ مقام جہاں اُخروی زندگی بسر ہوگی خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ یہاں پر متقین سے وہ لوگ مُراد ہیں جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اس لئے کہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک اور اُن کی لذات ہر آلام اور صدمے سے محفوظ اور پھر دائمی اور غیر منقطع ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ یہ فاء عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ فعل مقدر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی یعنی اَتَغْفُلُوْنَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ اَیَّ الْاَمْرَيْنِ خَيْر۔ یعنی کیا تم غفلت کے نشہ میں ہو۔ اسی لئے نہیں سمجھتے ہو کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے۔ حیات دُنیا یا آخرت۔

(ف) دُنیا کو اس لئے دُنیا کہتے ہیں کہ وہ بہ نسبت آخرت کے انسان کو قریب تر ہے۔ یا دنائت سے مشتق ہے یعنی خسیس ترین اور آخرت کہا جاتا ہے کہ وہ دُنیا سے مؤخر ہے۔

سوال : آخرت کو غائب کیوں رکھا گیا۔

جواب : اگر وہ غائب نہ ہوتی تو کفار انکار کیوں کرتے ، حالانکہ یہ دُنیا صرف امتحان کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس میں آخرت و دیگر باتوں سے انسان کی آزمائش کی جائے۔ اگر آخرت آنکھوں سے اُوجھل نہ ہوتی تو امتحان کا مقصد حاصل نہ ہوتا اسی لئے دُنیا کی زینت کو آزمائش قرار دیا گیا۔

صُوفی کی دُنیا : صُوفیہ کرام کے نزدیک دُنیا سے وہ امر مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں کردے۔ **(دُنیا کا دائرہ)** اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ اُن کے اندر ہے (یعنی عالمِ کون و فساد) سب کے سب دُنیا کے دائرہ میں ہیں۔

آخرت کا دائرہ : عرش و کرسی اور اُن کے جمیع متعلقات اور اعمال صالحہ اور ارواح طیبہ اور جنت اور جو کچھ اُس کے اندر ہے آخرت کے دائرہ میں ہیں۔

حدیث قدسی : جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا فرمایا تو اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے دُنیا اُس کی خدمت کرنا جو میری اطاعت و فرمانبرداری کرے اور جو تیری خدمت کرے اُسے خوب لتاڑنا۔

دُنیا اَولیاءِ کرام کے قدموں میں : بعض اولیاء کرام کے ہاں دُنیا بوڑھی عورت کے لباس میں حاضر ہو کر اُن کے آستانوں کو جھاڑو دیتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں روزانہ روٹی پیش کرنے کے لئے حاضری دیتی ہے۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا مومن کے لئے پیدا فرمائی تو پھر اُنہیں زُہد کا حکم کیوں۔

جواب : لو نثر السکر علیٰ رأس الختن لا یلتقطہ لعلو ھمتہ ولو التقطہ فکان عیبًا

ترجمہ : اگر اللہ والے کے سر پر دُنیا نچھاور کی گئی تو وہ اپنی بلند ہمتی سے اُسے اُٹھانا اپنا عیب سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف : اپنے نفوس کو جنۃ الفردوس کے ولیمہ کے لئے بھُوکا رکھو۔

فائدہ : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو سیر ہو کر نہیں کھاتا اس اُمید پر کہ شاید طعام کے بعد حلوا ملے۔

حکایت قاضی مع یہودی : منقول ہے کہ بغداد کے ایک قاضی صاحب گل خاں یہودی کے گھر کے قریب وزیر اعظم کی طرح نہایت شان و شوکت اور خدام و حشم کے ساتھ گذارتا تھا۔ ایک دن یہودی گھر سے باہر نکلا۔ نہایت عاجز و ذلیل حالت میں۔ اور شکل کا نہایت قبیح و سیاہ کہ اس سے تارکول کا نیل بھی بہتر لیکن قاضی صاحب آن بان سے گذر رہے تو یہودی نے اُن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ تمہارے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت ہے، لیکن معاملہ برعکس ہے کہ تم نہایت شان و شوکت میں اور میں بقول شما کافر ذلت و خواری میں قاضی صاحب نے (اپنے زمانہ میں اکابر فضلا سے شمار ہوتے تھے) برجستہ جواب دیا کہ آخرت کی نعمتوں کی بہ نسبت ہم آج بھی قید خانہ میں ہیں اور دوزخ کے تکالیف اور عذاب کے مقابلہ میں اَب تم بڑے آرام میں ہو۔

دُنیا و آخرت کی ایک عجیب مثال

: دُنیا و آخرت مثال اس شخص کی ہے کہ جس کی دو عورتیں ہوں کہ اگر ایک کو راضی کرتا ہے تو دُوسری ناراض ہوتی ہے۔ بیک وقت دونوں کا راضی کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک ان میں سے ایک کو طلاق نہ دے۔ ایسے ہی انسان دُنیا کو ترک کرے گا تو آخرت بہتر ورنہ پھر آخرت میں ذلت و خواری۔

حکایت : ایک بزرگ نزع کے وقت فرما رہے تھے کہ مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میری آخرت نہ سنور سکی اور مجھے غم و الم گھیر گئے یا مجھ سے خطاؤ ذنوب سرزد ہوئے بلکہ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں زندگی میں ایک رات عبادت سے سوگیا اور مجھ سے عمر میں ایک روزہ قضاء ہوگیا اور مجھ پر زندگی میں ایک گھڑی ایسی گذری جس میں غفلت سے ذکرِ الٰہی نہ ہوسکا۔ ؎

نہ عمرِ خضر بماند نہ مُلکِ اسکندر　　　نزاع بر سرِ دُنیائے دوں مکن درویش

ترجمہ : نہ خضر کی عمر رہیگی نہ سکندر کا مالک اسی لئے اے درویش دُنیا کمینی کے متعلق جھگڑا نہ کر ،،

فائدہ : دُنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور بہتر ہے۔

حکایت : حضرت جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں گئے۔ ہم نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ اچانک ہمارا ایک بہترین محل سے گذر ہُوا (جس کی نئی تعمیر ہو رہی تھی) اسے ایک نہایت حُسین وجمیل نوجوان تعمیر کرا رہا تھا اور اپنی نگرانی میں کاریگروں کو حکم دے رہا تھا۔ ہم نے اُس کو السلام علیکم کہا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: بیٹے اس پر کتنا روپیہ خرچ کرنے کا ارادہ ہے۔ اُس نے عرض کی : اس پر ایک لاکھ درہم کا تخمینہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہی لاکھ درہم مجھے دیدے۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں بہترین محل دلوادوں گا۔ جس میں خدمت کے لئے نوخیز لڑکے اور لاتعداد خدام ہوں گے اور اس محل کے سونے کے بہترین قبہ جات اور خیمے (جو جواہرات سے مرصع ہوں گے) اس کی مٹی زعفران کی ہوگی (جس پر مشک و عطر کا چھڑکاؤ ہوگا) اس میں نہ پہلے کوئی ٹھہرا ہوگا اور نہ کسی کی ملکیت ہوگا۔ (گویا مالک بن دینار کو اللہ تعالیٰ نے یوُں فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرما رہے ہیں) چنانچہ آپ کی بات اس نوجوان کے دل پر اثر کرگئی اور فوراً حکم دیا کہ لاؤ قلم دوات اور کاغذ تاکہ میں ان سے یہ تحریر لکھالوں،،

چنانچہ کاغذ قلم لایا گیا جس پر حضرت مالک بن دینار نے لکھا : بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ،، یہ وہ تحریر ہے کہ مالک بن دینار اس نوجوان کو لکھ کر دے رہا ہے کہ میں اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ سے اس محل کے عوض مذکورہ صفات کا محل دلوادوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں کہ وہ اس سے زائد عطا فرمادے۔ پھر نوجوان نے فرمایا : جاؤ میں نے تیرے سے محل مذکورۃ الصفات کے عوض یہی محل خرید لیا ہے اور جنت میں

تجھے اس محل سے کئی گنا زائد محل ملے گا جس کا سایہ طویل ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوگا۔ تحریر مذکور لپیٹ کر مالک بن دینار نے اس شخص کے حوالے کر دی اور نوجوان سے لاکھ دراہم لے کر فقراء و مساکین پر بانٹ دیئے۔ اس نوجوان کو ابھی چالیس دن نہ گزرے تھے کہ اُس پر موت آگئی اور اُس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ تحریر مذکور کفن کے اندر رکھ دینا۔ اُسی رات حضرت مالک بن دینار نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں ایک مکتوب رکھا ہے جسے اُنھوں نے کھولا تو اس پر سیاہی کے بغیر لکھا ہُوا تھا: هٰذَا بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ الخ یعنی وہ براءت نامہ ہے جو مالک بن دینار نے نوجوان سے وعدہ کیا تھا اسے ہم نے پورا کر دیا کہ اسے بہترین محل بھی ہم نے عنایت فرما دیئے اور ستر گنا زائد انعامات و کرامات۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ پایاں بیں ترا و مسعود تر — جد ترا و کارد کہ افزوں دید بر
(۲) زانکہ داند زیں جہاں کاشتن — ہست بہر محشر و برداشتن
(۳) آخرت قطار اشتر ران بملک — در تبع دُنیاش ہمچوں پشم پشک
(۴) پشم بگزینی شتر نبود ترا — ور بُود اشتر چہ قیمت پشم را

ترجمہ (۱) جو انجام کو دیکھتا ہے وہی مسعود ترین جو جتنا کوشش سے کھیتی کاشت کریگا اتنا ہی بہت زیادہ پھل حاصل کریگا۔
(۲) اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ جو اس جہان میں کاشت ہے وہی محشر میں پھل اُٹھائے گا۔
(۳) آخرت میں اس کے لئے اونٹوں کی قطار نصیب ہوگی۔ پشم وغیرہ اس کی تبع میں ہوگی۔
(۴) اون تو ہو لیکن اونٹ نہ ہو کیا فائدہ؛ کیونکہ اُونٹ سے ہی اُون قیمت پاتی ہے۔

یعنی اگر تو دُنیا کو چاہتا ہے (جو بمنزلہ اُونٹ کی اُون کے ہے) اور آخرت کو تو نہیں چاہتا (جو بمنزلہ اُونٹ کے ہے) تو تُو آخرت سے محروم ہو جائے گا بخلاف اس شخص کے کہ جس کا اُونٹ اپنا ہو تو اُسے نہ اُون خریدنی پڑے گی اور نہ ہی کسی سے اُونٹ مانگنے کی ضرورت ہوگی۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

(۱) باز گو نہ اے اسیرانِ جہاں — نام خود کردید امیران جہاں
(۲) اے تو بندی ایں جہاں محبوس جان — چند گوئی خویش را خواجہ جہاں
(۳) تختہ بنداست آنکہ تختش خواندۂ — صدر پنداری و بر در ماندۂ
(۴) پادشاہی نیستت بر ریش خود — پادشاہی چوں کنی با نیک و بد
(۵) بے مراد تو شود ریشت سفید — شرم دار از ریش خواری کنز اُمید
(۶) افتخار از رنگ و بُو وازمکان — ہست شادی و فریب کودکاں
(۷) کون میگوید بیا من خوش پے ام — واں فسادش گفتہ او من لاشیٔ ام
(۸) اے زخوبیٔ بہاراں لب گزاں — بنگراں سردی و زردی خزاں

(۹) روز دیدی طلعتِ خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب
(۱۰) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق — حسرتش را ہم ببین وقت محاق
(۱۱) کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد فردا شد خرف رسوائے خلق
(۱۲) اے بدیدہ لوتہا چرب و چیز — فضلۂ آنرا ببین در آبریز
(۱۳) مرخبث را گو کہ آں خوبیت کو — بر طبق آں ذوق وآں نغزی و بُو

(۱۴) پس انامل رشکِ استاداں شدہ — در صناعت عاقبت لرزاں شدہ
(۱۵) نرگس چشم خمار ہمچوں جان — آخر اعمش بیں و آب از وے چکاں
(۱۶) حیدرے کاندر صف شیراں رود — آخر او مغلوب موشے مے شود
(۱۷) زُلف جعد مشکبارِ عقل بر — آخر آن چوں دنب زشت خنک و خر
(۱۸) خوش بیں کونش ز اول باکشاد — و آخراں رُسوا ببیں و فساد

ترجمہ: (۱) اسیران جہان کو خبر دو کہ امیران جہان کی آگ ان کی اپنی پیدا کردہ ہے۔
(۲) تو اسی جہان کا قیدی ہے پھر تجھے جہان کا سردار کہنے کا کیا فائدہ۔
(۳) یہ تو قید کا تختہ ہے جسے تو تخت کہہ رہا ہے خود کو صدر سمجھتا ہے حالانکہ تو تو عاجز ترین بندہ ہے
(۴) جب تجھے داڑھی پر قبضہ نہیں تو پھر نیک و بد پر کیسے شاہی کر رہا ہے۔
(۵) مُراد کے بغیر تیری داڑھی سفید ہوگئی اے ٹیڑھی اُمیدوار اپنی داڑھی کی لاج رکھ۔
(۶) رنگ و بو اور مکان پر نازاں ہے یہ تو صرف ظاہری خوشی اور بچوں کا کھیل ہے۔
(۷) دُنیا تو کہتی ہے کہ آجا میں خوش قدم ہوں لیکن اس کا فساد کہتا ہے کہ میں ناچیز ہوں۔
(۸) بہار کی خوبی سے لب بند کرلے اس کی سردی اور خزاں کی زردی کو دیکھ۔
(۹) دن کو تو سورج کو نور سے چمکتا دمکتا دیکھتا ہے لیکن بوقت غروب اس کی موت کو یاد کر۔
(۱۰) چودھویں کے چاند کی اس دُنیا میں چاندنی دیکھتا ہے کیسی ہے لیکن گرہن کے وقت بھی اسکی حسرت دیکھ۔
(۱۱) بے ریش لڑکا حسن سے مخلوق کا مولیٰ بنا پھرتا ہے لیکن چند روز بعد بیکار اور رسوائے خلق نظر آتا ہے۔
(۱۲) کھانے کے رنگ و چرب لبھانے والا منظر دیکھتا ہے لیکن فضلہ دیکھ لیا کر کہ پاخانہ میں اسکا کیا انجام ہے۔
(۱۳) پلیدی کو کہو تمہیں خوبی کیسی طبق پر کہاں تیرا ذوق اور بدمنظری اور بدبُو۔
(۱۴) ہنرمندوں کے ہاتھ میں بعد کو رشک بنا پہلے تو تیار کرتے وقت اس کا بُرا حال تھا۔
(۱۵) نرگس کی آنکھ کا خمار جان کی طرح پیارا ہوتا ہے لیکن بعد کو وہ اندھی اور خون کے آنسو بہاتی ہے۔

(۱۶) ایک وقت شیر شیروں میں غراتا ہوا نظر آتا ہے لیکن بعد مرگ اس سے چوہے کھیلتے ہیں۔
(۱۷) چھڑکال کی زلفیں ایسی خوشبودار کہ عقل کو ہوش نہیں رہتا۔ بالآخر وہ نہایت قبیح اور گدھے کے دم کی طرح بیکار ہوتی جاتی ہے۔
(۱۸) دُنیا کا ابتداء تو نہایت خوش منظر اور کشادہ ہے لیکن انجام اس کا رسوائی و فساد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو زندگی دنیوی اور نفسانی نازونعم اور عیش وعشرت میں بسر ہو وہ بچوں والی زندگی ہے جیسے بچوں کو صرف کھیل کود سے کام ہوتا ہے یا اس کی زندگی نافرمانوں والی ہے کہ وہ بھی سوائے لغویات کے اور کچھ نہیں جانتا۔ ایسے شخص کو حجابات میں اضافہ ہوگا اور بشریت سے رُوحانیت کی سیر ترک شہوات اور اعراض عن غیر الحق اور توجہ الی اللہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دیگر سے تعلق نہیں جوڑتے اُن کی آخرت کی زندگی بہتر و برتر ہے۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ،، کیا تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی شان سے پیدا فرمایا اور صرف اپنے لئے نہ کہ غیر کے لئے چنانچہ فرمایا: وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ (میں نے تمہیں صرف اپنے لئے جوڑا ہے) اے اللہ ہمیں توضیع عمر سے بچا اور ہماری حقیقۃ الامر کی رہبری فرما۔ اس لئے کہ تو وہاب اور ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ ٥ قَدۡ نَعۡلَمُ ،، قد تکثیر یہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وُسعت علمی کی طرف اشارہ ہے بوجہ متعلقات کی کثرت کے یعنی ہم جانتے ہیں کہ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے لَيَحۡزُنُكَ ،، آپ کو رنج دیتی ہے۔ الَّذِیۡ يَقُوۡلُوۡنَ ،، یہ یحزنک کا فاعل اور عائد محذوف ہے دراصل الذی یقولونہٗ تھا (وہ بات جو کفار مکہ کہتے ہیں) اُن کی گفتگو پہلے گذری ہے (وہ حضور علیہ السلام کے قرآن پڑھنے پر کہتے) اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ (اسی طرح اور اُن کی وہ باتیں جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں)

فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ ،، آپ ان کی باتوں کو خیال میں نہ لائیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیجئے۔ اس لئے کہ یہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بنابریں حقیقت میں وہ آپ کی تکذیب ہی نہیں۔ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ٥ لیکن وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے بلکہ اُن کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں تو وہ درحقیقت مجھے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں۔ اب میں ہی اُن سے سخت تر انتقام لوں گا۔

(ف) ظلم سے یہاں انکار مُراد ہے۔

(ف) جحود جان بوجھ کر انکار کرنے کو کہتے ہیں اور بایات اللہ کی باء فعل سے متعلق ہے اور اس کی تقدیم صرف قصر کی وجہ سے ہے۔ جحد متعدی بنفسہٖ بھی ہوتا ہے اور متعدی بالباء بھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے جحد حقہ

دجهد بحقه ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق کا انکار کرے۔

۳۴ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ،، اس میں رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تسلّی دی گئی ہے کہ بخدا آپ سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام بھی جھُٹلائے گئے۔ حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ذی شان تھے اور تعداد بھی اُن کی بہت زیادہ تھی۔ جب وَباء پھیلتی ہے تو وہ عام ہوتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وباء ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی۔ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا، تو اُنھوں نے اُن کے جھُٹلانے اور اُن کی ایذاؤں پر صبر فرمایا۔ حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ،، یہاں تک کہ اُن کے ہاں ہماری مدد آئی۔ یعنی اُن کے صبر کی غایت ہماری مدد تھی۔ آپ بھی اُن کی اقتداء کیجئے اور وہ ان سے جتنی تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن پر صبر کیجئے۔

(ف) صابرین کو صبر کے وعدہ کا ایفاء یا بطریق اظہارِ دلائل و براہین کے ہوتا ہے یا ان کو دشمنوں پر قہر و غلبہ نصیب ہوتا ہے یا اُن کے دُشمنوں کو تباہی و بربادی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دلِ صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ؛ ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

اور فرمایا

گرت چو نوح نبی صبر ہست برغم طوفاں ؛ بلا گردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ : (۱) اے دل صابر ہو اور غم نہ کھا اس لئے کہ بالآخر اس شام کی صبح ہوگی اور رات کی سحر۔

(۲) اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح طوفان و غم پر صبر ہے تو تیری کئی سالوں کی مراد ضرور پوری ہوگی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ،، اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات سے نصرو غلبہ کے وعدے مراد ہیں ؛ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اور آپ کے ہاں حضرات رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السّلام کی خبریں آ ہی چکی ہیں۔ یعنی اُنھیں جو منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اُس کی خبریں آپ کو معلوم ہیں جن سے آپ کی تسلی و تسکین ہوگی۔

۳۵ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ،، اور اُن کا مُنہ پھیرنا آپ پر شاق گزرا ہے یعنی ان کا ایمان اور آپ کے لائے ہُوئے قرآن سے انکار و رُوگرداں ہونا آپ کو شاق گزرا اور آپ اسے ایک عظیم حادثہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بار بار تکذیب کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے آیات سے نہیں اور آپ کا خیال ہے کہ آپ

ان کا مطالبہ پورا کریں۔ اس لئے کہ آپ کو حرص ہے کہ وہ سارے کے سارے مسلمان ہو جائیں۔ جب وہ نہیں مانتے آپ کو دکھ ہوتا ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ ،، پس اگر تمہیں استطاعت ہے تو تم زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو۔

(ف) نفقاً بمعنے سرب و منفذ بمعنے سرنگ۔

اَوْ سُلَّمًا یا سیڑھی فِی السَّمَآءِ ،، آسمان پر تاکہ اوپر چڑھ جاؤ فَتَاْتِیَهُمْ ،، پس آسمان سے اُن کے لئے لے آئیں بِاٰیَةٍ کوئی نشانی جیسے ان کا مطالبہ ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا "نفق" ہر وہ سرنگ جو زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جائے تاکہ وہاں سکون و آرام ملے اسی لئے چوہے کی بل کو نافقاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ چوہا زمین کو چیرتا ہوا اس کے اندر ایک گڑھا کھود کر دوسرے حصہ سے نکل جاتا ہے تاکہ اس کے ایک سرے سے اگر اسے تکلیف پہنچے تو دوسرے سرے سے نکل جائے وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ الخ جملہ شرطیہ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی جزاء ہے اور اس کی اپنی جزاء محذوف ہے۔ وہ ہے فاعل یعنی اگر اُن کے مطالبہ کو پورا کرنا ہو تو مذکورہ بالا افعال کے ذریعہ سے پورا کرو۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے لئے اسلام کا کتنا حرص تھا اس لئے کہ اگر آپ کو ان کے اسلام کی خاطر زمین یا آسمان سے بہ تکلف کوئی چیز لانی پڑتی تو بھی اُن کی خاطر کر گزرتے تاکہ وہ ایمان قبول کرلیں لیکن آپ چونکہ مامور من اللہ تھے اس لئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدود رہی[1]۔

سوال: تتخذ ،، کے بجائے تبتغی کیوں کہاں گیا

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ جب زمین میں سرنگ لگانا آسمان پر چڑھ کر کوئی شئی تلاش کرنے کی نفی ہے تو پھر اتخاذ کا کیا معنی (ویسے یہ خطاب عمومی ہے جس میں حضور علیہ السلام کو مراد میں شامل کر کے عدم اختیار کا ثبوت پہنچانا کسی احمق کا کام ہو سکتا ہے، ورنہ بحیثیت تفسیر معنی دیگر است[2]) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دینا چاہتا۔ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ،، تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے اختیار ہدایت سے روگرداں ہو گئے ہیں باوجودیکہ انہیں ہدایت پانے کی

---

[1] ورنہ یہ بات نہ تھی کہ آپ کو آسمان یا زمین سے کسی شئی کو لانے کا اختیار بھی نہ تھا۔ وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو لوگ یہ آیت حضور علیہ السلام کے عدم اختیار پر پیش کرتے ہیں وہ ذرا سوچیں ۱۲۔ اویسی

[2] ایسے خطابات عمومی کہلاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو شامل کرنا گمراہی ہے۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تفسیر اور اصول تفسیر احسن البیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

قدرت حاصل ہے اور بہت بڑے دلائل و براہین آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کر رہے ہیں لیکن ایمان قبول کرنے کا خیال تک بھی نہ کیا۔ اس لئے کہ آپ ان کی ہدایت کے لئے جد و جہد نہ فرمائیے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ٥ پس اے مخاطب جاہل و نادان نہ ہو کہ انہونی بات پہ تو ہو جانے کے حرص میں ہے۔ اور جہاں صبر کرنا ہے وہاں جزع فزع کرنا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شانیں مختلف ہیں۔ اس کی مرضی ہے کہ ایمان سے نوازے چاہے اس کو کورا رکھے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت خود فرماتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ " میرے رب کریم نے میری بہترین تربیت فرمائی۔ تاکہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤف الرحیم ہو کر کسی ایسے پر شفقت نہ فرمائیں جو اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ " بے شک آپ کی دعوتِ اسلامی وہ قبول کریں گے۔" اَلَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ " جو سنتے ہیں یعنی جنہیں سماع قبول اور فہم و تدبر نصیب ہوا۔ نہ مردے جن میں یہی کفارِ مکہ بھی شامل ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک ببابد کہ شود قابل فیض ــــــ ورنہ ہم سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ:۔ گوہر پاک ہو وہی فیض کے قابل ہے پتھر اور مٹی لؤلؤ مرجان برابر تو نہیں ہو سکتے۔

"وَالْمَوْتٰى " اس سے کفار مراد ہیں عدم قبولِ سماع کی وجہ سے انہیں موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

"يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ " اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائیگا۔ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ پھر وہ اسی کیطرف لوٹیں گے اس کے غیر کیطرف نہیں یا اس کی سزا و جزا کیطرف لوٹیں گے پھر اسوقت مجبور ہو کر مانیں گے لیکن اسوقت کا ماننا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ ۳۵ وَقَالُوْا اور قریشِ مکہ کے لیڈروں نے کہا لَوْلَا یہ حرفِ تخصیص بمعنی "ھلا" ہے یعنی کیوں نہ نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ " اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کیطرف سے جیسے ناقہ صالح علیہ السلام کے لئے اور عصا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ وغیرہ وغیرہ تاکہ وہ نشانیاں ہمیں ایمان پر مجبور کر دیتیں قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً " اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی طلب کے مطابق کوئی نشانی اتارے۔ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ لیکن ان کے اکثر نرے جاہل ہیں۔ اگر آیات نازل ہوتیں تو وہ ان کے لئے آزمائش ہوتیں۔ اگر نہ مانتے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔

اہل ادیان کی تقسیم لوگ دینی معاملات میں چار قسم ہیں۔ (۱) سعادت کے رنگ میں نفس و روح کے اعتبار سے سراپا سعادت مندیہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں اور

اُن کے طفیل اہل طاعت اولیاء کرام۔

(۲) بدبختی کے لباس میں نفس و رُوح کے لحاظ سے سراپا بدبخت یہ کفار اور وہ گنہگار جو کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) کا بار بار ارتکاب کرتے ہیں۔

(۳) سعادت کے رنگ میں ازلی بدبخت جیسے بلعم باعورا۔ برصیصا اور اُن کا امام ابلیس۔

(۴) شقاوت کے (چند روز) لباس میں ازلی سعادت مند جیسے حضرت بلال۔ صہیب رُومی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہ زندگی کے اوائل میں شقاوت میں تھے بعد کو چوٹی کے متقی و پرہیزگار ہُوئے۔

سوال : سعادتمند اور بدبخت پیدا ہی کیوں ہُوئے؛ حالانکہ اسے طاقت تھی کہ سب کو ہدایت یافتہ فرماتا چنانچہ خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى اور فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

جواب : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں دیکھا کہ فلاں نافرمانی کریگا بوجہ اس کی اس استعداد کے جو سعادت سے رُوگردانی کر کے شقاوت کو اختیار کرے گا تو اُسے اعیانِ ثابتہ میں بھی شقی بنایا (کیونکہ اُس کی اپنی استعداد کا یہی تقاضا تھا) اور بندوں میں استعداد کا ظہور صفت جلال الٰہی کے مختلف شانوں کے مظہر ہونے کی وجہ ہے گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے خود ہی شقی ہونے کی استعداد مانگی کیونکہ آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ سے زبانِ قال و حال سے اپنی استعدادات کا سوال کیا کرتے ہیں اور استعداد کی ہر آن نئی شان ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں استعدادات کے مطابق سعادت و شقاوت دیتا ہے یعنی وہی ازل اعیان ثابت غیبیہ علمیہ کے مطابق جس بندے کے متعلق ازلی علم متعلق ہُوا کہ وہ اطاعت کرے گا تو اسے سعادت مند بناتا ہے۔ یعنی اس سعادت اجمالی اور اس قابلیت کے مقتضیٰ پر جو اس کی نشأۃ ثانیہ میں امانت رکھی گئی ہے؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سعادت مند انسان نے فوراً جواب میں بلیٰ کہا۔ اُس کا یہی جواب دینا دلالت کرتا ہے کہ اُس کی سعادت ازلی ہے۔ اگر استعداد کی صنعت اس میں نہ ہو تو پھر اُسے مُکلف بنانا اور احکام کا مخاطب کرنا لایعنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جُملہ افعال خالی از حکمت يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ کا یہی مطلب ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ سعادت مند کو اقوال پسندیدہ اور افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں۔ انہی سے اسے انبساط ہوتا ہے اور شقی کو وہ امُور نصیب ہوتے ہیں جو انقباض پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشقیاء کی اذیتوں اور پریشان کُن باتوں پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کا صبر و تحمل آخرت میں غفران اور ترقی درجات کا سبب ہے اس لئے کہ بہشت کے درجات و کمالات کا حصُول انہی امور سے ہوگا۔

حدیث شریف : میں ہے کہ بہشت میں چند ایسے مقامات ہیں جو ہوا میں معلق ہیں جنہیں صرف مصائب و تکالیف میں گھرے ہُوئے انسان حاصل کریں گے اوروں کو وہ مراتب و مقامات نصیب نہیں ہوں گے۔

فائدہ : انسان کو دین کے مرتبہ کے مطابق تکالیف و مصائب میں مُبتلا کیا جاتا ہے۔ جتنا وہ دین میں متصلب ہوگا اتنا وہ مصائب میں گھرا ہُوا ہوگا۔ اگر اُس کو دین میں تصلّب نہیں ہوگا تو وہ مصائب و تکالیف سے محفوظ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اکثر مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کے وقت تمام گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر جاتا ہے۔

فائدہ : دراصل مصائب و تکالیف اللہ تعالیٰ کا ڈنڈا ہے جو بندوں کو اس لئے مارتا ہے کہ وہ دُنیا میں نہ گِھر جائیں نہ اس میں بہت زیادہ مشغول ہوں بلکہ ربانی سزا کھا کر اپنے مالک و مولا کی طرف ایسے بھاگیں جیسے گھوڑا مار کھاتے وقت اپنے اصطبل کی طرف دوڑتا ہے اور صرف آخرت ہی دار القرار ہے۔

ے ما بلا را بکس عطا نکنیم ⁂ تاکہ نامش ز اولیاء نکنیم

ترجمہ : ہم اپنی بلا کسی کو نہیں دیں گے تاکہ اس کا نام اولیاء میں ہو اور ہم محروم رہیں ایسا نہیں کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ جسے مصائب و تکالیف میں مُبتلا کیا جاتا ہے اُس کی عافیت و سلامتی صبر میں ہے اور صبر سے ہی حقیقی اُمتی کہلانے کا مستحق بنتا ہے اور اسے حقیقی اتباع اپنے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ آپ نے ہی مصائب و تکالیف میں صبر سے کام لیا۔

ﮯ۳۶ **وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ** ،، مِنْ زائدہ استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور فِی کا متعلق محذوف اور اور دابۃ کی صفت ہے گویا عبارت یوں ہے : وَمَا فردٌ مِنْ افراد الدواب یَسْتَقِرُ فی قطرٍ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یعنی دواب کا کوئی فرد زمین کے کسی بھی ٹکڑے پہ ٹھہرتا۔ **وَلَا طَائِرٍ** ،، اور نہ ہی کوئی پرندہ (جو آسمان و زمین کے خلا میں) **يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ** ،، اپنے دو پروں پہ اڑتا ہے۔ جیسا کہ عادتًہ وہ دو پَروں پر اُڑتا ہے۔

(ف) طَیَرَان کے بعد (پروں) کی قید محض تاکیدی ہے۔ جیسے نظرت بعینی اور اخذت بیدی" میں عین اور ہاتھ محض تاکید کے لئے یا مجازی معنے کے وہم کا ازالہ کیا گیا ہے اس لئے کہ طیران سرعتِ سیر کے لئے مجازًا مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے طار فُلَانٌ فِی الْاَرْضِ۔ اے اسرع (تیز اُڑا)

إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ،، مگر وہ تمہاری جیسی اُمتیں ہیں یعنی تمہاری طرح اُن کے احوال محفوظ اور اُن کے رزق اور اجل مقدر ہیں۔ **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ** ،، ہم نے اِس کتاب میں کسی شئ کو نہیں چھوڑا۔ فرط فی الشئ معنی ضیّعہ و ترکہٗ ہے۔ یعنی اس شئ کو فلاں نے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ اَب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے قرآن میں کسی ایک شئ کو بھی نہیں چھوڑا یعنی ہر چھوٹی بڑی کو اس میں بیان کر دیا۔ [1]

---

[1] اہلسنت کا استدلال اس آیت سے بھی ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے علوم کلی عطا فرمائے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ :- اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں جمیع مخلوقات کی ہر شے کے مصالح قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تفصیلاً بھی اجمالاً بھی تفصیلاً جیسے اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ اور اجمالاً جیسے وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

حکایات امام شافعی اور علوم قرآن سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد حرام میں تشریف فرما تھے ۔ اور آپ نے اعلان فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ اِلَّآ اَجَبْتُکُمْ فِیْہِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ مجھ سے جو سوال کرو میں اسکا قرآن پاک سے جواب دوں گا ۔
ایک شخص نے عرض کی کہ جو شخص احرام کی حالت میں بھڑ کو مارے اُسکا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ آپنے فرمایا کہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ (الآیۃ) پھر آپ نے سندِ صحیح کے ساتھ حدیث شریف پڑھی کہ وَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ " اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح سے روایت فرمائی کہ للمحرم قتل الزنبور محرم کو بھڑ کا مارنا جائز ہے ۔

۳۸ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝ پھر یہ تمام امم رب تعالےٰ کے ہاں جمع کئے جائیں گے یعنی جب قیامت میں جمع ہوں گے تو پھر ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ "وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا" اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ۔

ف :- آیات سے یہاں قرآن مجید مراد ہے ۔

صُمٌّ وہ بہرے ہیں کہ وہ قرآن کو تدبر و فہم سے نہیں سنتے بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں ۔ اس لئے کہ وہ انہیں آیاتِ الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں صم اصم کی جمع ہے اس سے کفار کو بہروں سے تشبیہ دینا مطلوب ہے ۔ اس سے حرف تشبیہ حذف کر دیا گیا ہے ۔

وَبُکْمٌ اور وہ گونگے ہیں کہ حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے یہ "ابکم" کی جمع ہے ۔ فِی الظُّلُمٰتِ " تاریکیوں میں ہیں ۔ یہ مبتداء کی تیسری خبر ہے ۔ مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ اور جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے ۔ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اسے سیدھا راستہ پر چلاتا ہے پھر نہ اسے گمراہ کر سکتا ہے نہ اس کی ثابت قدمی کو پھسلا سکتا ہے ۔

مسئلہ : انسان کے علاوہ بھی امتیں ہیں ۔

حدیث شریف :- میں ہے کہ اگر کتے ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنیکا حکم فرماتا ۔ بعض ان میں سیاہ کالے ہیں اور کتا سیاہ کالا شیطان ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کے کتوں کی نسبت زیادہ کاٹنے والا اور خبیث ترین ہوتا ہے ۔ اور اس سے فائدہ بھی بہت کم ہوتا ہے ۔ اور زبان کو بھی زیادہ کھینچتا ہے اس لئے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیاہ کالے کتے سے شکار نا جائز ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جانور ہیں کان آنکھ زبان اسی طرح تمام اعضاء اور نفس بجمیع الصفات انسان میں بمنزلہ جانوروں کے ہیں۔ اور اسی میں پرندے بھی ہیں جن کے شریعت و طریقت کے دو پر ہیں۔ جیسے قلب و روح بجمیع الصفات بمنزلہ پرندوں کے ہیں یہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ کہ ان سے قیامت میں احوال و افعال کا سوال ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"

مسئلہ : حشر عام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام کو جمع فرمائے گا۔ جانوروں اور پرندوں کو سب کو یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگی قصاص لے گی۔ دوسری حدیث شریف میں ہے ہر صاحب حقوق کو حقوق دیئے جائیں گے۔ یہانتک کہ سینگ والی بکری بے سینگی کو بدلہ دے گی۔

مسئلہ :۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ وحشی جانور بھی محشر میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ لیکن ان کا یہ قصاص مقابلہ کا ہوگا۔ قصاص تکلیفی صرف انسان و جن سے مخصوص ہے اسکے بعد حیوانات اور پرندوں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ اسکے بعد وہ مٹی سے مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ اسوقت کفار کہیں گے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا"

(**ف**) حدادی نے فرمایا کہ اس سے جانوروں کا فنا ہونا مراد ہے اس لئے کہ انہیں زندہ کرکے فنا کر دیا جائیگا۔ اس سے انہیں درد و الم نہیں ہوگا۔

مسئلہ : جن پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے وہ حقیقی بہرے، گونگے ہو جائیں گے اور جو گونگا ہو لازمی ہے کہ وہ بہرہ بھی ہو مثنوی میں ہے

(۱) دائما ہر گنگ اصلی کر بود	ناطق آنکس شد کہ از مادر شود
(۲) چوں سلیمان سوئے مرغان سبا	یک صفیری کرد بست آں جملہ را
(۳) جز مگر مرغے کہ بُدبے بال و پر	یا چوں ماہی گنگ بداز صل کر
(۴) نے غلط گفتم کہ کر کر سر نہد	پیش وحی کبریا سمعش دہد

ترجمہ : (۱) ہمیشہ ہر گونگا دراصل بہرہ ہوتا ہے وہ بولتا ہے جو ماں سے اصلی ناطق ہو۔

(۲) جب سلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو صرف ایک آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔

(۳) سوائے اس کے جس کے بال و پر نہ تھے۔ یا گونگی مچھلی جو مادر زاد گونگی بہری تھی۔

(۴) میں نے غلط کہا اس لئے کہ یہ بہری مچھلی بھی تابع فرمان تھی۔ اس لئے کہ وحی کبریا نے اسے سننے کی طاقت بخشی۔
خلاصہ یہ کہ مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ انہیں اپنی مشیت سے جسطرح چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مُعجزہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ابُوجہل کا بُت

مروی ہے کہ کفارِ مکّہ نے ایک میٹنگ بُلائی جس میں تمام مُشرکین جمع ہُوئے اور منصُوبہ تیار کیا کہ حضُور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کیا جائے۔ اُدھر ابلیس بھی آ دھمکا اُس نے اُن کے اجتماع کا سبب پُوچھا تو کہا گیا کہ حضُور علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ہے تو شیطان نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم اگر تم اپنے بُت کو حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کرو۔ وہ بولے گا جسے (حضرت محمد (مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم) سُنیں گے۔ (ابوجہل کا بُت جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہُوا تھا) اُس نے اپنے بُت کو اُٹھا کر حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کیا اور اُسے کہا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور ہم تیرے قُرب کے خواہشمند رہتے ہیں یہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم) تیری وجہ سے ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں کہ تم بھی (حضرت) محمد (مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو گالی دیدو۔ ابوجہل کی عاجزی و انکساری پر بُت حرکت میں آگیا اور وہ بدبخت حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دینے لگا۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم غمگین اور ملول ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ کا دروازہ کھٹکا۔ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور حضور کو دیکھتے ہی سلام عرض کیا اور التجا کی کہ آپ مجھے حکم فرمائیے تاکہ میں اس کی تعمیل کروں۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ اُس نے عرض کی میں جن ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے کتنی طاقت حاصل ہے۔ عرض کی اکیلا دو پہاڑ (جبل حرا و ابُوقبیس) کو دریا میں ڈال سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم ابھی کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے عرض کی میں اس وقت ساتویں جزیرے میں تھا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ فلاں شیطان نے ابوجہل کے بُت میں داخل ہو کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دی ہیں۔ فلہٰذا تم جلد تر اس تلوار سے اُس کا سر قلم کر دو میں نے اُسے زمین کے چوتھے طبقے میں جاتے ہُوئے بھاگتا پاکر اُسے قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ اُس نے عرض کی میری استدعا ہے کہ آپ کل والے مقام پہ دوبارہ تشریف لے جائیں۔ کافر بھی آپ کو اپنے بُت سے گالی دلوائیں گے۔ آپ اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے گئے تو ابوجہل اپنے بُت کو لایا اور کل کی طرح اُسے سجدہ کر کے عرض کی حضرت (محمد) مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دیجئے۔ ابوجہل کا بُت کل کی طرح حرکت میں آگیا اور بآوازِ بلند پڑھتا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور کہتا تھا کہ میں بُت ہوں نہ نفع دیتا ہوں نہ نقصان اور اُس کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔ جب کفار نے بُت کی یہ تقریر سُنی تو ابوجہل کو غصہ آگیا۔ اُس نے بُت کو اُٹھا کر

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسرے بتوں کی طرح تیرے اُوپر بھی جادو کر دیا ہے۔ (سبق) اس معجزہ سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے گفتگو فرماتا ہے، لیکن اسے نہ منافق سُنتا ہے نہ کافر۔

۲۸ قُلْ ،، اے پیارے محمد (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کو فرمائیے أَرَءَيْتَكُمْ (خبر دو مجھے) کاف خطاب کا ہے۔ اسناد کی تاکید کے لئے فاعل کی ضمیر مخاطب کو مؤکد کیا گیا ہے اور اس کے اعراب کا (اتاک کے کاف کی طرح) کوئی محل نہیں اور یہ کاف مخاطب کے احوال پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً وہ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع یا مذکر ہے یا مؤنث وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسے مُراد کے مطابق لایا جاتا ہے اور تاء مخاطبہ ایک حالت پر یعنی مفرد اور مفتوحہ رہتی ہے۔ جیسے رأیتک رأیتکما اور ترکیب میں مبنی ہیں۔ اگرچہ اس سے خبر دینا مطلوب نہیں بلکہ قلب یا بصر کے ذریعہ اُس کے متعلق کی خبر مطلوب ہوتی ہے۔

(ف) علم و ابصار کو اخبار کا مجازاً سبب بنایا گیا ہے اسی طرح اس کا استفہام تبکیت کو امر بجامع الطلب کا مجاز بنایا گیا ہے۔

إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ،، اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے جیسے دُنیا میں دُوسری قومیں عذاب میں مبتلا ہُوئیں۔ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ،، یا تم پر قیامت ہوجائے یعنی قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے ہے اور عذاب سے اُخروی عذاب مُراد ہے۔

(ف) ساعۃ سے وہ وقت مُراد ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس معمولی سی گھڑی میں بہت بڑا حادثہ ہوگا۔

أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (کیا غیر اللہ کو پکارو گے) استخبار کا دار و مدار اور تبکیت کا اصلی منشاء یہی ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ،، اس شرط کا جواب (فَاَخْبِرُوْنِیْ) محذوف ہے۔ یعنی اگر تم اس معروف دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارے بُت عبادت کے مستحق ہیں تو مجھے خبر دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے (اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے) اس لئے کہ اس معنی پر ان کا صدق غیروں کو پکارنے کے اخبار کے موجبات سے ہے۔

۲۹ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ ،، بلکہ صرف اسی کو پکارو گے۔ اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے۔ گویا انہیں کہا گیا کہ قیامت میں غیر اللہ کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ ،، پس وہ کھولے گا اسے جسے تم پکارتے ہو اِلَیْہِ کی ضمیر کشف کی طرف لوٹتی ہے اور اُس کا عطف بھی تَدْعُوْنَ پر ہے۔ یعنی پس تمہارے پکارنے کے بعد کھولے۔ اِنْ شَآءَ ،، اگرچہ اس کا کھولنا یعنی دُعاء قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر ہے۔ کبھی وہ اسے قبول کرلیتا ہے جیسے

باقی صفحہ ۱۶۹ پر

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٠﴾ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن
قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا
نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا
بِمَآ أُوتُوٓا أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٢﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ ٱلْقَوْمِ
ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ
أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَٰرَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ
ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ٱنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ ٱلْءَايَٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٤﴾ قُلْ
أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُ ٱللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا
ٱلْقَوْمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
فَمَنْ ءَامَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٦﴾ وَٱلَّذِينَ
كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَا يَمَسُّهُمُ ٱلْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٧﴾ قُل لَّآ أَقُولُ
لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّى مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ
إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٨﴾

ترجمہ اور بے شک ہم نے تم سے پہلی امتوں کیطرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور
تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں ۴۲ تو کیوں نہ ہو کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑاتے ہوتے
لیکن ان کے تو دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ۴۳ پھر جب

انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں انہیں کی گئی تھیں۔ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دئے۔ یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے ۴۲ تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی اور سب خوبیاں سراہا رب سارے جہان کا ۴۳ تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیز لا دے۔ دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں ۴۴ تم فرماؤ بھلا تم بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا سوائے ظالموں کے ۴۵ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے۔ جو ایمان لائے اور سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم ۴۶ اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں انہیں عذاب پہنچے گا بدلہ ان کی بے حکمی کا ۴۷ تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھ کو وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائینگے اندھے اور انکھیاری تو کیا تم غور نہیں کرتے ۴۸۔

بقیہ از صفحہ ۱۶۷ :۔

کافروں کی بعض دعائیں (جو دنیا کے عذاب پر مبتلا ہونے پر اس کے رفع ہونے کیلئے مانگتے تھے) قبول ہو جاتی تھیں اور کبھی ان کی دعا قبول نہیں ہوتیں (جیسے دنیا میں ان کی بعض دعائیں جو عذاب کے رفع کے متعلق ہوتی تھیں) ہاں آخرت کے عذاب کے رفع کے متعلق (منجملہ ان کے ساعتہ کا وقوع بھی ہے) ان کی دعائیں ہرگز قبول نہ ہونگی اسلئے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ "مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائیگا۔ (وہ آخرت میں انکی دعا کی قبولیت چاہتا ہی نہیں) وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ "، اس کا عطف بھی مدعون پر ہے یعنی اور شریکوں کو بھول جائیں گے۔ یعنی جن بتوں کی پرستش کر کے تم انہیں خدا کا شریک مانتے تھے قیامت کے دن تم انہیں بالکل چھوڑ دوگے۔ اس لئے کہ اس وقت تمہارے دل پر یہ عقیدہ مذکور ہوگا کہ اللہ تعالٰے کے سوا کوئی اور عذاب نہیں اٹھا سکتا۔

ف :۔ نسیان یہاں پر بمعنی ترک ہے۔

تفسیر عالمانہ

ؑ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا ،، (اور بخدا ہم نے بہت سے رُسل کرام بھیجے ہیں) اِلٰٓی اُمَمٍ ،، (بہت سی اُمتوں کی طرف) مِنۡ قَبۡلِکَ (جو آپ کے زمانہ اقدس سے پہلے گزرے ہیں) مِن ابتدائیہ اور زمانہ کی غایت کے لئے ہے (یہ کوفیوں کا مذہب ہے) جیسے صُمۡتُ مِنۡ اَوَّلِ اللَّیۡلِ وَصُمۡتُ مِنۡ اَوَّلِ الشَّہۡرِ ،، میں۔

(ف) سنان چلپی محشی فرماتے ہیں کہ مِنۡ زائدہ ہے۔ یہ اس نحوی کے مذہب پر جو کلام میں من زائدہ کا قائل ہے۔ ایک اور مذہب ہیں یہ مِنۡ بمعنی فِیۡ ہے جیسے اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ میں۔

فَاَخَذۡنٰہُمۡ ،، فاء فصیحیہ ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ کلام مبنی پر حذف ہے کہ دراصل فکذبوا رسلہم فاخذناہم تھا (انھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا) بِالۡبَاۡسَآءِ ،، سختی اور فقر و فاقہ سے۔ وَالضَّرَّآءِ آفات و نقصانات سے یہ دونوں مؤنث کے صیغے ہیں۔ اُن کا کوئی مذکر نہیں۔

لَعَلَّہُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ ،، تاکہ دُکھ دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کرکے کفر و معاصی سے توبہ کریں ؕ فَلَوۡلَآ (تو کیوں نہ ہو)

اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَا ،، جب اُن پر ہمارا عذاب آیا یہاں پر بأس بمعنے عذاب ہے۔ تَضَرَّعُوۡا تو گڑگڑائے ہوتے۔ یعنی باوجودیکہ انہیں گڑگڑانے پر بعض اُمور مجبور کرتے، لیکن عجز و انکسار اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری نہ کی۔

(ف) لَوۡلَا کا لفظ ملامت و ندامت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وجود فعل کے اسباب موجود اور ترک کے عذر معدوم ہوں۔

وَلٰکِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ،، لیکن اُن کے دل سخت ہوگئے یعنی اُنھوں نے عجز و نیاز نہ کیا بلکہ اُن کے دل خشک اور سخت ہوگئے اگر اُن کے دلوں میں رقت اور نرمی ہوتی تو عجز و نیاز ضرور کرتے۔

وَزَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ،، اور شیطان نے اُن کے کام یعنی کفر و معاصی بہتر کر دکھائے بایں طور کہ انہیں گمراہ کر دیا اور لذات و شہوات اور خوشی و راحت کی طرف بلایا اور انہیں فکر و تدبر سے دُور رکھا۔ اُن کو خیال تک نہ آنے دیا کہ یہ دُکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؛ حالانکہ اس سے وہ متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ؕ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ (جب اُنھوں نے بھلا دیا جو وُہ انہیں نصیحتیں کی گئی تھیں) اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ فانہمکوا ہے یعنی پس وہ منہمک ہوکر بھولے جب انہیں نصیحت بأساء و ضرّاء سے کی گئی۔ فَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَبۡوَابَ کُلِّ

شَیۡءٍ ،، تو ہم نے اُن پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی مُہلت کے طور انہیں ہر قسم کی نعمتیں دی گئیں۔ حَتّٰی ،، ابتدائیہ اور فتحنا کے لئے غایت ہے۔ اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا ،، جب اپنے دُنیوی عروج کو دیکھ کر اترانے لگے اور تکبّر میں آگئے۔ یہاں پر فرح بمعنی اترانا مُراد ہے جیسے قارون کو دُنیا و دولت ملی تو تکبّر میں آگیا تو اس کے لئے بھی فرمایا لا تفرح (وہاں بھی فرح سے تکبّر مُراد ہے) اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً ،، ہم نے انہیں عذاب کے لئے اچانک پکڑ لیا اس لئے کہ اچانک کا عذاب شدید ترین ہوتا ہے بلکہ زیادہ ہولناک۔ جیسا کہ اہلِ معانی نے فرمایا۔ (سوال) اُن کی راحت و فرحت اور نعمت سے مالا مال ہونے کے وقت اچانک کو نت کیوں ہوئی۔

جواب : تاکہ انہیں سلامتی و عافیت کے بعد زیادہ سخت حسرت ہو۔

فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ،، اب وہ نااُمید ہو جائیں گے (حسرت کرنے والے) جتنے امیدوار تھے اتنا ہر بھلائی سے نااُمید ہونے۔ یہ اِذَا مفاجاتیہ ہے اور ابلاس بمعنی نجات سے نااُمیدی جبکہ ہلاکت سر پر آجائے اس سے اُن کی حسرت و حُزن کا اظہار ہے ۴۲ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ،، تو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اُن کے چھوٹے بڑے سب ختم کر دیئے گئے۔ گویا ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔ دابر اُس تابع کو کہتے ہیں جو شئی کے پیچھے بطور نیابت کے ہو۔ جیسے والد کا تابع ولد۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: دبر فلان القوم یدبر دبرًا دُبُورا ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی قوم کو بالکل تباہ و برباد کر دے۔

(ف) بغوی نے فرمایا کہ عذاب سے اُن کی وہ تباہی و بربادی مُراد ہے کہ ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔

سوال : عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں هُمۡ (ضمیر) ہو۔ اَلۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا الخ اتنی طویل عبارت کا کیا فائدہ۔ **(جواب)** تاکہ حکم کی عِلّت کا اظہار ہو کہ انہیں یہ سزا صرف اس لئے ملی کہ اُنھوں نے نعمتوں پر شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعاتِ الٰہی بجالانے کے بجائے گناہ کئے۔

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ،، اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے لئے ہیں کہ اس نے کفار و مُشرکین کو تباہ و برباد کیا۔

سوال : کفار کی تباہی و بربادی پر حمد و شکر کیسی۔

جواب : اس لئے کہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی و بربادی سے اہلِ دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے کہ وہ اُن کی نحوستِ عقائد و اعمال سے پریشان ہوتے ہیں۔ اُن کے تباہی و برباد ہونے پر انہیں نجات ملتی ہے تو اُن کے لئے وہ ایک نعمت ہے اور ہر ہر نعمت پر شکر واجب۔ بالخصوص وہ نعمت کہ جس سے دین کا جھنڈا بلند ہو اور اُس کی تمام رُسل کرام علیہم السلام نے تعریف کی۔

مسائل:۔ آیت سے چند مسائل ثابت ہوئے (۱) ہر حال میں اللہ تعالےٰ کو مرجع و ماوٰی سمجھنا چاہیئے ۔یہی وجہ ہے کہ سمجھدار صرف اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ یا اسباب ہیں یا آلات اور مؤثر حقیقی اللہ تعالےٰ ہے یہی وجہ ہے کہ مومن کی شان ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے دروازے کا سائل اور اسی کی درگاہ کا گداگر بنا رہتا ہے ۔ دکھ کی گھڑیوں میں بھی اور آرام و آسائش کے وقت بھی بخلاف کافر کے وہ اپنے آقا کو دکھ اور نزولِ شدت کے وقت پکارتا ہے ۔حالانکہ مقبول بارگارہِ حق وہ ہے جو اپنے اختیار سے ہی اپنے آقا کیطرف رجوع رکھے اور مطیع و فرمانبردار بھی وہی انسان ہے جو ہر حال میں اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہے ۔

(۲) اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو تکالیف و مصائب سے راحت و فرحت اور مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے کبھی اس کے برعکس کرتا ہے ۔جیسے شفیق باپ کبھی اپنی اولاد سے سختی کرتا ہے اور کبھی نرمی صرف اس ارادہ پر کہ اس کی اصلاح و تربیت ہو۔ اس لئے کہ ایسے طریق سے بندے کی بہتر تربیت اور اچھی اصلاح ہوتی ہے ۔ اور اس میں اس کا دینی و دنیوی فائدہ بھی ہے ۔ حضرت صائب نے فرمایا ۔ ؎

نہاد سخت تو سوہان بجز دنمے کند وگرنہ پست و بلند زمان سوہان است

ترجمہ:۔ تیری سخت طبیعت کو سوہان درست نہیں کرسکتا یہی زمانے کا گرم و سرد تیرا سوہان ہے

(۳) جتنی مہلت دی جاتی ہے اسی قدر سزا سخت تر ہوتی ہے ۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف:۔ جب دیکھو کہ کسی بندے پر اس کے گناہوں کے باوجود نعمتوں کی فراوانی ہے جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ملتا ہے تو سمجھو کہ اسے مہلت دیجارہی ہے ۔پھر اسے سخت سے سخت سزا ملے گی ۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ (الآیہ)

تفسیر صوفیانہ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ارباب ظاہر کو دکھ کے بعد قسم و قسم کی نعمتوں سے ہم نوازتے ہیں ۔ کہ ہر طرح کا مال عزت و شان مقبولیت اور صحت و عافیت وغیرہ وغیرہ انہیں عطا ہوا ۔اور ارباب باطن کو فتوحاتِ غیب اور آرائۃ آیات اور ظاہری کرامات اور رویت انوار و کشف اسرار قلوب کے بھید کا علم اور اوقات کی صفائی اور مشاہدۂ روحانیہ و دیگر عجائبات سے نوازتے ہیں جیسے بچوں کیطرح ان کی تربیت کیجاتی ہے (اس لئے کہ بہت سے متوسط طبقہ کے سالکین کو اثناء سلوک میں ایسے واردات ہوتے ہیں) جب مجاہدہ کثیرہ کے وقت ان کے نفس کو ملال پیش آتا ہے اور کثرت ریاضات سے انہیں مذکورہ بالا انعامات نصیب ہوتے ہیں ۔ تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا اور نفس امارہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تم طریقت کے بادشاہ بن گئے ہو ۔ فلہٰذا اب کسی شیخ طریقت کی صحبت کی ضرورت نہیں پھر وہ طلب راہ حق میں اکیلے چل پڑتے ہیں جس سے انجام بکار رسوائی اور ذلت و خواری کے گھاٹ اُترتے ہیں ۔ اور شیطان انہیں اپنے قابو میں لے لیتا ہے اور انہیں خوارق عادات دکھاتا

ہے جسے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی عبادت کی برکت سے ہے [1]

حکایت: ایک سالک راہ کسی جنگل میں جا رہا تھا اسے پیاس لگی تو کنویں پر گیا تو پانی خود بخود کنویں کے منہ پر آ گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس نے بارگاہِ حق میں التجا کی کاش اس وقت مجھے کوئی بادیہ نشین تھپڑ مار مار کر پانی پلاتا تو بجائے اس کرامت کے میرے لئے وہی بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ کرامت میرے لئے باعثِ عجب ہے۔ اور اس کا تھپڑ مارنا میرے لئے موجبِ بہتری ہوتا۔

فائدہ:۔ حضرت الشیخ ابو عبداللہ قرشی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے کرامت و خرقِ عادت کو اس طرح عیب نہیں سمجھتا جیسے عام آدمی گناہوں کے ظاہر ہونے کو عیب سمجھتا ہے تو سمجھو وہ حجاب میں ہے عجب مذموم بلکہ مُہلک ہے۔

حدیث شریف: مہلکات تین ہیں (۱) بخل (۲) ہوائے نفس، (۳) عجب ہے

(۱) مرد معجب زاہل دیں نہ بود ÷ ہیچ خود بین خدا نہ بود

(۲) بیخبر از جہان و مست یکیست ÷ خویشتن بین و بت پرست یکیست

ترجمہ: (۱) عجب والا کبھی اہل دین نہیں ہوتا کوئی خود بین خدا بین نہیں ہوتا۔

(۲) وہ جہان سے بے خبر ہو کر صرف ایک کے خیال میں مست ہوتا ہے اور بت پرست پاگل ہے۔

علاج روحانی:۔ عجب کا علاج یہ ہے کہ اپنی ہر ترقی کو توفیقِ ایزدی سمجھے۔

(۴) ہر نعمت پر حمد و شکر لازمی ہے۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ سب سے پہلے بہشت میں حمد کرنے والوں کو بلایا جائیگا۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، اسی وجہ سے انہیں سلامتی نصیب ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا اس سے ثابت ہوا کہ حمد کرنے پر سلامتی نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ نعمت دینی ہو یا دنیاوی ہر نعمت پر صبر و شکر ضروری ہے۔

حکایت:۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر کا سامان چور لے گئے ہے۔ آپ نے فرمایا شکر الٰہی بجا لا اس لئے کہ اگر تیرے دل پر شیطان ڈاکہ ڈال کر تیرے دل سے توحید کا سامان لوٹ کر لے جاتا تو پھر تو کیا کرتا۔

حکایت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے خواب میں سوال ہوا کہ حمد کسے کہتے ہیں میں نے جواب

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲۔

دیا کہ اسباب کی تیاری کسے باوجود اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار پھر سائل نے فرمایا (اور وہ سائل بھی بہت بڑے مشائخ اولیاء میں تھے) کہ اسباب کی تیاری کا کیا مطلب۔ میں نے عرض کی ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھا کر ملکوت کی طرف متوجہ ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء بجا لانا جیسے اس ذات کے لائق ہے۔ جب میں فارغ ہُوا تو مجھے حمد کی تفسیر میں شکر کے مراتب معلوم ہُوئے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ؎

الشکر قید النعم، مستلزم دفع النقم   وھو علی ثلاثۃ۔ قلب ید فا علم وفم

ترجمہ: یعنی شکر نعمتوں کو قید کرتا ہے۔ تکالیف کو دفع کرتا ہے اور وہ تین طرح ہے۔ دل اور ہاتھ اور منہ سے۔

تفسیر عالمانہ

﴿۴۴﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ ،، اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمایئے کہ مجھے خبر دو اے مشرکو!

(سوال) تم نے رؤیت کا اخبار معنے کیوں کیا۔

(جواب) رؤیت بصری ہو یا علمی اخبار کا سبب بنتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ ،، اللہ تعالیٰ اگر تمہارے کان کی شنوائی چھین لے۔ یعنی تمہیں بہرہ بنا دے۔ وَاَبْصَارَکُمْ ،، اور تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹا دے۔ یعنی تمہیں بالکل اندھا بنا دے۔ وَخَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ (اور تمہارے قلوب پر مہر لگا دے) یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہارے عقول زائل کر دے اور تم میں سے سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہو جائے یعنی تم پاگل ہو جاؤ۔

مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ ،، کونسا معبود ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔ مَنْ مبتدا اور الٰہ اس کی خبر ہے اور غیر اللہ الٰہ کی صفت ہے۔ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ،، چھینی ہُوئی چیزوں کو تمہارے ہاں لائے گا۔ یہ الٰہ کی دوسری صفت ہے۔ یہ جملہ رؤیت کے متعلق اور استخبار کا انحصار اسی پر ہے یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کرلے پھر کون ہے اس کے سوا جو تمہیں دنیا اعضاء واپس دے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے (یہ مشرکین پر دوسری حجت ہے) اُنْظُرْ ،، اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ۔ ہم آیات کو کس طرح پھیرتے ہیں یعنی بار بار انہیں اپنے آیات دکھاتے ہیں اور اُن افہام و تفہیم کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انہیں عقلیات کے مناظر کے دکھاتے ہیں کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں کبھی انہیں اُن کے متقدمین کے حالات سُنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا تصریف قرآنی اصطلاح میں اُن اسباب کو کہا جاتا ہے کہ جنہیں بروئے کار لاکر مطلب کو واضح کیا جائے کہ جس میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے۔ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ ،، پھر وہ اِن آیات سے اعراض کر کے ایمان قبول نہیں کرتے۔

(ف) ثُمَّ ،، اُن کے صدق کے استبعاد کی وجہ سے ہے یعنی ان کا اعراض ہمارے آیات کو ایسے عجیب و غریب طریق سے پیش کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ باوجودیکہ آیات کی تعریف اُن کے ایمان کا موجب تھی لیکن انھوں نے ان سے اعراض کیا۔ ۴۵ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کہ مجھے خبر دو۔ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً ،، اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک یا کھلّم کھلا آئے (یعنی رات کو یا دن کو)

سوال : تم نے بَغْتَةً کو رات اور جہرہ کو دن سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب : اکثر ایسے ہوتا ہے کہ اچانک کا عذاب رات کو آتا ہے۔ کھلم کھلا دن کو (سورہ اعراف میں مضمون کی تفسیر یونہی کی گئی ہے) چنانچہ فرمایا: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَمِنَ اهل القرآن اِنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ اور قرآن کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ،، (نہیں ہلاک و برباد کیا جاتا مگر قوم ظالم کو) یہ استفہام بمعنی نفی کے ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے۔ یعنی اَخبرونی ،، الخ یعنی اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب پہلے لوگوں کی طرح رات یا دن کو آئے تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا۔ اس کے بعد یُهلَکُ الخ میں ان کے حال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ یعنی مذکورہ بالا عذاب اگر آجائے تو وہ صرف تمہیں ہلاک و برباد کرے گا۔

فائدہ : اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یعنی اَلْقَوْمُ الظّٰلِمُوْن کو لانے میں اشارہ ہے کہ اُن کے عذاب کا موجب اُن کا ظلم ہے اور ان کا ظلم یہی تھا کہ ایمان لانے کے بجائے کفر کرتے رہے۔

۴۶ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ،، یہ دونوں اَلْمُرْسَلِیْن کے حال مقدرہ ہیں۔ دراصل عبارت یوں تھی وَمَا نرسلهم اِلَّا مقدرا تبشیرهم الخ یعنی ہم نے رسل کرام علیہم السلام کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ وہ قوم کو خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں بھی اس میں ان کے تشریف لانے کو علت غائی بھی بتائی گئی ہے یعنی ہم نے انہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ صرف قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں یا اُن کی غفلت دور کریں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو طاعت پر خوشخبری سنائیں اور گناہوں پہ عذاب کا ڈر سنائیں۔

(ف) التبشیر بمعنی خوش کن خبر سنانا اور الانذار بمعنی ضرر رساں خبر سنانا۔ فَمَنْ اٰمَنَ ،، پس جو ایمان لائے گا وَاَصْلَحَ اور نیک عمل کریگا۔ یا اہل صلاح میں سے ہو جائے گا۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ،، پس جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اس سے وہ بے خوف ہوں گے نہ انہیں دنیا میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ آخرت میں۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ،، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یعنی جس خوشخبری سے انہیں خوش کیا گیا ہے۔ دنیا کی خوشخبری

یا آخرت کی۔ اس کے فوت ہونیکا انہیں کوئی غم لاحق نہ ہوگا "وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا"، اور جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی **ف**: آیات سے وہ بیانات مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے خوشخبری دے کر اور ڈرا کر قوم کو بتائے اور انہوں نے اپنی قوم کو احکامات پہنچائے۔ "یَمَسُّھُمُ الْعَذَابُ"، انہیں عذاب پہنچے گا

سوال: مس (پہنچنا) کا اسناد عذاب کیطرف صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کا اسناد ذی حیات شے کیطرف ہوتا ہے جو کسی فعل کو اپنے قصد و اختیار سے کرے اور عذاب میں حیات اور قصد و اختیار کہاں۔

جواب: اس میں استعارہ بالکنایہ ہے کہ عذاب کو پہلے ذی حیات تصور کیا گیا ہے پھر اس کے قصد و اختیار ثابت کر کے کفار کے لئے دکھ درد پہنچانے کا معنے کیا گیا ہے "بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ" بسبب ان کے دائمی فسق کے یعنی تصدیق و طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: آیات میں ترغیب و ترہیب ہے ان کلماتِ قدسیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا اے آدم علیہ السلام میرے عذاب سے مکرات سے گزر جانے تک خوف میں رہنا۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے پیارے خلیل ہر وقت مغموم کیوں رہتے ہو عرض کی یا اللہ تیری بے نیازی کا ڈر رہتا ہے کہ میرے باپ آدم علیہ السلام کو باوجودیکہ آپ سے قرب تھا۔ انہیں تو نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور روح ان کے اندر پھونکی اور ملائکہ سے ان کو سجدہ کرایا لیکن صرف ایک خطا (ظاہری) سے اپنے سے انہیں تو نے دور فرما دیا۔ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ محبوب کی چھوٹی سی غلطی بھی محبت پر سخت گراں ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ بصرہ میں گیا تو میرا حضرت سعدون مجنون رحمۃ اللہ علیہ سے گذر ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا حضرت کیا حال ہے انہوں نے فرمایا اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام سفر میں ہو اور اسکے ہاں زادِ راہ بھی کچھ نہ ہو اور اسے حاکم عادل کے سامنے حاضر ہونا ہو اس کے بعد سخت روئے میں نے پوچھا حضرت آپ روئے کیوں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا رونا دنیا پر حرص کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی مجھے موت سے ڈر ہے اور نہ ہی خطرہ ہے کہ مرنے کے بعد مٹی سے مٹی ہو جاؤں گا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ زندگی ضائع گئی۔ اور نیک عمل نہ کر سکا۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت آورد ⁂ روزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ:۔ کوئی کام کریں ورنہ شرمساری ہو گی کہ اس دن جبکہ ہم اس جہان سے دوسرے جہان کو کوچ کرینگے۔

سعدون مجنون نے فرمایا میں اپنی قلت زادِ راہ کیوجہ سے روتا ہوں اس لئے کہ سفر بڑا کھٹن اور طویل ہے اور راستہ میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ انکے بعد نا معلوم میرا انجام کا دہشت ہے۔ یعنی دوزخ میں تے اُن سے

حکمت کلام سنا تو عرض کی کہ آپ کو تو لوگ مجنون کہتے ہیں۔ فرمایا مجھے جنون نہیں لیکن مجھے محبوب حقیقی نے ایسے بنا دیا ہے کہ اب دل اپنے قابو میں نہیں رہا۔ آنتیاں گل سڑ گئی ہیں اور گوشت اور خون خراب اور ہڈیاں چکنا چور ہو چکی ہیں۔

سہ ... (۱) در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست درو ؛ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنون باشی

(۲) کارواں رفت و تو در خواب و بیاباں درپیش ؛ کے روی رہ زکہ پرسی چہ کنی چوں باشی

ترجمہ : (۱) رہ لیلیٰ میں بہت بڑے خطرے ہیں، شرطِ اوّل یہ ہے کہ اس راہ میں مجنون ہوجا۔

(۲) قافلہ گیا اور نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے اس پر تو کب چل سکتا ہے کس سے پوچھے گا۔ کیا کر سکے گا تیرا کیا حال ہوگا (جب تیرا رہبر نہ ہو)

سبق : انسان سے جب غلطی ہوجائے تو عقلمند وہ ہے جو توبہ و استغفار میں جلدی کرے تاکہ ملک قہار کے عذاب سے بچ سکے۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ الخ (جو ایمان لائے اور اصلاح کرے)

اعجوبہ : ملائکہ جب کسی بندے کا برائیوں کا اعمالنامہ آسمان پر لے کر جاتے ہیں تو جب لوحِ محفوظ پر دیکھتے ہیں تو اس کے لئے بجائے برائیوں کے نیکیاں لکھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے اس کے برے عمل کی وجہ سے اس کی برائیاں لکھی ہیں، لیکن یہاں اُس کی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اے فرشتو تم تو سچ کہتے ہو لیکن میرے اس بندے نے برائیوں کے بعد ندامت ظاہر کی ہے اور توبہ و استغفار میں خوب رویا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آگیا ہے۔ اس لئے میں نے اُس کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ یہ میرا کرم ہے اور میں اکرم الاکرمین ہوں۔

سبق : ایمان اور نیک عمل اور غلطیوں پر ندامت کا اظہار دُنیا و آخرت میں نجات کا سبب ہے۔

مسئلہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایمان اسلام ایک شئے ہیں، لیکن ان میں ایک باریک فرق بھی ہے وہ یہ کہ مجازِ عُرفی کے اعتبار سے جس میں تصدیق قلبی ہو وہ ایمان ہے۔ (اس لئے کہ اس میں اصل معنےٰ موجود ہے) اور جس میں تصدیق قلبی نہ ہو اور صرف زبان سے تصدیق کی جائے وہ اسلام ہے۔

قُلْ ،، فرما دیجئے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جو آپ سے کبھی نزولِ آیات کا سوال کرتے ہیں اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ[1] ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

---

[1] اس آیت سے مخالفین رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ مبارک کی تنقیص میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ فقیر نے ”احسن التحریر فی دورۃ التفسیر“ میں اس کے متعلق ایک جامع تقریر لکھائی تھی وہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی طباعت

ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں۔ جس کی وجہ سے تم مجھ سے کبھی تنزیل آیات کا مطالبہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو۔ اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔

(ف) خزائن خزینہ کی جمع ہے بمعنے مخزونہ حداوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے بندوں کے خزانوں کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اس کے مقدورات ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی تکوین کے بغیر نہیں ملتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خزانہ کی جمع ہو اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی شئے پوشیدہ رکھی جائے اور اہل عرب کہتے ہیں خزن الشئ بمعنے احرازہ یعنی شئے کو سمیٹنا۔ اس حیثیت سے کہ وہ کسی کی دستبرد سے محفوظ ہو۔

سے پہلے اس کے چند جوابات یہاں لکھ دیتا ہوں تاکہ روح البیان کے مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ اور فقیر کو اجر ثواب ملے"

تفسیر : کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں۔ ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے کبھی کہتے کہ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنائیے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے کیا کیا پیش آئے گا تاکہ ہم منافع حاصل کریں اور نقصانوں سے بچنے کے پہلے سے انتظام کریں کبھی کہتے ہمیں قیامت کا وقت بتائیے کب آئے گی کبھی کہتے کہ آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں نکاح بھی کرتے ہیں۔ ان کی ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا کہ یہ کلام نہایت بے محل و رجاہلانہ ہے کیونکہ جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جاسکتی ہیں جو اس کے دعویٰ سے تعلق رکھتی ہوں غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اس دعویٰ کے خلاف حجت بنانا انتہا درجہ کا جہل ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ آپ فرما دیجئے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو اور میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو رسالت سے منکر ہو جاؤ نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمہیں گزشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں عذر کر سکو نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ کھانا پینا نکاح کرنا قابل اعتراض ہو تو جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کا سوال بے محل ہے اور اس کی اجابت مجھ پر لازم نہیں میرا دعویٰ نبوت و رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی برھانیں قائم ہو چکیں تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے (خزائن العرفان)

مذکورہ بالا تقریر مندرج ذیل تفسیر معتبرہ اہلسنت کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عین مطابق ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (۱) تفسیر مظہری ص ۲۳۸ ج : ۳ تحت آیت ھٰذا میں لکھا ہے کہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ای مقدورا تہ اور خزائن رزقہ ولا اعلم الغیب عطف علی عندی خزائن اللہ ولا زائدۃ یعنی

شانِ نزول : اہلِ مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اُس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا کہ آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی

لا اقول لکم اعلم الغیب مالم یوح الیّ ولا اقول لکم انی ملك من الملائکة حتی ینافی دعوی الاکل والشرب والنکاح یعنی لا اقول لکم شیئًا یجب انکارہ عقلا او یستدعی اقتراح الآیات ان اتبع فی تعلیم العلوم وتبلیغ الاحکام شیئًا الا مَا یوحیٰ الیّ یعنی ادعی النبوة والتصدی بما یتصدی له الانبیاء وَلَا استحالة فیه بل هُوَ جائز عقلا واقع تواتر به الاخبار عن الانبیاء الماضین فیه ردّ علیٰ استبعادهم دعواہ وجزمهم علیٰ فساد مدعاہ وقال البغوی هذہ الآیات نزلت حین افترحوا الآیات یعنی قل لهم لا اقول لکم عندی خزائن الله حتیٰ اجعل لکم الصفا ذهبا واعطیکم ما تریدون وَلا اعلم الغیب حتیٰ اخبرکم بما مضی وَمَا سیکون من غیر وحی من الله وَلا اقول لکم انی ملك حتی لا احتاج الیٰ الاکل والشرب والنکاح ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ تقریبًا وہی ہے جو ہم نے اُوپر لکھا ہے۔

(۲) تفسیر صاوی تحت آیۃ ھٰذا کے تحت لکھا ہے : ھٰذا مرتب علی قوله وَمَا نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین کانه قَالَ لیس علی الرسول الا بشارة والنذارة ولیس من وظیفة اجابتهم عما سالوہ عنه وَلا فعل ما طلبوہ منه لانه لیس عندہ خزائن الله الخ (قوله خزائن الله) ای لا ادعی ان مقدرات الله من ارزاق وغیرها مفوضة الیّ حتی انطلبوا منی قلب الجبال ذهبًا وغیر ذالك (قوله ولا اعلم الغیب) ای مَا غاب عنی من افعال الله حتی تسألونی عن وقت الساعة او وقت نزول العذاب (قوله ولا اقول لکم انی ملك) ای حتیٰ تکلفونی لصیفات الملائکة کالصعود للسماء وعدم المشی فی الاسواق وعدم الاکل والشرب وهذہ الآیة نزلت حین قالوا له، اِن کنت رسولا فاطلب منه ان یوسع علینا ویغنی فقرنا فاخبر ان ذالك بید الله لا بیدہ بقوله قل لا اقول لکم عندی خزائن الله وقالوا له ایضًا اخبرنا بمصالحنا ومضارنا فی المستقبل حتیٰ نهیا لذالك فنحصل المصالح وندفع المضار فقال لهم ولا اعلم الغیب فاخبرکم بما تریدون وقالوا له لهٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج النساء فقال لهم ولا اقول لکم انی ملك "

تقریبًا مذکورہ ترجمہ اس عبارت کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے۔ اسی لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ ان عبارات و

مذکور کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جس سے تم مجھ سے سوال کرتے ہو۔ مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب قائم ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔
وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ط اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ تم مجھے اِن امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو (جو خرقاً للعادۃ) ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسانی حیثیت سے ممکن نہیں۔ مثلاً آسمان پر چڑھ جانے کے متعلق کہتے ہو یا اگر میں تمہارے سوالات پورے نہ کروں تو کہو کہ میں جس مقصد کو لے کر آیا ہوں۔ اس پر پورا نہیں اُتر سکا، چنانچہ اُن کے اقوال دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ[1] ،، خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں ان تینوں امور کا مدعی نہیں۔ تاکہ مجھ سے

مندرجہ ذیل تفاسیر کے حوالہ جات کا خلاصہ فقیر اویسی غفرلہ کی تحقیق کے باب میں آجائیگا اور وہ تحقیق انہی اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تفسیر نیشاپوری میں ہے)

(دیگر تفاسیر کے حوالہ جات)

(۳) (قل لا اقول لکم) لم یقل لیس عندی خزائن اللہ لیعلم ان خزائن اللہ وھی العلم بحقائق الاشیاء وماھیاتھا عندہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قولہ ارنا الاشیاء کما ھی ولکنہ یکلم الناس علی عقولھم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم ھٰذا مع انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم علمت ما کان وما یکون اومختصرا

یعنی ارشاد ہُوا کہ اے نبی فرماؤ کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں (مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں بیان فرماتے ہیں) اور وہ خزانے کیا ہیں؟ تمام اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا علم ،، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملنے کی دُعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا ،، اور میں غیب نہیں جانتا ،، یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ما کان وما یکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۴) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یحتمل ان یکون ولا اعلم عطفاً علی ان لا اقول لکم ای قل لا اعلم الغیب فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ ،، یعنی اس آیت میں احتمال ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو اب معنی یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں اس میں دلیل ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔

(۵) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے اَیْ لَا اَدَّعِیْ القدرۃ عَلٰی کُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ

[1] اس رسول کو کیا ہے کہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے

ان کا مطالبہ کرو یا اُن کے آثار و احکام کے سوالات کرو اور جب میں انہیں نہ پُورا کر دوں تو تم اسے دلیل کے طور پیش کر کے میری دعوت کا انکار کر دو یا کہو کہ ان امُور پر عدم قدرت سے میری رسالت و نبوت بھی غلط ہے۔ حالانکہ ان امُور کی رسالت و نبوت کے دعوٰے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبوّت و رسالت اللہ تعالیٰ سے پیغام پہنچانے یا اس سے پیام کے حصُول اور پھر اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کا نام ہے ؛ چنانچہ فرمایا : اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ،، میں نہیں اتباع کرتا مگر اُس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس میں میرا ذاتی طور کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ نہ میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔ (قاعدہ) وحی تین طرح ہوتی ہے (۱) فرشتہ کی زبان سے حکم ربّانی پہنچے۔

یعنی میں تمام مقدورات پر رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ای لا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ والمجموع ھذین الکلامین حصل انہ لا یدعی الالوھیۃ یعنی میں اللہ کے علم سے موصوف کا ہونے کا مدعی نہیں ہُوا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خُدا ہونے کا دعویٰ نہیں فرماتے۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَالَمْ یُوْحَ اِلَیَّ اَوْلَمْ یَنْتَصِبْ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ میں غیب نہیں جانتا جب تک اُس کی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اُس پر قائم نہ ہو۔ یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ قَوْلُہٗ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِہٖ بِاَنَّہٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ ،، یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السّلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔ یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ وَ اِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِہِ الشَّرِیْفَۃِ ھٰذِہٖ الْاَشْیَآءَ تَوَاضُعًا لِلّٰہِ تَعَالٰی وَاِعْتِرَافًا لِلْعُبُوْدِیَّۃِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَدَّعِیْہِ حضور علیہ السلام نے اِن چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی۔ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہُوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے وَتَوَاضَعَ حِیْنَ اَقَامَ نَفْسَہٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ کَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰہِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی وَاَطْھَرَ مِنَ الْکَرُوْبِیِّیْنَ وَالرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِلْجَبَرُوْتِیَّۃِ وَخُشُوْعًا لِلْمَلَکُوْتِیَّۃِ ،، حضور علیہ السّلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیّت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شانِ جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اُس کی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریق پر فرمایا یعنی دعوائے علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

قرآن پاک کے آیات اسی قبیل سے ہیں۔

(۲) فرشتہ صرف اشارہ کنایہ سے کچھ کہے یعنی زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اِنَّ رُوحَ القُدُس نَفَثَ فِیْ رَوعِی اِنَّ نفسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا۔،، رُوح القدس نے میرے دل پر القاء کیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل کرلے۔

(۳) براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے نُور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ ،، تاکہ تم فیصلہ کرو اس اِشارہ پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

مدارک میں ہے کہ محل الغیب النّصبُ عطفًا علٰی مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ لِاَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُوْلِ كَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ ،،

رُوح البیان میں تحت آیۃ ہذا میں ہے ہم عربی عبارت کے بجائے اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں: لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں جس کی وجہ سے تم مجھ سے بھی تنزیل آیات کا مقابلہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔ (شانِ نزول) اہل مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا کہ آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی مذکور کی یاد دہانی کرتا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جیسے تم مجھ سے سوال کرتے ہو مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا وغیرہ۔ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ مجھے ان امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو جو خرقًا لِلعادۃ ہ)

ہم نے آیات و احادیث کے بعد اسلاف صالحین کے اقوال لکھ دیئے تاکہ مخالفین اپنی غلط توجیہ سے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

فائدہ : اشعریہ اور اکثر متکلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے منکر ہیں۔ جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے! لیکن حق یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ثابت ہے اور آپ کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وحی از اول تا آخر وحی ہے اور اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد اور اُس کا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے کہ گویا وہ ابتداءً ہی وحی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ، فرمائیے محبوب ذکریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا نابینا اور بینا

تطبیق : ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہُوا کہ ہمارا موقف حق ہے کہ ہم نے مخالفین کی پیش کردہ آیت کو حق مان کر اس کا اصلی منشا ثابت کر دیا اور مخالفین کا صرف یکطرفہ پروگرام ہے جو سراسر غلط اور باطل ہے خلاصہ یہ کہ آیت مذکور مکیہ ہے اور اس وقت بالمقابل کفار و منکرین تھے انہیں اسی طرح جواب دینا موزوں تھا اور مدینہ طیبہ میں ماننے والوں کی کثرت بھی اور مقابلہ میں یہود تھے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و مناقب معلوم تھے اسی لئے مدینہ طیبہ تشریف لاکر علوم غیبیہ و اختیار و تصرفات کا اظہار فرمایا۔

تقریر ۶ : مخالفین کی عادت ہے کہ ہمیشہ اپنے مطلب براری کے لئے پوری آیۃ نہیں پڑھتے اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ پوری آیۃ پڑھیں گے تو پردہ کھل جائے گا ورنہ مخالفین کا جواب اسی آیۃ کے آخر میں ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے سے علم غیب و اختیار کی نفی کی تاکہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ علم غیب و اختیار اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پھر آخر میں اپنے لئے بعطائے الٰہی انہی امور کا اثبات فرمایا کما قال، ان اتبع الا ما یوحی الیّ، یعنی اسے کافرو! میں نے تمہارے سامنے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نبی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو کچھ کہتا ہے وُہ وحی ربانی سے کہتا ہے میں نے جو (بقیہ حاشیہ) تمہارے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس میں میری صداقت اور سچائی کی دلیل وحی ربانی ہے اور وحی ربانی سے مجھے علم غیب بھی حاصل ہے اور اختیار بھی لیکن چونکہ تم ان باتوں کے حامل نہیں جو لوگ ان کے اہل ہیں ان کے سامنے ظاہر کروں گا۔

تقریر ۷ : سابقہ امم میں اللہ تعالیٰ نے دستور رکھا کہ کفار جس طرح کا مطالبہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں پُورا فرماتا پھر بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔

انہیں یہاں بھی اس قانون کا اعلان فرمایا کما قال وَقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون، یعنی کافروں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر ان کے مطالبہ پر ہماری طرف سے فرشتہ نازل بھی ہو جائے اور پھر بھی وہ

یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہوسکتے ہیں ۔

ربط : جب حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ذاتِ کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا تو اس سے لازماً ثابت ہُوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اس کے دعویٰ کو گمراہی سے تعبیر فرمائیں ۔ اس لئے ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو وہ نابینا کے مشابہ ہے اور وہ عمل جو بمقتضائے وحی ہو وہ بینا کے عمل کی طرح ہے ۔

۴۸ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ،، کیا تفکر نہیں کرتے ۔ یعنی وہ کلام حق کو سُن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے تاکہ اُس کی اتباع کر کے ہدایت پا جائیں اور وحی کے مقتضا پر چلنے والے ہو جائیں ۔

(ف) توبیخ کا دار و مدار دو امروں کے نہ ہونے پر ہے (۱) کلام حق کا نہ سُننا (۲) اُس میں تفکر نہ کرنا ۔

ایمان نہ لائے تو ان کا کام تمام ہو جائے گا اور انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی ۔

فائدہ غور کیجئے کہ آیۃ قل اقول لکم الخ میں کفار کا مطالبہ پُورا کرتے تو یقیناً ایمان نہ لاتے جیسا کہ ان کی عادت تھی تو لازماً وہ عذاب میں مبتلا ہوتے جیسا کہ اُوپر کے قاعدہ وضابطہ سے معلوم ہُوا اور ان کا عذاب میں مبتلا ہونا قیامت تک غیر ممکن تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام سے وعدہ فرما چکا کہ ما کان اللہ لیعذبھم وَاَنتَ فیھم ،، بفرض محال اگر ان پر عذاب نازل ہوتا تو خلاف وعدۂ الٰہی لازم آتا اور وہ محال ہے ۔ کما قال : ان اللہ لایخلف المیعاد ،، اور فرمایا ان اللہ لایخلف وعدہ ،، وغیرہ وغیرہ

ہماری اس تقریر سے ثابت ہُوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم آیۃ قل لا اقول لکم الخ میں علم غیب واختیار کے اظہار نہ کرنا ضروری اور لازمی تھا ورنہ اللہ تعالیٰ پر خلاف وعدہ کا الزام آتا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے لئے مبعوث ہُوئے نہ کہ اس کی توہین و تنقیص کیلئے

(مزید تفصیل و تفسیر احسن التحریر میں ملاحظہ ہو)

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۴۹ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ
بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۱ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۲ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ
سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵۵ ع

ترجمہ : اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اُٹھائے جائیں[۴۹] کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو نہ کوئی سفارشی اس پر کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں اور دُور نہ کرو انہیں جو اپنے ربّ کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دُور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے[۵۰] اور یونہیں ہم نے ان میں ایک دُوسرے کے لئے فتنہ بنا دیا کہ مالدار کافر مسلمانوں کو دیکھ کر

کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں ؑ کو[۵۴] اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور سنور جائے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے[۵۲] اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصّل بیان فرماتے ہیں اور اس لئے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر نہ ہو جائے ع[۵۳]

تفسیر عالمانہ [۴۹] وَ اَنْذِرْبِهِ "اور اس عذاب سے خوف دلائیے جو وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ "، انہیں جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ تعالیٰ کے ہاں اُٹھائے جائیں گے۔ یعنی ایسے مقام پہ انہیں اُٹھا کر جمع کیا جائے گا کہ وہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان۔

(ف) بعض کے نزدیک يَخَافُوْنَ بمعنی يَعْلَمُوْنَ ہے اس لئے کہ اُن کا خوف بوجہ علم کے تھا۔ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ "، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قریبی تعلق دار نہیں ہوگا جو قیامت میں انہیں فائدہ پہنچا سکے۔ وَّ لَا شَفِيْعٌ "، اور نہ ہی کوئی سفارشی جو اُن کی سفارش کرے اور یہ بھی جملہ نافیہ ہے اور یحشرون کی ضمیر سے محلاً حال نہیں۔ اس لئے کہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا یہی حال ہوگا نہ کہ اُٹھائے ہوؤں کا۔ اور من دونہ لیس کی ضمیر سے حال ہے اور اَلَّذین سے مومن عاصی مُراد ہیں (کذا فی اکثر التفاسیر)

رَدِ نجدیہ وہابیہ : یہاں پر شفاعت کی نفی غیر اللہ یعنی اصنام باطلہ سے ہے۔ اہلسنّت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام علی نبینا و علیہم السلام محبوبین کی شفاعت کریں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے اس معنی پر حقیقی قبضہ و قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے اس معنی پر شفاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور مجازاً اللہ والوں کے لئے۔ یہی نفی بحیثیت حقیقت کے ہے نہ بوجہ مجاز کے۔

فائدہ : مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَّذین سے کافروں کا وہ گروہ مراد ہے جو حشر و نشر کے قائل ہیں؛ بلکہ بعض اصل حشر و نشر کے عقیدے میں پختہ کار ہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور بعض وہ مشرکین جو بعثت و نشر کے قائل ہو کر اس گمان میں ہیں کہ وہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں اس لئے وہ ہماری

سفارش کریں گے یا اس غلط خیالی میں مُبتلا تھے کہ اُن کے بُت اُن کی سفارش کریں گے۔ اُن کے ساتھ وہ دُوسرے بعثت و نشر کے مُنکر ہو کر خوفزدہ ہو جاتے کہ ممکن ہے کہ بعثت و نشر کا بالکل انکار تھا یا اس کا انہیں اقرار تو تھا لیکن وہ اپنے آباء یعنی انبیاء علیہم السلام اور اپنے معبودانِ باطل کی شفاعت کے قائل تھے۔ ان سب کو انذار کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سے واضح ہو گیا کہ قیامت میں اُن کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی اُن کا ایسا سفارشی کہ جس کی سفارش اُن کے حق میں قبول ہو۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ،، یہ وانذر کی علت ہے یعنی انہیں ڈرائیے تاکہ جن بُرے عقائد پر زندگی بسر کر رہے ہیں اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف پیدا کر کے اس کی اطاعت کریں۔ یا اس سے مُراد یہ ہے کہ انہیں ڈرائیں تاکہ وہ کفر و معاصی سے بچیں۔

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کفار سے اُن کے عقول و فہوم کے مطابق کلام کریں۔ اسی لئے فرمایا قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ ،، اے کافرو اگرچہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار خزانے ہیں لیکن میں تمہیں نہیں کہتا۔ اور خزائن اللہ سے حقائق الاشیاء کا علم اور اُن کی ماہیات مُراد ہیں اور حضور علیہ السلام کو یہ خزائن حاصل تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ اور اس عموم میں حضور علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ ،، ضرور مستجاب ہوئی، چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا اُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ اور غور سے دیکھا جائے تو آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قُلْ کا حکم فرمایا ہے کہ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ اُس کے اہل نہیں تھے چنانچہ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا وَلَا تُبْذِرْ الْاَسْرَار انہیں حقائق الاشیاء کے اسرار سے مطلع نہ فرمائیے اس لئے کہ یہ اشیاء قلب و رُوح کی غذا ہیں جیسے گندم جسم کی۔ فی الارض عمیان ،، اندھوں کی زمین میں بیج مت ڈالئے۔ اس لئے کہ وہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی جملہ اشیاء میں حق کا مشاہدہ کرتے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغست با سفلہ گفت از علوم ∴ کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ : کمینے کو علم پڑھانا افسوس کا سبب ہے کہ شور زمین میں بیج ضائع ہو جاتا ہے۔

---

[1] یہ عربی عبارت خط کشیدہ فصوص الحکم شریف کی ہے

ردّ وہابیہ دیوبندیہ : وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ (اور میں ذاتی طور غیب نہیں جانتا) ورنہ دلائل سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام حالات کی خبریں دیتے اور اللہ تعالیٰ کے عطائی علم سے آئندہ کے واقعات سُناتے اور خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج ایک قطرہ میرے حلق میں اُتارا گیا جس سے میں نے مَا کَانَ وَمَا یَکُوۡنُ کے علوم کو جان لیا۔ اس بناپر جو لوگ (مثلاً وہابی، دیوبندی[1] مودودی، نیچری وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں جانتے وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ وَلَآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ،، اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اگرچہ ملائکہ کے مقام سے بھی میرا مقام بلند ہے؛ چنانچہ میں نے کہا اے جبریل کچھ آگے چلئے تو اُس نے جواب دیا۔ اگر میں تھوڑا سا اُوپر پرواز کروں تو راکھ ہو جاؤں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) شبے بر نشست از فلک بر گذشت   بتمکین و جاہ از ملک در گزشت

(۲) چناں گرم در تیہ قربت براند   کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

ترجمہ : (۱) ایک رات میں بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں سے گزر گئے مرتبہ و مقام میں فرشتوں سے بلند ہُوئے۔

(۲) قربت کے جنگل میں ایسے قریب ہُوئے کہ جبریل علیہ السلام بھی سدرہ پہ رہ گئے۔

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ ط میں اپنے اُن مقامات واحوال (جو مجھے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہُوئے ہیں کہ جہاں نہ ملائکہ مقربین کو گنجائش ہے اور نہ ہی نبی مُرسل کو) سے نہیں خبر دیتا مگر اتنا قدر کہ جتنا مجھے حکم ہُوا کہ میں تمہیں اپنے حالات و مقامات سے خبر دوں اور ان مقامات واحوال کی تمہیں کیسے خبر دوں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ حالانکہ میں اُن مقامات و حالات کا مشاہدہ فرماتا ہوں۔ اس معنے پر نابینا اور بینا کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا وَاَنۡذِرۡ بِهٖ اور ان حقائق و معانی سے انہیں خبر دیجئے جو خوف رکھتے ہیں یعنی اُنہیں اُمید ہے کہ وہ جذبات عنایت سے اپنے ربِّ کریم کی طرف جمع کئے جائیں اور وہ انہیں وہ مقامات اور احوال متحقق ہو جائیں لَيۡسَ لَهُمۡ ،، اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے میں اُن کے لئے کوئی نہیں۔ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ ،، اس کے سوا کوئی ولی وَلَا شَفِيۡعٌ اور نہ ہی کوئی شفیع اس لئے کہ وہ صرف جذبات عنایت حق سے نصیب ہوتا ہے۔ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ،، تاکہ طلب وصول میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ماسوی اللہ سے بچ جائیں۔

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دِن گورستان میں حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ کو بیٹھے دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں آپ کا کیا کام۔ فرمایا میں یہاں ان لوگوں کے ہاں قیام پذیر ہوں جب مجھے ایذا نہیں دیتے۔ اگر چلا جاؤں تو غیب نہیں کرتے۔ میں نے کہا آپ بھوکے ہوں گے اُنہوں

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ؎

تجوع فان الجوع من عمل التقیٰ ⁂ و ان طویل الجوع یوماً سیشبع

ترجمہ: بھوکا رہئے اس لئے کہ بھوکا رہنا تقویٰ ہے اور طویل بھوک سے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔

مثال عجیب: بزرگوں نے لکھا کہ نیک لوگوں کی زیب و زینت کی بہ نسبت غیروں کی مثال یوں ہے کہ ایک لشکر کو بادشاہ فرمائے کہ تم میرے ہاں حاضر ہونے کے لئے زیب و زینت کرلو۔ کل تمہیں میری ملاقات ہوگی جو تم میں زیادہ سنگار کر کے آئے گا وہی میرے نزدیک بلند قدر سمجھا جائیگا پھر خفیہ طور اپنے مخصوص لشکر کے ہاں زیب و زینت کے ایسے آرائشی سامان بھیجے جو دوسروں کو کہیں سے حاصل نہ ہوں تو جب یہ تمام حاضر ہوں گے تو ترقی انہیں نصیب ہوگی جنہیں بادشاہ نے خصوصیت سے سامان آرائش عطا فرمایا ہوگا۔ بعینہٖ یہی حال اُن حضرات اولیاء کرام کا ہے جو اعمال صالحہ اور احوال زکیہ (پاکیزہ) سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں عوام سے صفائی اور ستھرائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور جو کچھ حاصل ہے وہ قیامت میں ظاہر ہوگا جبکہ ہر ایک پریشانی کے عالم میں حیران و سرگردان ہوگا۔ اس لئے کہ وہ مخصوص اور برگزیدہ بندے ہیں اور ہم گندے بندے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (اور ان لوگوں کو نہ ہٹائیے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں)

شانِ نزول مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی مجلس شریف سے فقراء (صہیب و عمار و خباب و بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ہٹا دیں اس لئے کہ معمولی لوگوں کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نامناسب ہے علاوہ ازیں اُن کے کپڑوں سے بدبو آتی ہے (اس لئے کہ اُنھوں نے اُونی کپڑے پہنے ہوئے تھے) جبتک یہ لوگ آپکے ہاں ہیں ہم نہ آپ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور نہ باتیں کر سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اہلِ ایمان کو لمحہ بھر کے لئے بھی اپنی مجلس سے دُور نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے کہا کم از کم اتنی مہربانی تو فرمائیں کہ جب ہم آپ کے ہاں حاضری دیں تو ان کو اُٹھا دیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری شان و شوکت معلوم ہو۔ عرب کے مختلف مقامات سے آپ کے ہاں بڑے بڑے وفود حاضری دیتے ہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ ہمیں ان غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ پھر جب ہم اُٹھ جائیں تو آپ انہیں بے شک اپنے ساتھ بٹھالیں۔ حضور علیہ السلام اُن کی یہ شرط قبول کرنے کو تھے۔ اس ارادہ پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا فوراً یہی آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ (**مسئلہ**) اس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں غنی کو فقیر پر اور اونچے گھرانے والوں کو غریبوں پر کوئی فضیلت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیوی احوال کے لئے نہیں بھیجا اور طرد بمعنی الابعاد دُور کرنا، اور صبح و شام کے ذکر سے دائمی ذکر مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو ذکر میں ہر وقت مصروف رہتا ہے وہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشیں ہوتا ہے، چنانچہ قدسی حدیث میں ہے اَنَا جلیس من ذَکَرَنی ،، میں اُس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ یُرِیۡدُوۡنَ ،، اپنی عبادت و ذکر سے ارادہ کرتے ہیں۔ وَجۡھَہٗ (اُس کی ذات کا) یعنی صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں ذکر و عبادت سے انہیں کوئی دُنیوی غرض نہیں ہوتی۔ یُرِیۡدُوۡن وجھہ ،، یہ سالم جُملہ یَدۡعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی یدعونہ تعالیٰ مُخۡلِصِین لہ ،، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں اور دُعاء کو خلوص کی قید سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ اخلاص پر تمام اعمال کا انحصار ہے ؎

عبادت با اخلاص نیت نکوست ؛ وگرنہ چہ آید ز بے مغز و پوست

ترجمہ : عبادت خلوص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہو گا۔

اور دُوسری وجہ یہ بھی کہ العاد کے مقابلہ میں انہیں مکرم تر صرف خلوص پر بنایا گیا ہے۔

مَا عَلَیۡکَ مِنۡ حِسَابِھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِکَ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ (نہ آپ کا اُن پر کوئی حساب ہے نہ اُن کے حساب میں کوئی شئے آپ پر ہے)

شانِ نزول : مشرکین مکہ نے نہ صرف اہلِ اسلام فقراء و مساکین سے اظہارِ نفرت کیا بلکہ اُنھوں نے اُن کے ایمان پر طعن و تشنیع کی کہ وہ فقراء و مساکین دینِ اسلام کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا پینا اور لباس وغیرہ مُفت مل جاتا ہے۔ انہیں دینِ اسلام اور ایمان سے دُور کا واسطہ بھی نہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو وضع فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے تو اُن کے ظاہری حال پر اعتبار ضروری ہے کہ وہ متقین کا طریقہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ بقول مشرکین ان کا باطنی حال خراب ہو اس لئے کہ اُن کے ایمان کا حساب اور اُس کا ضرر اُنہیں پہنچے گا۔ آپ کو اس سے کسی قسم کا حساب نہ ہو گا اس لئے کہ ہر ایک کا حساب اسی کی طرف لوٹتا ہے کسی دُوسرے کو اُس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو گا۔

فائدہ : آیت میں کفّار کے طعن و تشنیع کا ردّ اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طریقہ کار پر ثابت قدمی کی تلقین ہے کہ آپ فقراء و مساکین کی جس طرح تربیت فرما رہے ہیں فرماتے جائیے اور انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لائیے۔

ترکیب : حسابہم و علیہم کی ضمیریں۔ اَلَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ الخ کی طرف عائد ہیں اور من شئی کا مِنۡ زائدہ ہے اور مِنۡ شئی علیک و عَلَیۡہِم کا فاعل ہے۔ اس لئے کہ اسے نفی پر اعتماد ہے اور من حسابہم و من حِسَابِکَ من شئی کی صفت ہیں۔ پھر مقدم ہو کر حال بنا ہے۔

فائدہ : مولانا ابُو السّعُود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ کفار کے سوال کا جواب ہے اگرچہ یہ پہلے جملوں میں بیان ہو گیا ہے لیکن اس کو دوبارہ ذکر کرنے میں مبالغہ ہے کہ حضور پر اُن کے کردار کا کوئی حساب و کتاب نہیں۔ جبکہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کے متعلق بھی اُن سے سوال نہ ہو گا

فاعدہ ہے کہ ذوجہتین میں کسی ایک جہت کی نفی ہو جائے تو دُوسری جہت کی نفی لازمی ہوتی ہے، لیکن دوبارہ اس کے ذکر سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ الخ نہ وہ گھڑی بھر پیچھے ہٹیں گے نہ آگے۔ **فَتَطْرُدَهُمْ**، یہ نفی کا جواب ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں "مَا تَاتِیْنَا فَتُحَدِّثَنَا"، اس فتحدثنا کو منصوب پڑھا جائے گا اس لئے کہ انتفاء تحدیث (کلام نہ کرنا) اپنے سبب یعنی اتیان کی نفی کی وجہ سے ہے یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی اگر اُن کے حساب کی مضرت مخاطب پر ثابت ہے تو وہ سبب ہے اس کے ابعاد کا جس کے ایمان میں کمزوری کا وہم ہے۔ جس کا حکم یہ ہوگا کہ یہ سبب غیر واقع ہے تو اس کا مسبب بھی غیر واقع ہے۔ یعنی طرد۔ **فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ**، پس تم ظالمین سے ہو جاؤ گے۔ یہ (لَا تَطْرُدُ الَّذِیْنَ) نہی کا جواب ہے۔ **وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا**، اور اسی طرح ہم نے آزمایا۔ ذٰلِكَ کا اشارہ اس کے مابعد والے مصدر کی طرف ہے جو فعل میں مقدر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فقراء مسلمانوں کو کفار لیڈروں پر فضیلت دینا اس لئے کہ دینی اعتبار سے وہ فقراء مسلمین کفار مشرکین سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ایمان کی تقویت نصیب ہوئی ہے اگر وہ دنیوی اعتبار سے کمزور ہیں تو کوئی حرج نہیں اور کذلک کا کاف زائدہ ہے۔ ذلک کے معنی میں تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ ذٰلِكَ کا جس طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امر مہتم بالشان ہے۔ یعنی وہ کامل آزمائش جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم نے آزمایا۔ **بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ**، بعض لوگوں کو بعض کے لحاظ سے نہ غیروں سے کہ ان میں بعض امر دُنیا میں ہر اعتبار سے انہیں کامل بنایا ہے جو دُوسرے اُن کی بہ نسبت لاشئے ہیں۔ **لِيَقُوْلُوْٓا**، یہ لام عاقبت کی ہے تاکہ بالآخر وہ کہیں یعنی اُن کے کہنے انجام بکار یہ ہو کہ وہ دُنیا دار اہلِ اسلام فقراء کی طرف بنظرِ حقارت سے یہ تصور کر کے اُن میں اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ہم اُونچے درجہ کے دُنیا و دولت کے مالک ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ انہیں فضیلت کے اصلی سبب کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ **اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا**، کیا یہ وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہ نسبت ہمارے مِنّت جتلا کر ان کو ہم پر فضیلت دی ہے یعنی یہ احسان ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی توفیق بخشی اور فرمایا ہے کہ وہ حق پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سعادتمند ہیں اور ہم باطل پر اور بدبخت حالانکہ ہم ہر طرح سے ان سے آگے اور اہلِ عرب کے سردار ہیں اور وہ دُوسرے کے غلام اور نہایت تنگدست۔ اس سے اُن کی غرض و غایت یہی تھی کہ انہیں ہم پر کسی طرح بھی فوقیت حاصل ہو سکتی ہی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر کفار کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ، اس میں اُن کی حقارت مطلوب نہیں اگرچہ انہیں خود اقرار تھا کہ وہ اس طرح کے انکار سے باری تعالیٰ پر اعتراض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعجوبہ: کلبی نے کہا کہ اگر اُونچے گھرانے والے سے کوئی غریب گھرانے والا پہلے اسلام قبول کر لیتا تو کہتا کہ اگر یہ میرے سے پہلے اسلام قبول نہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا، لیکن چونکہ اب مجھ سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے فلہذا میں اسلام قبول نہیں کرتا۔ اس حقارت و نفرت کی نحوست سے وہ دولتِ اسلام سے رہتا۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کو شکر گزاروں کا علم نہیں) یہ بھی اُن کے قول کا ردّ اور ابطال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُن کی نعمت کا شکر کرنے والا کون ہے لیکن تم اسے بعید سمجھتے ہو کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہی نہیں یہ تمہاری غلطی ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہُوا کہ وہ فقراء المسلمین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق سے عارف تھے اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک کو نازل فرمانا اور انہیں ایمان کی توفیق بخشنا ایک عظیم نعمت ہے۔ جس پر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتوں کا شکر کیا۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ کفار ایسی نعمتوں سے محروم ہو کر کفر کے گڑھے میں پھنسے۔

تفسیر صُوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ " یعنی ہم نے فاضل کو مفضول سے اور مفضول کو فاضل سے آزمایا۔ فاضل پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے اور مفضول پر ضروری ہے کہ وہ صبر کرے اس لئے کہ اگر فاضل شکر انہ کریگا تو اس سے نعمت چھین لی جائیں گی اگر مفضول صبر کرتا تو وہ فضل کے حصول میں گویا جدوجہد کرتا ہے۔

مسئلہ: مفضول صابر اور فاضل شاکر مرتبہ میں برابر ہیں جیسے سلیمان علیہ السلام نے نعمتوں پر شکر کرتے ہیں اور ایوب علیہ السلام تکالیف پر صبر کرنے میں دونوں برابر ہیں اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہو کر شکر کر کے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام مصائب و تکالیف پر صبر کر کے حق عبودیت کا ادا کرتے رہے۔ اس اعتبار میں عبدیت کے نعمتوں کے مقام پر برابر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کے لئے فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (وہ اچھے بندے ہیں)

فائدہ: فاضل کا مفضول سے آزمائش کا یہ معنے ہے کہ فاضل مفضول کو دیکھ کر اپنی گھمنڈ اور اس کی حقارت میں ڈوب جائے اور مفضول اس سے کچھ چاہے تو نہ دے اور مفضول کا فاضل سے امتحان یہ ہے کہ مفضول فاضل کی نعمت پر حسد کرے اور اس سے بغض و عداوت رکھے اُسے یہ خیال ہے کہ اسے یہ نعمت مخلوق سے ملی ہے۔ فاضل مفضول کو کچھ نہ دے تو اس گھمنڈ میں ہے کہ وہی سب کو دینے یا نہ دینے والا ہے، حالانکہ دونوں کا خیال غلط ہے **(سبق)** عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہی چاہے جو اللہ چاہتا ہے اور اسی پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے **(فائدہ)** تفسیر کاشفی میں لکھتے ہیں کہ کشف الاسرار میں ہے کہ ارادہ تین قسم ہے: (۱) محض دُنیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا " اس کی دو نشانیاں ہیں (۱) دنیا کی زیادتی کے لئے دین کے نقصان پر راضی ہونا (۲) درویشوں، اللہ والوں اور مسلمانوں سے اعراض کرنا (۲) محض آخرت: اللہ نے فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا " اس کی بھی علامتیں ہیں: (۱) دین کی خاطر دُنیا کے نقصان پر راضی ہونا (۲) اُلفت و محبت سے درویشوں فقیروں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا (۳) صرف ذاتِ حق کا ارادہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ " اس کی بھی نشانیاں ہیں (۱) دونوں جہان کے مقاصد کو پاؤں تلے

روند ناد(۲) جمیع مخلوق بلکہ خود اپنی ہستی سے بھی آزاد ہو جانا ؎

ما را خواہی خطے بعالم درکش ٭ در بحر فنا غرق شود در درکش

ترجمہ: ہمیں اگر چاہتا ہے تو جملہ عالم پر لکیر کھینچ دریائے فنا میں غرق ہو کر سانس بند کر لے

ایسے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام اس سے مرادیں مانگتے لیکن اُن کی مُراد صرف وہی ہے اور وہ اس سے اُس کے سوا اور کچھ نہیں مانگتے ۔

وہ لہ سئول و دین و مذہب ٭ و وصلکم سئولی و دینی رضاکمو

ترجمہ: اور لوگوں کا کوئی مقصد اور دین و مذہب ہوتا ہے لیکن میرا مقصد تیرا وصال اور میرا دین تمہاری رضا ہے۔

فائدہ: ارادہ دراصل قلب کے ایک جوش کو کہتے ہیں جس سے بندہ کا قرار و سکون اڑ جاتا ہے جب تک اسے وصال الہٰی کی دولت نصیب نہیں ہوتی اس کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایسے انسان کو نہ رات کو آرام ہوتا ہے نہ دن کو قرار و سکون وہ اُس وقت سکون کا سانس لیتا ہے جب اُسے وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے (التاویلات النجمیہ)

فقرا کے فضائل

: آیت کریمہ میں فقراء کی فضیلت کا بیان ہے۔ **(حدیث شریف)** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے درویشوں میں بیٹھا تھا (ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے کے کپڑوں سے تن کو ڈھانپے ہوئے تھے) ہم ایک قاری کی قرأت سُن رہے تھے کہ حضور سرورِ عالم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری مجلس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے جب قاری قرأت سے فارغ ہوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کے بعد فرمایا تم کیا کر رہے تھے۔ عرض کی قاری سے کلام الٰہی سُن رہے تھے اور ہم لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ حضور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمرنی اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ (جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بھی پیدا فرمائے جن کے متعلق مجھے حکم ہُوا کہ میں اُن کے ساتھ رہوں) یہ فرما کر ہماری جماعت کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ثابت ہو کہ آپ بھی منجملہ اُن سے ہیں اس کے بعد اپنے ہاتھ مبارک کے اشارے سے ہمیں حلقہ بندی کا حکم فرمایا تاکہ آپ سب کے چہرے دیکھ سکیں (میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کو سوائے میرے اور کسی سے آپ کا ظاہری تعارف نہیں تھا) آپ نے فرمایا اے مہاجر فقیرو تمہیں بڑی کامیابی پر مبارک ہو کہ قیامت کے دن تم دینداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہو گے جس کی مقدار پانچسو سال ہے **(حدیث شریف)** فقیر تنگدست کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کریمانہ شفقت فرمائے گا (جیسے ہم ایک دوسرے سے کسی خامی پر معذرت کرتے ہیں) پھر فرمائے گا۔ اے میرے بندے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں نے تیرے سے دُنیا کی کمی اس لئے نہیں کم دی تھی کہ مجھ پر کوئی بارِ گراں تھا لیکن میرا ارادہ تھا کہ تمہیں دُنیوی تکالیف کے عوض آخرت کی کرامات و فضیلتوں سے نوازوں۔ اب پہلے یوں کرو کہ میدانِ محشر کی ان صفوں میں گھس کر اُن لوگوں کو لاؤ جنہوں نے تجھے دُنیا میں طعام کھلایا

اور کپڑے پہنائے جن کا یہ عمل صرف میری رضا پر تھا اور تیرے اُوپر اُس نے کسی قسم کا احسان نہیں جتلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگوں کو عذاب آخرت کے پسینے نے منہ میں لگام چڑھائی ہوگی وہ فقیر درویش صفوں میں گھس کر ان لوگوں کو تلاش کر کے لائے گا جنہوں نے اس کے ساتھ احسان و مروت کی ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت میں لے جائے گا ؎

(۱) توانگرا دل درویش خود بدست آور　　که مخزن زر و گنج و درم نخواهد ماند [۱]

(۲) بریں رواق زبرجد نوشته اند بزر　　که جز نکوئی اہل کرم نخواهد ماند

حدیث شریف : ہر شئی کی کنجی ہوتی ہے اور بہشت کی کنجی فقراء و مساکین کی محبت ہے وہی قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا ؎ حُب درویشاں کلید جنت است　　دُشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ : اے اللہ کریم ہمیں اپنے محبوبوں سے بنا اور اپنے دروازۂ رحمت سے نہ ہٹا

تفسیر عالمانہ ۵۴ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا (شانِ نزول) مروی ہے کہ ایک جماعت حضور سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اب کوئی استغفار اور توبہ کے ایسے کلمات بتائیے کہ جس سے ہمارے گناہ بخشے جائیں۔ آپ اُن کی بات سُن کر خاموش ہوگئے نہ کچھ بتایا نہ کچھ فرمایا۔ وہ بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو یہ آیت نازل ہُوئی کہ جب آپ کے ہاں وہ لوگ حاضر ہوں جو ہمارے آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

مسئلہ : حضرت امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ ہر مومن اس حکم میں داخل ہے یعنی یہ آیت صرف صحابہ کرام سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہلِ ایمان کے لئے ہے۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ،، پس میرے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں فرمائیے کہ خدا کرے تمہیں ہر دُکھ تکلیف اور ہر آفت و مُصیبت سے سلامتی و عافیت ہو۔

(ف) السّلام بمعنے تسلیم یعنی کسی کے لئے سلامتی و عافیت کی دُعا کرنا۔ اب سلام علیکم کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے لئے سلامتی کی دُعا کی ہے۔ یعنی ہم تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

سوال : حضور علیہ السّلام کو ان پر السّلام علیکم کہنے کا حکم کیوں ہُوا، حالانکہ عموماً طریقہ یہ ہے کہ باہر سے

---

[۱] ترجمہ (۱) اے دولتمند پہلے درویش کا دل ہاتھ میں لے اس لئے کہ یہ زر و دولت کے خزانے ہمیشہ نہ رہیں گے۔
(۲) اسی لاجوردی آسمان میں آب زر سے لکھا گیا ہے کہ اہلِ کرم کی نیکی کے کچھ نہ رہے گا۔

آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کہے۔

جواب : حضور علیہ السلام کی وجاہت سے آنے والوں پر ہیبت چھا جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام میں سبقت کا حکم فرمایا تاکہ ان لوگوں پر ہیبت نہ ہو اور آپ سے پورے طور مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ (**فائدہ**) یہ دنیوی حکم ہے اور آخرت میں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے۔ جب اہلِ ایمان بہشت میں داخل ہوں گے؛ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ،، اور اللہ تعالیٰ بھی قیامت میں اہلِ ایمان پر سبقت کر کے فرمائے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ٥

(**فائدہ**) فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ سے وہ سلام مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ السلام علیک اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ،، اس کے جواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔

مسئلہ : جو شخص گناہوں سے مخلصانہ طور تائب ہو جائے تو وہ بھی اہلِ صلاح کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ آیت کا شانِ نزول آیت کو اس معنے سے مخصوص نہیں کر دیتا **کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ**،، (لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت) یعنی محض اپنے فضل و احسان سے اپنی ذاتِ اقدس پر واجب فرمایا۔ (**قاعدہ**) حضرت الشیخ نے فرمایا کہ کلمہ عَلٰی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے جب ایجاب و عَلٰی جمع ہوں تو اس سے ایجاب کی تاکید مطلوب ہوتی ہے۔

سوال : اس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار نہیں، ورنہ اُس پر وجوب کا کیا معنیٰ۔

جواب : یہ اس کا محض فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو بتایا کہ وہ اتنا رحیم و کریم ہے کہ بندوں پر فضل و احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں فرماتا جیسے کسی پر کوئی شئے واجب ہو تو اس کی ادائیگی میں کمی نہیں کرتا۔

حدیث قدسی شریف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہشت سے فرماتا ہے کہ تو میری رحمت ہے میں جس کے لئے رحمت کرنا چاہتا ہوں تو تیرے سبب سے رحمت کرتا ہوں جو میرا بندہ کسی دوسروں پر رحمت کرتا ہے تو اسے بہشت نصیب ہوتی ہے۔ میں اپنے خاص بندے پر رحمت کرتا ہوں تو اپنی ذات سے ہی رحمت کرتا ہوں)

۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءً،، الرحمۃ سے بدل ہے اس لئے کہ اس مضمون کا مفہوم بھی رحمت ہے۔ سُوْٓءً بمعنی کارِ بد (بِجَهَالَةٍ) عمل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جو بُرے عمل کا ارتکاب کرتا ہے درانحالیکہ وہ ملتبس ہوتا ہے جہالت سے یعنی اسے حقیقی جہالت ہوتی ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اس گناہ سے اُسے کتنی سزا ملے گی یا اسے حکمی جہالت ہوتی ہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ اُسے اس بُرے عمل پر اتنی سزا ملے گی لیکن بُرائی کرتا ہے تو یہ حکمی جاہل ہے اور جو شخص صرف گمان میں مبتلا ہو کر بُرائی کرتا ہے کہ نامعلوم اس کی سزا ہوگی یا نہ

تو ایسا شخص حقیقی جاہل کے حکم میں ہے اس معنی پر یہ حال مؤکدہ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے بُرائی کا ارتکاب جہالت حقیقی یا حکمی سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بُرائی کے ارتکاب کرنے والے دو قسم ہیں (۱) اہل ایمان (۲) اہلِ کُفر ایسے ہی جہالت بھی دو قسم (۱) جہالۃ الضلالہ یعنی ہر وہ گمراہی جو عالم ارواح میں نُور کے چھینٹوں سے چوک جانے سے کسی کو نصیب ہُوئی (۲) جہالۃ الجہولیۃ یعنی ہر وہ غلطی جو انسان سے فطری طور سرزد ہوتی ہے۔ اس سے تقریر کے بعد واضح ہوگیا کہ کفار کی جہالت اس ازلی گمراہی کا نتیجہ ہے جس کی توبہ ہے نہیں اور اہلِ ایمان کی غلطی اس فطرت سے ہے جس کی توبہ بھی ہے اور معافی بھی ؛ چنانچہ فرمایا ثُمَّ تَابَ پھر توبہ کرے یعنی بُرے عمل سے رجوع کرلے مِنْۢ بَعْدِهٖ بُرے عمل کرنے کے بعد وَاَصْلَحَ ،، جسے فاسد کیا اس کی اصلاح کرے یعنی نیک عمل کرے۔ بالاصلاح بمعنے کسی بُرے عمل کی طرف لوٹنا۔ فَاَنَّهٗ ،، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ فَاَمْرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ ،، پس اس کا امر یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ ،، وہ غفور ہے، رَّحِیْمٌ ،، وہ رحیم ہے۔

فائدہ : کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی کے لئے فرشتہ ذلت وخواری لکھے لیکن اگر اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رحمت لکھی ہے تو اُسے فرشتے کی عارضی خواری لکھی ہُوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اُسے ازل سے رحمت نصیب ہو چکی ہے۔

رُوحانی نسخہ : یہ آیت گناہ کے بیماروں کے لئے شفا ہے۔ بشرطیکہ وہ توبہ واستغفار کے ذریعے پرہیز رکھیں ؎

(۱) دردمنداں گنہ را رُوز و شب ؛ شربتے بہتر از استغفار نیست

(۲) آرزومنداں وصال یار را ؛ چارہ غیر از نالہ و زار نیست

ترجمہ : (۱) شب و روز کے گنہ کے درد کا علاج سوائے استغفار کی شربت کے اور کوئی نہیں۔

(۲) وصال یار کے آرزومند کو آہ وزاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

۵۳ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ،، کاف زائدہ اسم اشارہ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے یعنی اس کی تفخیم کی تاکید کرتا ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو فعل بعد کو آئے گا۔ دراصل عبارت یُوں تھی ھٰذا تفصیل بدیع نُفَصِّلُ الخ یہ عجیب تفصیل ہے جسے قرآنی آیات میں بیان کرتے ہیں کہ اہلِ طاعت کون ہیں اور معصیت پر اصرار کرنے والے کون تاکہ حق واضح ہوجائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہوجائے اور اُن سے اجتناب کیا جاسکے۔ **ترکیب** : سبیل مرفوع اور فاعل ہے۔

سوال : سبیل صیغہ مذکر ہے اس کا فعل مؤنث۔

جواب : یہ بنی تمیم کے ہاں مذکر ہے لیکن اہلِ حجاز کے نزدیک مؤنث ہے۔ قرآن پاک کی ترتیب و تنزیل لغتِ حجاز پہ ہے۔

فائدہ : حق کا راستہ واضح اور کھلا اس لئے ہے کہ جس نے برباد ہونا ہے وہ برباد ہوا اور جس نے نجات پائی ہو وہ نجات پائے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کرے جس میں اس کی کامیابی اور نجات ہو اور سوچ کر قدم رکھے کہ اس راستہ پر کئی تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کے نقشِ قدم پر چلے تو منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ راہِ سلوک کی پہلی منزل توبہ استغفار ہے۔

راہِ سلوک کی سڑک : سالک کی منزل کا پہلا مرحلہ گناہوں کی قباحت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت کا تصور دل میں لائے۔ جب یہ سبق حاصل ہو جائے پھر دیکھے کہ بندہ کتنا ضعیف و نحیف اور سفر بڑا دور دراز اور زادِ راہ بالکل باطل قلیل ہے۔ بندے کے ضعف کا حال تو یہ ہے کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے سے چیختا ہے اور سورج کی گرمی سے روتا ہے۔ پھر وہ جہنم کی آگ اور اژدھاؤں کے ڈس کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ کسی کو ستایا ہے یا کسی کا مال کھایا ہے تمام بخشوائے۔ اسی طرح حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے مثلاً نمازیں قضا کیں اور روزے ترک کئے اور زکوٰۃ نہ ادا کی تو مرنے سے پہلے سب کے سب ادا کرے۔ بطور کفارہ یا توبہ و استغفار اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی مثلاً شراب پی، ناجائز گانے بلجے سُنے اور سُود کھایا۔ ان سب سے توبہ کرے اور دل کو مضبوط رکھے تاکہ آئندہ اُس سے ایسے گناہوں کا صدور نہ ہو۔ جب حسبِ امکان حقوق العباد کی ادائیگی ہو جائے اور حقوق اللہ قضا مافات کر چکے تو آئندہ کے لئے دل پر گناہوں کے خیالات تک نہ آنے دے۔ اُس کے بعد بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے رہے تاکہ رحمت اور فضل و کرم اُس کی طرف متوجہ ہو۔

توبہ کا طریقہ : یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے اور نیا غسل کرے اور دوگانہ پڑھ کر بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے تمام گناہوں سے صدق دل سے تائب ہو۔

حدیث شریف : صحیح حدیث میں ہے کہ کسی بندہ سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے چاہیئے کہ وضو کر کے کھڑے ہو کر ایک دوگانہ پڑھے اور پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو اُس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

حدیث شریف : مرد یا عورت سے کوئی نماز بے خبری سے قضا ہو جائے تو توبہ کریں اور عزم کریں کہ آئندہ نماز قضا نہ ہو گی اس کے کفارہ کی نیت پر جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھے جس کی

ہر رکعت میں سُورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور اخلاص اور معوذتین ایک بار پڑھے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہ لے گا (بشرطیکہ قضاء شُدہ نماز بھی ادا کرے اور قیامت میں اپنے اعمالنامے میں بجائے برائیوں کے نیکیاں پائے گا (کذا فی مختصر الاحیاء)

اِزالہ وہم : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ بتقدیر صحۃ ہذا الحدیث اس سے ثابت ہُوا کہ ان بارہ رکعتوں کے پڑھنے سے زندگی کی تمام قضا شدہ نمازیں معاف ہوجاتی ہیں ؛ حالانکہ حدیث مذکور کے اوّل میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ہر قضاء شُدہ لگائی ہے کہ ہر قضاء شُدہ نماز سے توبہ کرے پھر ان بارہ رکعتوں کا حکم فرمایا ہے اور ویسے شرعی فیصلہ بھی یہی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز کی علیحدہ علیحدہ قضا ہے اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ان بارہ رکعتوں کی برکت یہ ہوگی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے اس کا سوال نہیں کرے گا کہ ان بارہ رکعتوں سے تو توبہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے ۔

عوام کی ایک غلط رسم کا ردّ : ہمارے ہاں عوام کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع پر بارہ رکعت نوافل یا صلوٰۃ التسبیح پڑھ لینے سے زندگی بھر کی نمازیں معاف ہوجاتی ۔ یہ غلط اور سراسر غلط طریقہ ہے اس لئے کہ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ ترک نماز کا بھی حساب ہوگا ۔ اسی طرح نماز کو بے وقت ادا کرنے کا بھی لیکن ان بارہ رکعتوں کی برکت سے کوتاہی کی معافی ہوگی نہ یہ کہ زندگی بھر تو نماز نہ پڑھے اور پھر رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں ظہر وعصر کے مابین بارہ رکعتیں صرف اس نیت سے پڑھیں کہ نمازوں کی تاخیر اور کوتاہی وغیرہ کی معافی ہوجائے تو جائز ہے لیکن جماعت کے عوام کا ان رکعتوں کا پڑھنا تو جائز ہوا لیکن اُن کی کیفیت وحقیقت میں غلطی کرتے ہیں ۔

حدیث شریف : ترغیب وترہیب میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہائے میں گناہوں میں مارا گیا یہ دو یا تین بار کہا : حضور علیہ السّلام نے اُسے فرمایا کہ تم کہو : اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ ، ، اے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت میرے گناہوں سے وسیع اور مجھے تیری رحمت پر بھروسہ ہے مجھے اپنے عملوں پر کوئی سہارا نہیں ۔ اُس نے ایک بار کہا آپ نے فرمایا پھر کہو ۔ اُس نے دوبارہ کہا تو آپ نے فرمایا پھر کہو ۔ اُس نے پھر کہا تو آپ نے فرمایا اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ بخش دیئے ۔

نسخہ عجیبہ : جو شخص اہلِ ایمان کے لئے ہر روز استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مرد اور عورت کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکی لکھتا ہے ۔

ایصال ثواب اور ردّ وہابیہ : حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہر میت قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو دریا میں ڈوبا ہُوا ہو وہ

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ
اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۴ قُلْ اِنِّیْ عَلٰى
بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۵ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا
تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۶
قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۷ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ
وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ
وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ
اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۸ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ
بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ
یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۹ ع

ترجمہ: تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ
میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں ۵۴ تم فرماؤ میں اپنے
رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی
مچا رہے ہو حکم نہیں مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ۵۵ تم فرماؤ
اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ہو چکا ہوتا اور اللہ

خوب جانتا ہے ستم گاروں کو [۵۶] اور اسی کے پاس ہیں کُنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانا نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہو [۵۷] اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے [۵۸] اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں اُٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اُسی کی طرف پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے ،، ۹۷ھ

تفسیر عالمانہ [۵۴] قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ (شانِ نزول) قریش مکہ یعنی کفار حضور علیہ السلام کو اپنے اباؤ اجداد کے دین کی دعوت دیتے تو یہی آیت نازل ہوئی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ میں روکا گیا ہوں اس لئے کہ میرے ہاں توحید پر بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارہ میں متعدد قرآنی آیات میرے اُوپر نازل ہوئی ہیں کہ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ ،، میں عبادت کروں اُن کی جنہیں تم معبود بنا کر عبادت کے طور پکارتے ہو۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کے ماسوا قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ،، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں کہ میں تمہاری خواہشات کی تابعداری نہیں کرتا۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کفار نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم جس امر پر ہو وہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں اور میں جس امر پر ہوں وہ یقینی ہے۔ فلہٰذا میں تمہاری خواہشات کی کیسے اتباع کروں جبکہ میں ہدایت پر ہوں پھر میں اللہ

بقیہ تفسیر از صفحہ : ۱۹۳

اپنے اقارب (اب۔ ام۔ اخ۔ صدیق) کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے جب اُسے کسی کی دُعا و استغفار (وغیرہ صدقات و خیرات) پہنچتی ہے تو اسے وہ دُنیا و مافیہا سے محبوب ترین محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کی قبور میں زندہ لوگوں کی دُعا (صدقات و خیرات وغیرہ) پہاڑوں کی طرح داخل فرماتا ہے۔

فائدہ : زندہ لوگوں کے اہلِ قبور (عوام ہوں یا اولیاء یا انبیاء علیہم السلام) کو ہدایا و تحائف یہی ہیں کہ اُن کے لئے استغفار دُعا (صدقات و خیرات وغیرہ زیادہ سے زیادہ) کریں۔ اے اللہ مجھے اور میرے والدین اور تمام اہلِ ایمان کو بخش دے جبکہ ہم سب قیامت کے دن حساب کے لئے اُٹھیں اس لئے کہ تو ہر ثواب و آداب کا مرجع ہے۔

کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا ،، (بفرض محال) اگر میں تمہاری اتباع کروں تو میں اُس وقت گمراہ ہو جاؤں گا۔ یعنی راہِ ہدایت کو چھوڑ دوں گا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اور میں ہدایت یافتہ لوگوں سے نہیں ہوں گا۔ یعنی اُن لوگوں سے نہیں ہوں گا کہ جو راہِ ہدایت پر ہیں۔ ماقبل پر عطف کر کے فرمایا۵۹ قُلْ إِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک واضح دلیل پر ہوں جو ہونے والی ہے۔ مِنْ رَّبِّيْ ،، میرے رب کی طرف سے۔ (فائدہ) بَيِّنَةٍ ،، اس واضح حجت کو کہتے ہیں جو حق و باطل کا امتیاز کرے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: أَنَا عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ هٰذَا الْأَمْرِ ،، میں اس امر کے بارے میں واضح دلیل پر ہوں اور میری بات نہایت یقینی ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں واضح دلیل اور اُس کی سچائی پر بُرہان موجود ہو اس سے قرآن کریم اور وحیٔ ربانی مُراد ہے۔ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ،، اور تم اُسے جھٹلا چکے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ اُن کے غلط ارادوں کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے اور بہ کی ضمیر مجرور تنبیہ کے لئے اور اُس کا مذکر ہونا بیان و بُرہان کی وجہ سے ہے معنیٰ یہ ہُوا کہ میں ایسی واضح حجت پر ہوں جسے تم نے جھٹلا دیا ہے اور اس کے جتنے احکام ہیں اِن سب کو تم نے پس پُشت ڈال دیا۔ منجملہ اُن کے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھتے۔

مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ،، ( )

نشان نزول: مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈر عذاب طلبی میں عجلت کرتے۔ مثلاً کہتے: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (اللہ کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو؟ یہ بطور استہزاء کے کہتے یا بطور الزام ، چنانچہ نضر بن حارث حطیم میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ کہ اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے اُوپر عذاب دردناک نازل فرما۔

فائدہ: آیت کا معنیٰ یہ ہے وہ عذاب کہ جس کا قرآن مجید میں وعدہ دیا گیا ہے۔ آہ تم مطالبہ کرتے ہو کہ وہ جلد آجائے اور اس کے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنا کر کہتے ہو کہ وہ میرے حکم اور قدرت میں ہے اور اسے میں سچا کر کے دکھاؤں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ ،، جلدی یا بدیر کا کوئی حکم نہیں۔ إِلَّا لِلّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں (ذاتی طور) کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔ يَقُصُّ الْحَقَّ ،، حق بیان کرتا ہے اور جمیع احکام کے بیان کرنے میں حق کی اتباع کرتا اور حق کا ہی حکم فرماتا ہے۔ بنابریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بلیغہ جاری ہے اور حکم کا اصل ہے منع کرنا۔ گویا کہ وہ باطل کو معارضۂ حق سے یا خصم کو اپنے بالمقابل کی تعدی سے روکتا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ اور اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ کرتا ہے۔ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے یقص الحق" ایک ایک خصوصی معنی کو متضمن ہے (یعنی فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ہے۵۷ قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِيْ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

، اگر میری قدرت و امکان میں ہو۔ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ،، جس کی تم عجلت کرتے ہو۔ یعنی وہ عذاب کہ جس کے لئے وعیدیں وارد ہیں اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ،، تو میرے اور تمہارے مابین فیصلہ ہو جاتا۔ یعنی وہ عذاب تمہاری طلب کے بعد فوراً تمہارے اُوپر نازل ہو جاتا جبکہ تم عجلت کرتے ہُوئے کہتے ہو: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ،، وغیرہ وغیرہ۔

سوال : لَقُضِيَ فعل مجہول کیوں ؟

جواب : اس بنا پر کہ اس کا فاعل متعین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔

فائدہ : اس میں امر کی ہولناکی اور حُسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اُس کے علم میں ہے کہ انہیں مہلت دینا استدراجاً ہے تاکہ انہیں سخت عذاب میں مُبتلا کیا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں فرمایا اور نہ ہی جلد تر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

مسئلہ : بُت پرست کو مہلت ملے یا نہ عذاب ضرور پائے گا اسے بالکل ہی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اسی طرح دُنیا اور نفس و شیطان کا تابعدار بھی عذاب چکھے گا۔ صرف فرق یہ ہے کہ کافر جہنم کے عذاب میں اور دُنیا وغیرہ کا عاشق یارِ حقیقی کے فراق کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع نہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ،،

کرامت ولی : اللہ کا ایک بندہ کہتا ہے کہ میں مختلف بلاد کی سیاحت کرتا ہُوا ایک جگہ پہنچا۔ ایک شیخ کو ہوا پر اُڑتا ہُوا دیکھ کر کہا میں نے کہا "السلامُ علیکم ،، اُنہوں نے سلام کا جواب دیا میں نے پُوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کس عمل سے پایا۔ فرمایا میں نے اپنی خواہشات کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا میرے تابع کر دی ہے۔

حکایت : یمن کے فقہا شیخ ابوالغیث قدس سرہ کے ہاں امتحان کے لئے حاضر ہُوئے اُنھوں نے فرمایا جی آئیے میرے غلام کے بندے۔ اُنھوں نے ان کا یہ کلمہ کُفر یہ سمجھا اس لئے کہ شیخ موصُوف نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو اپنا غلام کہہ دیا۔ یہ شکایت لے کر شیخ الطریقین امام الفریقین عالم عارف ابوالذبیح بن محمد الحضرمی قدس سرہ کے ہاں پہنچے اور شیخ ابوالغیث رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سُنایا۔ حضرت الشیخ سُن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اُنھوں نے سچ فرمایا۔ اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کے بندے ہو لیکن خواہش نفسانی کے غلام ہو جسے شیخ مذکور نے اپنے تابع کیا ہُوا ہے۔

فائدہ : خواہش نفسانی کا علاج تقویٰ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چونکہ تقویٰ بست دو دستِ ہوا ؛ حق کُشاید ہر دو دست عقل را

(۲) پس حواس پیرہ محکوم تو شد ؛ چوں خرد سالار و مخدوم تو شُد

ترجمہ : (۱) جب تقویٰ نے خواہشات نفسانی کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ جملہ حواس تیرے تابع ہو گئے۔ تیرا عقل سردار اور مخدوم ہو گیا۔

تفسیر صُوفیانہ: خواہش نفس کے اوصاف سے ہے اور آیات مذکورہ نفس کی اصلاح کے لئے وارد ہوئی ہے اور جو شخص ایک واضح دلیل پر قائم ہوتا ہے (واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے کہ جس سے انشراح صدر ہوتا ہے) وہی ہدایت پر ہوتا ہے اسے خواہش نفسانی سے واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے علامات سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

کرامت: ایک بزرگ عوام کو بہترین وعظ و نصیحت فرماتا۔ ایک دن اُن کے ہاں سے ایک یہودی کا گزر ہُوا۔ بزرگ نے پڑھا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے سب کا پُلصراط پر گذر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے) یہودی نے کہا پُلصراط پر گزرنے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے، حالانکہ تم اپنے آپ کو ہم پر فضیلت کے قائل ہو۔ بزرگ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ ہم پلصراط کو عبور کر جائیں گے اور تم گر جاؤ گے، کیونکہ ہم تقویٰ کی وجہ سے پُلصراط کے عذاب سے نجات پا جائیں گے اور تم اپنے ظلم و گناہ کے خطا اور کُفر کی وجہ سے گھٹنوں کے بل جہنم میں گر پڑو گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا، یعنی متقیوں کو ہم نجات دیں گے اور ظالم کو گھٹنے کے بل جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہودی نے کہا کہ ہم بھی تو متقی ہیں۔ شیخ مذکور نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ صفت تقویٰ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مخصوص فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الٰی ان قرأ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ، یہودی نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی دلیل پیش کیجئے جس سے سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ لوگ جہنم سے نجات پا جائیں گے بزرگ نے فرمایا میں آپ کو ایسی دلیل پیش کر سکتا ہوں جسے ہر چھوٹا بڑا آنکھوں سے دیکھ کر تصدیق کرے وہ یہ کہ میرے اور تیرے جسم کے کپڑے اُتار کر آگ میں ڈالے جائیں جس کے کپڑے صحیح و سالم بچ جائیں وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جس کے جل جائیں اس کے لئے یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ جہنمی ہے، چنانچہ یہ بات سب نے منظور کر لی اور ہر دونوں مسلمان اور یہودی نے اپنے اپنے کپڑے اُتار دیئے۔ مسلمان بزرگ نے یہودی کے کپڑے لپیٹے اور اپنے کپڑے یہودی کے لپیٹے ہوئے کپڑوں کے اُوپر لپیٹ دیئے۔ اس طرح سے یہودی کے کپڑے مسلمان بزرگ کے کپڑوں کے اندر چھپا دیئے گئے۔ پھر اس گٹھڑی کو آگ میں ڈال کر مسلمان بزرگ نے خود بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور آگ کے ایک کونہ میں غوطہ لگا کر دُوسرے کونے سے نکل آئے اور وہی گٹھڑی ہاتھ میں لئے باہر آئے اور گٹھڑی کو کھولا گیا تو مسلمان بزرگ

کے کپڑے آگ سے محفوظ اور صاف ستھرے گویا دُھل کر باہر آئے اور یہودی کے کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ یہودی نے جب مسلمان بزرگ کی کرامت دیکھی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

فائدہ : یہ کرامت آیات مذکورہ سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے کہ کفار یعنی قریش مکہ اہلِ ظلم اور تھے اسی لئے انہیں ان کا دعویٰ سود مند نہ ہُوا اسی لئے عذاب کے مستحق ہُوئے اور اہلِ ایمان بفضلہٖ تعالیٰ اہل عدل و اہل تقویٰ تھے۔ اسی لئے وہ تقویٰ سے موصوف ہو کر بہشت کے مستحق ہُوئے۔ اور اُن کے لئے بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے اور جو بھی اُن کے طریقہ پر چلے گا وہ اُن کی برکت سے اُس کا وجود جہنم سے بچ جائے گا، بلکہ یوں کہو کہ (کپڑا) سے مُراد یہی وجود ظاہری ہے اور اس میں روح باطنی پوشیدہ ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ظاہری وجود (کپڑے) کو صاف رکھا جائے تاکہ باطن کی صفائی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ باطنی صفائی کے لئے آسانی بھی پیدا فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ ۵۸ : وَعِنْدَهٗ[ل] اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں۔ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ، (غیب کے خزانوں کی کُنجیاں۔ **(حل لغات)** مفاتح مفتح (بفتح المیم) کی جمع ہے بمعنی کنز۔ اس معنے پر یہ اضافت لجین الماء کے قبیل سے ہے اور یہی مقام ہذا کے مناسب ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی) اور یہ بھی جائز ہے کہ مفاتح مفتح (بکسر المیم) کی جمع ہو بمعنی مفتاح یعنی شئی کے کھولنے کا آلہ یعنی کنجی اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں وہ اسباب جو غیب تک پہنچائیں۔

فائدہ : غیب کو اس سامان سے تشبیہ دی ہے جسے تالوں سے مضبوط کر کے غیروں کے دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔ پھر اس کے لئے علیٰ سبیل التخییل مفاتح ثابت فرمائے چونکہ مفاتح

ل یہ جملہ پڑھ کر دیوبندی وہابی اہلِ اسلام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کا بھی علم غیب حاصل نہ تھا فقیر نے اس کے جوابات تفسیر اویسی اُردو میں تفصیل سے لکھے ہیں یہاں مفسرین کے عبارات اور چند مختصر جوابات پر اکتفاء کرتا ہے۔ یاد رہے کہ :

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (غیب کی کُنجیوں) سے مُراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یعنی سارے معلوماتِ الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا، کیونکہ کُنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی۔ اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

(۱) تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَكَذٰلِكَ هٰهُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِالْعِبَارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَعَلَى التَّقْدِيْرِ الثَّانِىْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ جکہ

(جو غیب کے خزانوں کے لئے ہیں) تک پہنچانا صرف اسی سے مخصوص ہے اس لئے کہ غیر کو ان سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی حواشی ابن الشیخ) اسی لئے فرمایا لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا) ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تفسیر جلالین میں ہے کہ اس سے وہ مغیبات خمس مراد ہیں جنہیں آیت

پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔ تفسیر روح البیان کے علاوہ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِهٰذِهِ الْعِبَارَةِ وَعَلَی التَّفْسِیْرِ الثَّانِیْ یَكُوْنُ الْمَعْنٰی وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَیْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلٰی كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ اور ظاہر ہے کہ یہ صفت خداوندی ہے اس کی اگر نبی علیہ السلام سے نفی ہو تو ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالق نہیں مانتے بلکہ محبوب خالق مانتے ہیں۔ یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے قَالَ الْحَرِیْرِیُّ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ یُّطْلِعُهٗ عَلَیْهَا مِنْ خَلِیْلٍ وَحَبِیْبٍ اَیْ لَا یَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰی ذٰلِكَ لَهُمْ ،، حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

(۴) تفسیر عنایت القاضی یہی آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُهَا كَمَا هِیَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداءً خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

علاوہ ازیں یہ آیت مکیہ ہے جو ہمارے لئے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ آیات مدنیہ سے ہے نیز آیات کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ نفی کفار کے عقیدہ کو مٹانے کے لئے ہے کہ وہ غیوب اپنے بتوں کے لئے مانتے تھے اور قاعدہ ہے کہ جہاں نفی ہو اس سے کفار کے بت مراد ہے ورنہ آیت ھٰذا خود ثابت فرما رہی ہے کہ جملہ علوم ماکان ومایکون لوح محفوظ میں ہیں مخالفین نے صرف ایک جملہ پڑھنا ہوتا ہے چاہئیے یہ کہ مکمل آیت پڑھی جائے تاکہ اختلاف دور ہو۔

[۲] صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہاں مفاتیح الغیب سے غیوب خمس مراد لینا حق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں جانتے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (الآیۃ) میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف : بخاری شریف میں ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱) ارحام میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں کہ کل کیا ہوگا۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔
(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کس زمین میں مرے گا۔
(۵) اور کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی[1]

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۰۰) متقدمین تو صاف لکھ گئے ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں: وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطْلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يُنَافِي الْاٰيٰتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطْلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔، احادیث اس پر متواتر ہیں اور اُن کے معانی اِس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ اِن آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خُدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، کیونکہ جس کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے۔ رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسُول کے۔

مخالفین پر حیرانی ہے کہ وہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علوم خمس میں سے بہت سے جزئیات کا علم مانتے ہیں جب جزئیات کو مانتے ہیں تو پھر خاصۂ خُدا بھی گردانتے ہیں، حالانکہ خاصہ کا تو کسی دوسرے کے لئے ایک جُز ثابت کرنا بھی شرک ہے لیکن ان کی ضد کا علاج کون کرے جزئیات میں صرف علم ساعۃ پر اڑ جاتے ہیں ہم اور حدیث بخاری شریف بھی پیش کرتے ہیں اور آیت بھی ممکن ہے رُوح البیان کا ہی حوالہ بھی پیش کر دیں تو عرض کریں گے کہ صاحب روح البیان کی عادت ہے کہ تحقیق المقام پر تفصیل لکھتے ہیں ورنہ اجمال لکھتے چلے جاتے ہیں؛ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِيْ الْاٰيَةِ كَمَا لَا يَخْفٰى،، بعض مشائخ اِس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے۔ اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اِس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ باقی رہے دیگر علوم وہ ایک کامل (جسے مخالفین نے بھی قطبِ وقت مانا)

"وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط" جو موجودات جنگلوں اور دریاؤں میں ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ تفصیلی طور اور اُن کے اجناس و انواع اور اُن کے افراد کی کثرت کو جانتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق کا بیان ہے کہ جس طرح اس کا علم مغیبات سے متعلق ہے اسی طرح مشاہدات سے بھی مغیبات کے بعد مُشاہدات کا ذکر تکملۃً ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ اُس کے علم محیط کے آگے ہر شئے واضح اور روشن ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ: ۲۰۱) کے قلم کا شاہکار ملاحظہ ہو وہ ہیں حضرت شیخ علامہ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ۔ آپ الابریز صفحہ: ۲۴۳ میں لکھتے ہیں: وَاَقْوَى الْاَرْوَاحِ فِي ذٰلِكَ رُوْحُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَمْ يُحْجَبْ عَنْهَا شَيْءٌ مِنَ الْعَالَمِ فَهِيَ مُطَّلِعَةٌ عَلٰى عَرْشِهٖ وَعُلُوِّهٖ وَسِفْلِهٖ وَدُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ وَنَارِهٖ وَجَنَّتِهٖ لِاَنَّ جَمِيْعَ ذٰلِكَ خُلِقَ لِاَجْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَمْيِيْزُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِقٌ لِهٰذِهِ الْعَوَالِمِ بِاَسْرِهَا فَعِنْدَهٗ تَمْيِيْزٌ فِي اَجْرَامِ السَّمٰوَاتِ مِنْ اَيْنَ خُلِقَتْ وَمَتٰى خُلِقَتْ وَاِلٰى اَيْنَ تَصِيْرُ فِي جِرْمِ كُلِّ سَمَاءٍ وَعِنْدَهٗ تَمْيِيْزُ اخْتِلَافِ مَرَاتِبِهِمْ وَمُنْتَهٰى دَرَجَاتِهِمْ وَعِنْدَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَمْيِيْزٌ فِي اَجْرَامِ النَّيِّرَةِ الَّتِي فِي الْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ مِثْلَ النُّجُوْمِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَالْبَرْزَخِ وَالْاَرْوَاحِ الَّتِي فِيْهِ عَلَى الْوَصْفِ السَّابِقِ وَكَذَا عِنْدَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَمْيِيْزٌ فِي الْجِنَانِ وَدَرَجَاتِهَا فِي عَدَدِ سُكَّانِهَا وَمَقَامَاتِهِمْ فِيْهَا وَكَذَا مَا بَقِيَ مِنَ الْعَوَالِمِ وَلَيْسَ فِي هٰذَا مُزَاحَمَةٌ لِلْعِلْمِ الْقَدِيْمِ الْاَزَلِيِّ الَّذِي لَا نِهَايَةَ لِمَعْلُوْمَاتِهٖ وَذٰلِكَ لِاَنَّ مَا فِي الْعِلْمِ الْقَدِيْمِ يَنْحَصِرُ فِي هٰذِهِ الْعَوَالِمِ فَاِنَّ الْاَسْرَارَ الرَّبُوْبِيَّةَ وَاَوْصَافَ الْاُلُوْهِيَّةِ الَّتِي لَا نِهَايَةَ لَهَا لَيْسَتْ مِنْ هٰذَا الْعَالَمِ فِي شَيْءٍ"، یعنی اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شئے پردہ میں نہیں۔ یہ روح پاک عرش اور اُس کی بُلندی، پستی دُنیا و آخرت جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے، کیونکہ یہ سب اسی ذات مجمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔ آپ کی تمیز ان جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سماوات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے کیوں پیدا کئے گئے کیا ہو جائیں گے اور آپ کے پاس ہر ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب سے پیدا کئے گئے اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہاء درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ ستاروں سورج چاند لوح وقلم برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والوں

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ، یہ مِنْ زائدہ ہے۔ وَرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا (اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے بھی جانتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو درختوں کے پتے گرنے اور باقی رہنے والوں کا علم ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو بھی جانتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ ،، اس کا عطف وَرَقَةٌ پر ہے۔ فارسی اور اردو میں بمعنے دانہ۔
فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ ،، (زمین کی تاریکیوں میں)

فائدہ: کاشفی نے فرمایا کہ اس سے وہ بیج مراد ہے جو زمین کے اندر ہوتا ہے وَلَا رَطْبٍ ،، اس کا بھی ورقہ پر عطف ہے فارسی اور اردو میں بمعنی تر وَلَا یَابِسٍ اور اردو میں بمعنی خشک یعنی اِن اشیاء میں سے ہر شئے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا رطب و یابس سے وہ تمام اشیاء مُراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس لئے کہ ان دونوں کی تمام اشیاء یا خشک ہیں یا تر لیکن ان کا صرف جسمانیات سے تعلق ہے۔ اس لئے کہ خشکی و تری جسمانیات کے اوصاف ہیں۔ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ٥ مگر وہ کتابِ مبین میں ہے۔

فائدہ: اس سے لوحِ محفوظ مُراد ہے۔ یہ استثناء اوّل سے بدل الاشتمال کے طور ہے یا اس سے اللہ تعالیٰ کا علم مُراد ہے تو یہ بدل الکل ہوگا۔

فائدہ: وَلا رطبٌ ولا یابسٌ کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں بسبب حرف عطف مُبتدا اور اِلَّا فی کتابٍ مّبین،، اس کی خبر ہوگی۔ مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۰۲) کی گنتی اور مقامات کے علم قدیم کے معلومات اس عالم میں منحصر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسرارِ ربوبیت اوصاف الوہیت جو غیر متناہی ہیں اس عالم ہی سے نہیں۔

دیکھئے صاحب کتاب الابریز کیسے صاف تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کی رُوحِ اقدس سے عالم کی کوئی چیز عرشی ہو یا فرشی دنیا کی ہو یا آخرت کی پردہ اور حجاب میں نہیں۔ حضور سب کے عالم ہیں اور ذرہ ذرہ حضور پر ظاہر و روشن ہے۔ یہاں ہم حضور کے علم کو علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں؛ کیونکہ علم الٰہی غیر متناہی ہے اور حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو متناہی اور حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہی کیا۔

ازالۂ وہم: مخالفین جو حضور اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وسعت علم سے واقف نہیں وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے علم کی عظمت کیا جانیں۔ جب حضور کے علم کی وسعت سُنتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ پاک کا علم کیا اس سے کتنا زیادہ ہوگا!،، پس خُدا اور رسُول کو برابر کر دیا۔ یہ ان کی نادانی ہے کہ وہ علم الٰہی کو عالم میں منحصر خیال کر دیا،، یہ ان کی سفاہت ہے سچ فرمایا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ وہ سفہاء الاحلام ہیں۔

اس لئے کہ کتاب میں رطب ویابس کا سقوط نہیں کتابت ہوتی ہے ۔

سوال : حدادی نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ سے کوئی شئے مخفی نہیں تو پھر لوحِ محفوظ کا ذکر کیوں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے جانتا تھا ۔ اور اس پر وہ اشیاء مکتوب نہ تھیں یا ہوئیں تو بھی اُس کے علم میں برابر فرق نہیں ۔

جواب ۱ : تاکہ وہ لوح میں محفوظ ہو کر انہیں پڑھا جا سکے ۔ یعنی اُس کی مخلوق اس سے پڑھ سکے ۔

جواب ۲ : تاکہ ملائکہ اس سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے صفات میں معلومات کے اضافہ سے علم و یقین میں ترقی کر سکیں، لیکن حوادث کے حدوث کے وقت انہیں لوحِ محفوظ کے مکتوب کے مطابق پائیں گے، لیکن یہ جواب صحیح نہیں اس لئے کہ ملائکہ کرام میں ترقی و تنزل کا مادہ نہیں پھر اُن کے لئے لوحِ محفوظ کی تخلیق کا کوئی فائدہ نہ ہُوا ۔

جواب صُوفیانہ : لوحِ محفوظ اس تعین کا قلب (دل) ہے یعنی انسان میں ایک دِل رکھا گیا کہ اس میں ما کان و ما یکون درج فرما دیا ۔

فائدہ صُوفیانہ : لَوحِ محفوظ بھی مراتب تنزلات سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اِن مقدرات کونیہ کو اس میں لکھا جو بندوں کی طرف فوائد عائد ہوں گے اِسے صرف عارفِ باللہ یعنی اولیاء اللہ جانتے ہیں ۔ حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

ؔ معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے ؛ تا برم گوہر خود را بخریدار دگر

اس قوم میں معرفت نہیں اے اللہ میری مدد کر تاکہ میں اپنا موتی کسی دوسرے خریدار کے پاس لے جاؤں ۔

تفسیر صُوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کے مناسب عالم شہادت میں ایک دیگر مناسب عالم پیدا فرمایا اور ایک عالم غیب میں پھر غیب کے لئے ایک کنجی بنائی کہ اس سے اس شئی کے غیب و شہادت کا تالہ کھولا جا سکے ۔ پھر وہ شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ فرمایا تھا : " وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ "، اُس کے غیب کے خزانوں کو اور کوئی نہیں جانتا ۔ وہ اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ۔ بنابریں اِس کے اِن خزانوں میں نہ کسی نبی کریم علیہ السّلام کو دخل ہے نہ کسی ولی کو اور نہ ہی کوئی انہیں استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف خالق سے مخصوص ہیں (اور نبی و ولی خالق نہیں) اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھئے وہ یہ کہ فوٹوگرافر (نقش کھینچنے والا) جس شئے کی تصویر کھینچے گا تو اُس کے ہاں اس کی تصویر کی ایک صُورت عالم شہادت میں ہے

اور ایک صُورت عالمِ غیب میں ہے (جسے فوٹو گرافر کا علم و فن کہا جاتا ہے) اُس صُورت کے لئے ایک کنجی ہے کہ جس سے باب علم تصویر کو وہ مصوّر کھولے گا۔ اس صُورت کے مطابق جو عالمِ شہادت میں ظاہر ہوگی اور وہ مصوّر کے ذہن میں ہے جسے قلم ظاہر کرے گی اور قلم نقاش کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں سوائے اس نقاش کے اور کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نقاش و مصوّر ہے اور صُورتیں کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ صُورتیں جس طرح عالمِ شہادت میں ہیں۔ اِسی طرح عالمِ غیب میں بھی ہیں۔ اُن کی تخلیق و تکوین اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اُن کی مفتاح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس کا علم عالمِ ملکوت سے متعلق ہے۔ ملکوت کے قلم سے ہر شئی کا ظہور ہے اور وہ قلم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ،، اسی کے ہاتھ میں ہے ہر شئی کے ملکوت ہے پھر جیسے اشیاء مختلف ہیں اسی طرح ملکوتیات بھی مختلف۔ اور ہر شئی کے ملکوت جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان یا فرشتے اُن ہر ایک کے مناسب حال صُورت ہے۔ اس لئے مفاتح کو جمع اور غیب کو واحد لایا گیا کما قال " وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ ،، اس لئے کہ غیب تکوین کا علم ہے اور وہ جمیع اشیاء میں ایک ہے اور ملکوت میں کثرت ہے۔ جیسے مصوّر کی اقلام بکثرت ہوتی ہیں۔

(ف) اللہ تعالیٰ تکوین بر و بحر کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ہی سب کا ظہور ہُوا اور بر عالمِ شہادت ہیں اور بحر عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن ہر دونوں کو جانتا ہے۔ کَمَا قَالَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ ،، اس علم کی وجہ سے ہر درخت کے گرنے والے پتّے کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن کا خالق بھی ہے اور مُنبت بھی وہی اور مُسقط بھی وُہی۔

وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ ،، اور حبّہ سے مُراد حبۃ الروح اور ظلمات الارض سے ظُلمات ارض نفس مُراد ہیں۔ یعنی ہر رُوح کے بیج جو نفس کی زمین کی تاریکیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے اور وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ سے ظلماتِ کمالات بشیریہ بھی مُراد ہو سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کمالات بشریت کو بھی جانتا ہے اور اُس کے نقصانات کو بھی اور ولا رطب ولا یابس میں رطب سے موجود فی الحال اور یابس سے معدوم فی الحال اور موجود بالقوہ مراد ہے یعنی وہ اس وقت معدوم تھا جب یہ آیت نازل ہُوئی اور پھر بعد کو وہ موجود ہوگا اور یہ بھی ہے کہ رطب سے روحانیات اور یابس سے جمادیات اور یہ بھی ہے کہ رطب سے مومن اور یابس سے کافر اور یہ بھی کہ رطب سے عالم اور یابس سے جاہل۔ یا یہ کہ رطب سے عارف اور یابس سے زاہد یا یہ کہ رطب سے اہلِ محبّت اور یابس سے اہلِ بغض یا یہ کہ رطب سے صاحب شہود اور یابس سے صاحب وجود یا یہ کہ رطب سے باقی باللہ اور یابس سے باقی بنفسہ اور کتاب مُبین سے ام الکتاب مُراد ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

۵۹ وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں رات میں مارتا ہے) یہ خطاب ہر مومن اور کافر کو عام ہے یعنی تمہیں رات کے وقت نیند لاتا ہے یعنی تمیز اور حواس زائل کر کے تمہیں مردہ کی طرح بنا دیتا ہے۔

اس لئے وارد ہے کہ النوم اخ الموت نیند موت کی مانند ہے۔

(ف) التوفی بمعنے قبض الشئ بتمامہ یعنی شئ کو مکمل طور قبض کرنا۔ (فائدہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت رُوح تو نکل جاتی ہے، لیکن اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے۔ ایں وجہ سے نیند میں خواب دکھائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ جاگتا ہے تو روح آنکھ جھپکنے سے پہلے واپس لوٹ آتی ہے۔ یعنی خواب میں دیکھنے والی رُوح انسانی ہوتی ہے۔ عالم برزخ میں رُوحِ حیوانی اُس سے جو کچھ حُسن وقبح ظاہر ہوتا ہے اسے رُوحِ انسانی ملاحظہ کرتی ہے اور رُوحِ حیوانی اُس رُوحِ انسانی کا ظل اور عکس ہے لیکن یاد رہے کہ رُوحِ انسانی وحیوانی حکماء کی اصطلاحیں ہیں۔ اہلِ سلوک ہر دو کو مطلقاً روح اور اس کے تنزلات سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ،، اور جو کچھ تم دن میں عمل کرتے ہو انھیں بھی وہ جانتا ہے۔

فائدہ: جوارح الانسان بمعنی انسان کے وہ اعضاء کہ جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور اللیل و النہار کی تخصیص صرف عادت کی بنا پر ہے کہ عادتاً انسان رات کو سوتا ہے اور دِن کو کاروبار میں رہتا ہے۔

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ ،، (پھر تمہیں اُس میں بیدار کرتا ہے) اس کا عطف یتوفاکم پر ہے۔

نکتہ: لیل ونہار کے درمیان یَعْلَمُ کے صیغہ کو لانے میں نکتہ ہے وہ یہ کہ انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ رات کو نیند جیسی نعمت عطا فرما کر دن کو پھر بیدار فرما دیتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ نیند سے اُٹھ کر برائیوں میں مصروف ہو جائے گا۔ (اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ) حالانکہ وہ قادر ہے کہ نیند میں ہی انسان کو موت دے اور اسے حیاۃ دے کر جگاتا ہی نہیں تاکہ اُٹھ کر گناہ نہ کرے، لیکن باوجود ایں ہمہ اُس نے خواب سے جگایا اور حیات بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ ثُمَّ تراخی کا لایا گیا وہ بھی اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنس لیل میں نیند دیتا ہے اور جنس نہار میں بیداری بخشتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ تم اُٹھ کر گناہ کرو گے۔ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى تاکہ تمہارا اجل پُورا ہو یعنی نیند سے اُٹھنے والا موت تک اپنی میعاد زندگی پُوری کر سکے۔

(فائدہ) اجل بمعنی زندگی کی آخری مُدت

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ،، پھر تمہارا موت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع ہے۔ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے اُن کی تمہیں جزا و سزا دے گا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰىٓ

اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦٠﴾

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ

الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦١﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٢﴾

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٥﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ

تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَذَرِ

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ ۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ ۚ وَاِنۡ تَعۡدِلۡ کُلَّ عَدۡلٍ لَّا یُؤۡخَذۡ مِنۡهَا ؕ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا کَسَبُوۡا ۚ لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ
اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ۝ ۶۹

ترجمہ : اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے [۶۱] پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف سُن لو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے زیادہ جلد حساب کرنے والا ہے [۶۲] تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچادے تو ہم ضرور احسان مانیں گے [۶۳] تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو [۶۴] تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے تلے سے یا تمہیں بھڑادے مختلف گروہ کرکے اور ایک دوسرے کی سختی چکھائے دیکھو ہم کیوں کر طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو [۶۵] اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی حق ہے تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں [۶۶] ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے [۶۷] اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر جب تک اور بات میں نہ پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ [۶۸] اور پرہیزگاروں پر ان کے حساب میں کچھ نہیں ہاں نصیحت دینا شاید وہ باز آئیں [۶۹] اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن سے نصیحت دو کہ کہیں کوئی جان اپنے کئے پر پکڑی نہ جاوے اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لئے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کئے پر پکڑے گئے انہیں پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا ؏ [۶۹]

تفسیر عالمانہ ۚ وَهُوَ الْقَاهِرُ : اور وہی غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ " اپنے بندوں پر یعنی اس کے سوا بندوں کے جملہ امور کا ہر طرح سے اور کوئی متصرف نہیں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ فوق دوسری خبر ہو اور فوق میں مکانیت کا معنی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکانیت کی اضافت محال ہے۔ یہاں پر غلبہ یا قدرت یا اسی طرح کا کوئی اور معنے ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے : فلان فوق فلان فِي العلم "، یعنی وہ فلاں سے علم میں فوقیت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے علم میں زائد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) دست بر بالائے دست ایں تا کجا — تا بیزدان کہ الیہ المنتہیٰ
(۲) کان یکے دریاست بے غور و کراں — جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
(۳) حیلہا و چارہ ہا گراژدہا ست — پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

ترجمہ : (۱) ہاتھ کو ہاتھ پر غلبہ ہے یہاں تک کہ اللہ تک سب کا انتہا ہے۔
(۲) وہ ایسا بیکراں و بے کنار دریا ہے کہ تمام دریا اس کے سامنے چھوٹی نالی ہے۔
(۳) جملہ حیلے مکر و فریب اگرچہ بڑے اژدھا ہیں لیکن الا اللہ کے آگے تو لا ہیں یعنی کچھ نہیں۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً "، اس کا عطف جملہ اسمیہ " اور تمہارے اُوپر ایسے نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے کراماً کاتبین مُراد ہیں۔

نکتہ : کراماً کاتبین کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جا رہے ہیں (جو قیامت میں بر سر میدان عوام کے سامنے ظاہر ہوں گے) تو برائیوں سے رُک جائے گا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائے گا تو اُسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔ حضرت کاشفی نے کہا ؎

(۱) نہ اندیشی ازاں روزے کہ در وے — جگرہا خون و دلہا ریش بینی
(۲) دہندت نامہ اعمال و گویند — بخواں تا کردہائے خویش بینی
(۳) مکن ور میکنی نارے دراں کوش — کہ اندر نامہ نیکی پیش بینی

ترجمہ : (۱) تجھے اس دن کا کوئی فکر بھی نہیں جہاں جگر خون ہوں گے اور دل زخمی
(۲) تجھے اعمالنامہ دے کر کہیں گے اسے پڑھ یہ تیرے اپنے کام ہیں۔
(۳) گناہ نہ کر اگر کرتا ہے تو سُن لے کہ آگے تیرے لئے جہنم ہے جب تیرے عملنامہ میں نیکی نہ ہوگی۔

کراماً کاتبین : مروی ہے کہ کراماً کاتبین رات اور دن کے لئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے تو دُوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ایک کے بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ بُرائی کرتا ہے تو بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے رُک جا۔ وہ چھ سات ساعات رُکا رہتا ہے پھر اگر وہ بُرائی پر استغفار کرتا ہے تو اُس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر استغفار نہیں پڑھتا تو اُس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

سوال : وہ فرشتے جیسے ظاہر عمل کو جانتے ہیں کیا اسی طرح انسان کے دل کے ارادہ کو بھی جانتے ہیں۔

جواب[۱] : ہاں[۱] وہ دل کے باطنی عزم کو بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ کراماً کاتبین اُن فرشتوں سے نقل کر لیتے ہیں جو لوح محفوظ کے کاتبین ہیں اور لوحِ محفوظ پر تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں انہیں ظواہر سے تعلق ہو یا بواطن سے لوح محفوظ سے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دِن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ ویسے ہی وہ لکھتے جاتے ہیں وہ اس سے قبل بھی اُن کے اعمال کو جانتے ہیں۔

جواب[۲] : بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس علامت کے مطابق نیکی کا فرشتہ لکھتا ہے تو وہ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے مُنہ سے بدبو اُٹھتی ہے۔ اس علامت سے بُرائی لکھنے والا فرشتہ بُرائی لکھتا ہے۔

سوال : جو جوڑا آج اعمال لکھنے کے لئے آیا وہی کل آئے گا یا کل کے لئے اور پرسوں کے دیگر وغیرہ وغیرہ

جواب : بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ جو جوڑا ایک انسان کے لئے مقرر ہو جاتا ہے وہ اُس کی زندگی تک اُس کے لئے مقرر رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جو ایک دفعہ حاضر ہُوا اسے پھر اس بندے کی زندگی میں دوبارہ آنا نہیں ہوگا بلکہ ان کے بجائے کوئی اور آئیں گے۔ اسی طرح پھر تیسرے روز وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ : کراماً کاتبین انسان کے اعمال لکھتے وقت کہاں بیٹھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیث نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے منہ کو خلال سے صاف رکھو (اس لئے کہ کراماً کاتبین فرشتوں کی نشستگاہ یہی ہے) اور اُن کی سیاہی انسان کی تھوک ہے۔ اور اُن کا قلم انسان کی زبان ہے اور اُن کے نزدیک دانتوں میں جو طعام بچ جاتا ہے اس سے اور کوئی شئی زیادہ

---

[۱] اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علیمٌ بذاتِ الصّدُور ہے، لیکن اس کی دین سے بندوں کی یہ صفت حاصل ہے۔ یہی قاعدہ تاحال دیوبندیوں، وہابیوں وغیرہم کو سمجھ نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو ضد سے نہیں مانتے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

بدبُودار نہیں۔

مسئلہ: ممکن ہے کہ انسان کے ساتھ ان دو فرشتوں کے علاوہ اور بھی فرشتے ہوں جو اُسے ایذاؤں سے بچائیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** (یہاں تک کہ تمہارے ایک کے ہاں موت آجائے)

فائدہ: یہ وہ حتّٰی ہے جس سے کلام کا ابتداء کیا جاتا ہے اور اپنے مابعد والے جملہ شرطیہ کو اپنے ماقبل کے لئے غایت بناتا ہے گویا بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اُوپر نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کی مدت حیات ختم ہوجاتی ہے پھر اُس کے لئے اسباب و مبادی آجاتے ہیں۔ **تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا** (تو اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے مارتے ہیں) یہ اِن کراماً کاتبین کے غیر ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی طرف بندوں کی موت سپرد کی گئی ہے۔ یعنی حضرت ملک الموت اور اُن کے خُدام یہاں محافظین اعمال فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہوتی ہے۔ **وَهُمْ** (اور وہ رُوح قبض کرنے والے فرشتے) **لَا يُفَرِّطُوْنَ** ۝ کوتاہی نہیں کرتے اُن امور میں جن کے متعلق اُن کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ ان میں نہ وہ سُستی کرتے ہیں اور نہ کوتاہی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ان سے ڈیوٹی میں کمی اور سُستی نہیں ہوتی۔

مسئلہ: تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور ملک الموت اور اُن کے خدام کو مجازاً رُوح کا قبض کرنے والا کہا جاتا ہے (اس لئے کہ وہ قبض ارواح کے وسائط ہیں)

اعجوبہ: ملک الموت کے واسطہ کے بغیر بھی رُوح قبض کی جاتی ہے۔ جیسے بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ ان کی رُوح مبارکہ ملک الموت کے واسطہ سے قبض نہیں ہوئی۔

فائدہ: ملک الموت کے مُعین ملائکہ چودہ ہیں۔ سات رحمت کے (قبض ارواح کے بعد اُن کی طرف مومن کی رُوحیں سپرد ہوتی ہیں) اور سات عذاب کے (کافروں کی روحیں اُن کے سپرد ہوتی ہیں)

ملک الموت اور مسئلہ حاضر و ناظر

ملک الموت کے لئے تمام دُنیا ایسے ہے جیسے تھال میں چند دانے کہ وہ اُس سے جس کی رُوح چاہتے ہیں اُٹھا لیتے ہیں۔ کذا قال مجاہد صاحب رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ملک الموت کو ارواح قبض کرنے میں کسی قسم کی تکالیف نہیں ہوتی۔ اگرچہ کتنی ہی بے شمار رُوحیں قبض کرنی پڑیں۔ اور کتنے ہی دُور دُور کے مختلف مقامات پہ ہوں۔ اس کی کیفیت عقل جُزی کے فہم وادراک کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ جیسے

شیطان کے وسوسہ کے متعلق سمجھنا مشکل ہے کہ وہ ایک آن میں تمام اہلِ دُنیا کے دلوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے [1]

حدیث شریف

: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی مزاج پُرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے ملک الموت کو اس مریض کے سرہانے دیکھ کر فرمایا اسے ملک الموت نرمی کرنا یہ مومن ہے۔ اس نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خوشی ہونی چاہیئے کہ میں ہر اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں کسی اہلِ ایمان کی روح قبض کرتا ہوں تو اُس کے گھر والے روتے ہیں تو میں اُن سے علیحدہ ہوکر کہتا ہوں کہ میں نے کونسا گناہ کیا ہے مامور من اللہ ہوں اور میں یہاں بار بار آؤں گا انہیں ایسی غلطی سے پرہیز لازمی ہے اور کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میں دِن میں پانچ بار نہ آؤں۔ وہ پہاڑوں میں ہوں یا جنگلوں میں۔ دریاؤں میں یا کسی اور جگہ یہ۔ مجھے اُن کے ہر چھوٹے بڑے سے تعارف ہے بلکہ جتنا میں انہیں جانتا ہوں وہ اتنا اپنے اعزہ واقارب کو نہیں جانتے۔ بخدا میں مچھر کی جان نکالنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔

ردِّ وہابیہ

: علماءِ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ موت محض عدم اور صرف فنا کا نام نہیں بلکہ موت جسم سے رُوح کی جُدائی کا نام ہے۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک دار سے دوسری دار کی طرف منتقل ہونے کو موت کہا جاتا ہے۔

موت کی اصلی صُورت

: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موت کو ملیح بینڈھے کی شکل میں پیدا فرمایا تو اُسے حکم ہُوا کہ وہ اس ہیئت میں ملائکہ کرام کے ہاں جائے۔ جب فرشتوں نے موت کو دیکھا تو دو ہزار سال بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ کیا شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ موت ہے۔ اُنھوں نے عرض کی یہ کن پر وارد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ذی رُوح پر عرض کی۔ دُنیا کیوں پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ بنوا آدم ٹھہریں۔ عرض کی عورتوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ فرمایا تاکہ آدم زادے پیدا ہوں۔ عرض کی جن لوگوں پر موت وارد ہوگی کیا وہ دُنیا اور عورتوں سے مشغول ہوسکتے ہیں۔ فرمایا اُنہیں طویل آرزوئیں موت بھلا دیں گی۔

---

[1] اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کا مسئلہ ہے کہ ہمارے عقل وفہم و ادراک میں اگر نہیں آسکتا تو نہ آئے لیکن ہے تو حق مگر افسوس کہ دیوبندیوں و وہابیوں نے ملک الموت اور ابلیس کے لئے تو مان لیا لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی عقیدہ اہلسنت نے منوانا چاہا تو شرک کا فتویٰ جڑ دیا بلکہ انبیٹھوی گنگوہی، دیوبندیوں کے مُرشد نے گستاخانہ لہجہ میں لکھ مارا کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (معاذاللہ اویسی)۔

یہاں تک کہ ان سے دُنیا اور عزیزیں چھین لی جائیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے تمام مصائب سے بڑی مصیبت موت ہے لیکن غفلت اس سے بڑی ہے۔

لا ثُمَّ رُدُّوْٓا ،، اس کا عطف توفتہ پر ہے اور ضمیر کل کی طرف راجع ہے جو احدکم سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی قیامت میں اُٹھنے کے بعد انہیں ملائکہ لوٹائیں گے۔ اِلَى اللّٰهِ ،، (اللہ کی طرف) یعنی اُس کے حکم وجزا کی طرف حساب کے موقف میں۔

سوال : تم نے حکم وجزاء کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مکان اور جہت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکان وجہت سے پاک ہے یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے لئے مطیع کر کے لائیں گے کہ ایسے مالک کے حکم کی طرف انہیں لایا جاتا ہے کہ اب اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں نہ اس کے سوا کوئی حاکم ہے۔

مَوْلٰىهُمُ (اُن کے مالک کی طرف) یعنی ایسے مالک کی طرف جو علی الاطلاق جُملہ اُمور کا مالک ہے۔

سوال : یہ تقریر آیت «وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ» کے خلاف ہے۔

جواب : آیت میں مولیٰ بمعنیٰ ناصر یعنی حامی و مددگار ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ اسی لئے آیت ہماری تقریر کے منافی نہیں۔

اَلَا (خبردار) لَهُ الْحُكْمُ ؞ اس کے لئے جمیع حکم ہیں۔ یعنی اُس دن اپنے بندوں کے صرف وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ،، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ اُس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے گا اور یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے ایک کا حساب دُوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دُوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اس کا کلام کسی آلہ (عضو) سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رؤیت کا محتاج ہوگا۔

فائدہ : حساب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب و عذاب سے اُن کے استحقاق کے مطابق تعارف کرائے گا۔ بعض کے نزدیک حساب کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تاکہ ان کی مقدار بندوں پر ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حساب مؤمن کا ہوگا۔

مسئلہ : ہر اُس شخص کے لئے کوئی میزان نہ ہوگا جسے بہشت میں بلا حساب داخل کیا جائیگا۔

مسئلہ : حشر و حساب اس زمین کے اُوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہوگا لیکن اسے بدل کر نہایت سفید چاندی کی طرح بنا دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم نہ چلے گا۔ اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا۔

سبق : جب لازماً حساب و کتاب ہونا ہے اور حساب لینے والا بھی وہی احکم الحاکمین ہے تو پھر

ہم پہ لازم ہے کہ حساب قائم ہونے سے پہلے ہی ہم اپنا حساب صاف رکھیں اس لئے کہ ہم جیسے آخرت کے بازار کے تاجر ہیں ۔ راس المال عمر ہے اور نفع عمر کو طاعت و عبادات میں صرف کرنے میں ہے اور گناہوں و برائیوں میں عمر صرف کرنے میں گھاٹا ہے لیکن یاد رہے کہ نفس اس تجارت میں اُس کا شریک ہے ۔ اگرچہ نفس میں خیر و شر پر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے ۔ لیکن یہ برائیوں اور گناہوں کا عاشق ہے اسی لئے ضروری ہے کہ اُس پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور پورا پورا حساب لیا جائے ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تو غافل در اندیشۂ سُود و مال — کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

ترجمہ : تو سُود و مال کے فکر میں غافل ہے اسی طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ ۶۳ **قُلْ** ،، اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کو فرمایئے **مَنْ** ،، (استفہامیہ ہے) **یُنَجِّیْکُمْ** (تمہیں کون نجات دیگا) **مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ** ،، جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں سے یعنی سفروں میں ان کی ہیبتناکیوں اور تکالیف سے ۔

ف : اُن کی مشقتوں کا ظلمات سے استعارہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ہر دونوں ابطال الابصار اور ہولناکیوں میں مشارکت رکھتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جو دن سخت تکالیف و شدائد سے بسر ہو اُسے یومِ مظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اُسے یومِ ذو کواکب بھی کہا جاتا ہے ۔ یعنی وہ دن ایسا سخت ہو گیا ہے گویا تاریکی چھا گئی ہے اور ستارے ظاہر ہو گئے ہیں اس لئے کہ جب رات کو تاریکی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جس رات کو چاند نہ ہو تو اس میں ہر چھوٹا بڑا ستارہ نظر آتا ہے ۔ پھر جسقدر تاریکی زیادہ ہو اتنے ہی ستارے زیادہ چمکدار نظر آتے ہیں ۔

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ،، اُسے پکارو گے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے ۔ یعنی اُس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر اور دل میں نہایت ہی عجز و انکسار سے ۔ یہ دونوں مصدر ہیں لیکن چونکہ حال واقع ہوئے ہیں ۔ اس لئے ان میں اسم فاعل کا معنےٰ کیا گیا ہے ۔

(**ف**) التضرع بمعنے اظہار الضراعۃ الیٰ شیٔ اور ضراعۃ بمعنی شدۃ الفقر و الحاجۃ ۔

لَئِنْ اَنْجٰنَا ،، یہ بھی تدعونہ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے لیکن بارادۂ قول یعنی اُسے پکارتے ہو درانحالیکہ تم کہنے والے ہوتے ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی **مِنْ هٰذِهٖ** ،، انہی شدائد و مصائب سے **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ** ،، البتہ ہم ہوں گے پکے شکر گزاروں میں سے اور اس پہ مداومت کرنے والوں سے اس نعمت کی وجہ سے ۔

(**ف**) شکر بمعنے اعتراف النعمۃ یعنی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہا جاتا ہے ۔ بشرطیکہ اس نعمت

کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور بُرائیوں سے بچے نہ یہ کہ اُلٹا اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنہیں کسی شئ کی بھی قدرت نہیں۔

۶۳ قُلِ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے اَللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْھَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ اللہ تعالیٰ تمہیں ظلمات البر والبحر اور اُن کے ماسوا دوسرے غم سے بھی نجات دے گا۔

(ف) کرب انتہا درجہ کے غم کو کہا جاتا ہے کہ جس سے نفس کو سخت گرانی ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ ،، پھر اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا مشاہدہ کر چکے ہو تو بھی تُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ یہاں پر مناسب تھا کہ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ کے بعد ثُمَّ اَنْتُمْ لَا تَشْکُرُوْنَ ،، ای لَا تَعْبُدُوْنَ ،، ہوتا۔ لیکن تُشْرِکُوْنَ کے بجائے لا تشکرون کہا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ اشراک بھی ترک شکر ہے ۶۴ قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا ،، فرمایئے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ شرک کی وجہ سے تمہارے اُوپر عذاب بھیجے ،،

مِنْ فَوْقِکُمْ ،، تمہاری اُوپر کی جانب سے جیسے حضرت نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں طوفان، صاعقہ (آندھی) سے قوم حضرت لُوط علیہ السلام اور اصحاب فیل پر پتھر برسا کر تباہ و برباد کیا۔

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، یا نیچے سے عذاب بھیجے۔ جیسے فرعون کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ (ف) بعض نے کہا مِنْ فَوْقِکُمْ سے ملوک، رؤسا، اکابر اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، سے بدکار غلام اور اُن کے ماتحت عوام اور اُن کے بیوقوف لوگ مُراد ہیں اور لفظ اَوْ منع الجمع کے لئے نہیں بلکہ منع الخلو کے لئے ہے۔ یعنی دونوں جہت کا عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں اُوپر نیچے کے عذاب میں مُبتلا کیا گیا۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ ،، یہ لَبَسْتُ علیہ الامر سے ہے۔ ای خَلَّطْتُہٗ (باب ضرب یَضْرِبُ) یا لَبِسْتُ الثَّوْبَ (علم یَعْلَمُ) سے ہے۔ پہلے کا مصدر اللبس بالفتح اور دُوسرے کا بالضم ہے یعنی یا تمہیں خلط ملط کر دے۔ شِیَعًا ،، منصوب ہے اس لئے کہ یَلْبِسَکُمْ کے کُم مخاطب سے حال ہے۔

(ف) شیعہ کی جمع ہے جیسے سِدَرُ سِدْرَۃ کی جمع ہے اور شیعہ ہر اُس گروہ کو کہا جاتا ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف جماعتوں میں بانٹ دے کہ جن کے آراء و مذاہب مختلف ہوں جن کا ہر فرقہ اپنے علیحدہ مقتداء کا پیروکار ہو تمہارے مابین جنگ کھڑی کرکے ایک دُوسرے کی جنگ کے لئے ہر ایک لیڈر لڑائی پر برانگیختہ کرے۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا یہاں پر خلط سے اضطراب مُراد ہے۔

وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اور تمہارا بعض تمہارے بعض کو چکھائے۔ یعنی تم ایک دُوسرے سے جنگ کرو! چنانچہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ کافروں کو اہلِ ایمان کی جنگ کا مزا چکھاتا ہے۔

اسی طرح بالعکس اور یہ بھی ہُوا کہ کافروں کو کافروں سے اور اہلِ ایمان کو اہل ایمان سے مزا چکھایا۔ جیسے اکثر آزمان و اعصار میں ہُوا (اسی طرح جمال و جلال کی صفت کی تربیّت کا تقاضا ہے)

حدیث شریف : میں ہے میں نے اپنے ربِ کریم سے تین سوال کیئے۔ دو مجھے عطاء ہُوئے۔ ایک سے منع فرمایا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ میری اُمت کو قحط سالی سے تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ دوسرا سوال تھا میری اُمت غرق نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میری اُمت خانہ جنگی سے محفوظ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب یہ دُعا مانگنے کے لائق نہیں۔

شرح الحدیث المذکور : قحط سالی سے مُراد عالمگیر قحط ہے جس میں اُمت کا ہر فرد مُبتلا ہو جائے۔ حدیث میں فرق (بالفتح) وارد ہُوا ہے۔ اس سے بھی علی سبیل العموم مُراد ہے۔ جیسے نُوح علیہ السّلام کی امّت کے لئے ہُوا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسوی نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی تاثیر ہر تین سال کے بعد نمودار ہوتی ہے لیکن بطریق الخفتہ کہ کہیں زور دار بارش ہوگئی اور اس سے کئی دیہات زیرِ آب ہوگئے اور کئی گھر اور حدیث شریف میں "بأس" وارد ہُوا ہے۔ اس سے فتنہ فساد اور جنگ مُراد ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اُمت طعن وطاعون سے فنا ہوگی۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب میری اُمت[1] میں تلوار آجائے گی تو پھر وہ قیامت تک نہ اُٹھے گی۔

سبق : یہ معجزہ ہے حضوُر نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کہ جیسے فرمایا ویسے ہُوا اور البأس بمعنے الشدّہ فی الحرب ،،

فائدہ : بأس یعنی خانہ جنگی اُس وقت آئے گی جب آئمہ (سلاطین۔ حکّام) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے چھوڑ دیں گے۔ اور دُشمن اہل اسلام پر اس وقت مسلّط ہوگا جب اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معاہدہ توڑ دیں گے، چنانچہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ **اُنْظُرْ** ،، اے محبوب (کریم) صلّی اللہ علیہ وسلّم دیکھیئے۔ **كَيْفَ نُصَرِّفُ** ہم اُن کے لئے کیسے پھیرتے ہیں **الْاٰيٰتِ** ،، قرآنی آیات کو ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف کبھی وعدوں سے کبھی وعیدوں سے۔ یعنی کہیں وعید بیان کیا گیا تو ساتھ ہی وعدہ بھی۔ مختلف وجوہ سے آیات کو وارد کیا گیا۔

[1] اُمت میں تلوار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آئی اور آج تک آپس میں جاری ہے

اول سُورۃ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ،، تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے جبلی امر سے واقفیت حاصل کر کے مکابرہ و عناد سے لوٹ کر ایمان و اسلام کی طرف رجوع کریں ۞ وَكَذَّبَ بِهٖ ،، (بہ) کی ضمیر عذاب موعود یا قرآن کی طرف لوٹتی ہے جو عذاب کی خبر سُناتا ہے۔ قَوْمُكَ ،، آپ کے قول کی تکذیب کی ... جو آپ سے عناد رکھتی ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ ،، حالانکہ وہ حق ہے یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا یا یہ کہ جو کچھ کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ قُلْ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ،، میں تمہارے اُوپر وکیل نہیں۔ یعنی میں تمہارا محافظ نہیں کہ میرے ہاں تمہارے تمام امُور سپرد کیئے گئے ہوں تاکہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور تمہیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عُہدہ برا ہُوں اس لئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سُنا چکا ہوں جنہیں تم دیکھو گے ۞ لِكُلِّ نَبَاٍ ،، قرآن کی تمام خبروں میں سے ہر ایک خبر کا مُّسْتَقَرٌّ ،، وقت مقرر ہے۔ وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ،، اور عنقریب تم جان لو گے یعنی تم عذاب کے وقوع کو دُنیا یا آخرت یا ہر دونوں یعنی دُنیا اور آخرت میں۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دفع شدائد و ضرار میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تضرع و انکسار کرے اور گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ اس لئے کہ گناہ ہر قسم کے مصائب میں مُبتلا ہونے کا سبب ہے۔ اور ہر ظلمت نفس امّارہ کی ظلمات سے ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات غم   آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ پر غم کی آندھیاں چل رہی ہیں یہ تیری بے شرمی و گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب   ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ : میں کسی کی کیا شکایت کروں کہ حباب کی طرح ہمیشہ خواہشات نفسانی کی وجہ سے خراب ہوں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بر سے اجسام اور بحر سے ارواح مُراد ہیں۔ ارواح اگرچہ اجسام کے اعتبار سے نُورانی لیکن باعتبار حق اور نُور الٰہیہ کے ظلمانی ہیں، چنانچہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرمایا پھر اُس پر اپنے نُور کے چھینٹے مارے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب میں نے تمہیں ظلمت خلقیہ میں پیدا فرمایا پھر کون تمہیں ظلماتِ بر (بشریہ) اور ظلمات بحر (روحانیہ) سے نجات دے گا۔

اذ تدعونہ "، جبکہ تم اسے پکارو تضرعاً جسم کے ساتھ خفیۃ اور روح سے لئن انجانا من هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ" پھر تم شرک کرتے ہو جبکہ تمہیں اُس نے نُوری صفات سے جلوہ دکھایا تو بعض شرک کرکے "انا الحق" کہتے رہے اور بعض سُبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ "، فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہارے اُوپر عذاب بھیجے جبکہ تم کہتے ہو انا الحق و سُبحانی کہ وہ اپنے اور تمہارے مابین حجابات قائم فرمادے یُعذّبکُم تمہیں اپنی عزت و غیرت میں مُبتلا کرے۔ اَوْ مِن تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ "، تمہارے لئے تمہاری بشریت کے حجاب کھڑے کردے اور تمہارے اُوپر تمہاری خواہشات کو مسلّط کردے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا تمہاری مختلف جماعتیں بنادے۔ بعض تم میں صدیقین ہوجائیں اور ایک گروہ تم میں زندیقین ہوں۔ وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ اور تمہارے بعض کو بعض کے خوف چکھائے۔ قتل سے یا سُولی پر چڑھائے یا رگیں کٹوادے جیسے حضرت منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے کیا گیا۔

حضرت حلاج کا قصّہ

: آپ مقتدر کے وزیر حامد بن عباس کی مجلس میں چلے گئے۔ اس مجلس میں قاضی ابوعمر بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے فتویٰ دیا کہ حلاج کو قتل کردینا جائز ہے۔ اس تحریر پر دستخط بھی فرمائے اور ساتھ ہی اُن فقہاء سے بھی تصدیق کرائی جو اس مجلس میں موجود تھے جب حلاج کو اس فتویٰ کا علم ہُوا تو آپ نے فرمایا میرا خون بہانا حرام ہے اور نہ ہی جائز ہے کیونکہ میرے خون بہانے کے لئے مختلف تاویلیں کرو۔ جبکہ میرا عقیدہ اسلام اور میرا طریقہ سُنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھے چاروں صحابہ و باقی عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار ہے اور میرے کتب خانہ میں احادیث مبارکہ کی کتابیں موجود ہیں، لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے میرا خون بہانے کا فتویٰ کیوں دیا، لیکن مفتی صاحبان اس فتویٰ پر دستخط کرتے رہے اور اس کی تکمیل کے بعد مجلس برخاست ہُوئی اور حلاج کو گرفتار کرکے قید خانہ میں پہنچایا گیا۔ مقتدر کو وزیر نے مفتیوں اور قاضیوں کے فتویٰ سے مطلع کردیا۔ مقتدر نے کہا اب اس کے متعلق قاضیوں کا اتفاق ہوگیا۔ اس شخص کو سپاہیوں کے سپرد کردو تاکہ اسے ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ اگر اس سے بچ جائے تو پھر اسے ایک ہزار کوڑے اور لگائے جائیں اگر اس سے بچ جائے تو اس کی گردن اُڑادو۔ یہ حکم سُن کر حلاج کو سپاہی کے سپرد کردیا مقتدر کے حکم پر کچھ اپنا اضافہ بھی کیا کہ اگر دُوسرے ایک ہزار کوڑوں سے بچ جائے تو اس کے ہاتھ پھر اُس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کا سر کاٹا جائے۔ اس کے بعد اُن کے جسم کو جلایا جائے پھر جلاد کو کہا کہ اگر تجھے کوئی

لہ یہ ان مخصوص بزرگوں (منصور و بایزید رحمہما اللہ تعالیٰ) کے لئے نہیں بلکہ عام جہانِ صوفیہ کے لئے ہے (اویسی غفرلہ)

دھوکا دے کر کہے کہ حلاج کو چھوڑ دے۔ تجھے فرات و دجلہ کے پانی کے بجائے چاندی سونے سے بھر دیا جائے گا تب بھی کسی کی بات نہ ماننا بلکہ اُس کی سزا پُوری کرنا۔ جلاد نے ایک رات حضرت حلاج کو قیدخانہ میں رکھا وہ منگل کی شب تھی۔ ۲۳ ذوالحجہ ۳۰۹ھ میں منگل کے دن حضرت حلاج کو قیدخانہ سے نکال کر اس کے صدر دروازہ پر لایا گیا تو وہ نہایت ہی فخر و ناز سے بیڑیوں میں چل رہے تھے۔

حضرت حلاج کا تماشا دیکھنے کے لئے بے شمار مخلوق جمع ہوئی۔ جب حضرت حلاج کو میدان میں لاکر ایک ہزار کوڑا مارا تو انہوں نے اُف تک نہ کی۔ جب حسب ایماء وزیر جلاد کوڑوں سے فارغ ہوا تو حضرت حلاج کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اس کے بعد ان کا سر قلم کیا۔ ازاں بعد انہیں جلایا گیا تو آپ کی راکھ دریائے دجلہ میں ڈالی گئی اور اُن کا سر بغداد کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا لیکن بعض مریدین کا دعویٰ ہے کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ آپ جیسی شکل کی شبیہ تھی جسے آپ کے دشمنوں نے قتل کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا (اسی طرح ہونا ممکن بھی ہے اس لئے کہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں)۔

فائدہ : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس طرح کی تشبیہ و تخیل حکایات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ان کی سوانح عمریاں پڑھنے والوں کو اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسئلہ : یاد رہے کہ اس طرح کا وقوع جواز ماننا چاہیئے۔ اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ یعنی یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو اور نہ ہی ماننے والوں کو گمراہ کہنا چاہیئے۔

سوال : تم کہتے ہو کہ حلاج ولی اللہ تھا۔ اگر واقعی وہ ولی اللہ تھے تو پھر انہیں آگ نہ جلاتی اور نہ ہی جل کر راکھ ہوتے۔

جواب : یہ کوئی ضروری نہیں کہ اولیائے کرام کے اجسام کو آگ نہ جلائے بلکہ وہ اجسام عوارض و آفات کو قبول کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ایوب و یحییٰ علیہما السلام کے متعلق ہم مانتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے اسی طرح دوسرے انبیاء کا حال ہے۔ مروی ہے کہ اصحاب رس (ایک کنوئیں کا نام ہے) نے اپنی طرف بھیجے ہوئے پیغمبران عظام علیہم السلام کو شہید کر کے اُن کے گوشت مُبارک بھُون کر کھائے۔ اُنھوں نے نہ صرف اس پر اکتفاء کیا بلکہ اُن کی ہڈیاں اپنے کنوئیں میں لٹکا دیں۔ (کذا قال اہل التفاسیر)

عقیدہ : کبھی خرق عادت کے طور بوجہ اظہار کرامت بعض انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے اجساد مبارکہ آگ سے محفوظ رہے یا انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ **عقیدہ** : مزارات میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے اجساد ظاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ یعنی اُن کے اجساد ظاہرہ مزارات میں محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۶۷ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ،، اور جب تم اِن لوگوں کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات میں غور وخوض کرنے لگتے ہیں۔

(ف) اِذَا جواب یعنی فَاَعْرِضْ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ خطاب حضور علیہ السّلام اور آپ کی امت کو ہے وَخُوْضُ بمعنی مُطْلَقًا کسی شئی میں شروع ہونا پھر اکثر شئے باطل اور آیات قرآنی میں شروع ہونے پر مستعمل ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ قرآنِ پاک میں تکذیب اور استہزا اور طعن وتشنیع میں شروع ہوگئے ہیں۔ جیساکہ قریش مکہ (کافروں) کا طریقہ تھا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ،، پس اُن سے اعراض کیجئے۔ یعنی اُن کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا چھوڑ دیجئے ، اگر ساتھ بیٹھے ہیں تو اُن سے اُٹھ جائیے۔ جبکہ وہ آیات قرآن میں استہزاء و تکذیب اور طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ط یہاں تک کہ وہ شروع ہوجائیں۔ قرآنی آیات کے غیر میں یعنی تمہارا اُن سے علیحدگی اختیار کرنے کی حد وہاں ختم ہے۔ جب وہ قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کر دیں۔

فائدہ : غیر کی ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال : آیات جمع اور مؤنث ہے اور ہٗ ضمیر واحد مذکر۔

جواب : آیات بمعنی حدیث یا قرآن ہے۔

وَاِمَّا ،، یہ دراصل وَاِنْ مَا تھا۔ ان شرطیہ کو ما زائدہ میں اِدغام کیا گیا ہے یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ ،، اور اگر تمہیں شیطان یہ حکم بھلا دے کہ یہ آیات قرآنی سے وہ استہزاء کرتے رہے اور تم اُن کی مجلس میں بیٹھے رہے ، حالانکہ وہاں سے اُٹھ جانے کا حکم تھا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی تو اب یاد آجانے پر اُن کے ساتھ نہ بیٹھئے۔ (الذّکریٰ) مصدر بمعنی ذکر ہے۔

(**قاعدہ**) کلامِ عرب میں فِعْلٰی کے وزن پر مصدر صرف یہی الذکریٰ ہے۔ اس کے سوا اِس وزن پر اور کوئی مصدر نہیں۔ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ظالم قوم کے ساتھ یعنی وہ جنہوں نے قرانی آیات کی تصدیق وتعظیم کے بجائے اُن کی تکذیب و استہزاء کیا تو اب اُن کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ازالہ وہم اور ردّ وہابیہ وغیرہ : یہاں کوئی خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ شیطان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھلا دیتا ہوگا اس لئے کہ یہاں محض احتمال بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی حرفِ شرط سے اور جو امر حرف شرط سے بیان کیا جائے اس سے وقوع لازم نہیں آتا۔ اگرچہ بعض عُلماء نے انبیاء علیہم السّلام کے لئے سہو ونسیان کا جواز مانا ہے[1]

---

[1] اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ " التبیان فی السہو والنسیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

فائدہ : یہاں الشیطان سے ابلیس اور اس کی جماعت کے بڑے بڑے شیطان مراد ہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو شیطان تخلیق کیا گیا وہ تو مسلمان ہوگیا وہ آپ کو صرف خیر کا القاء کرتا تھا بخلاف اُمت کے کہ ان کا شیطان انہیں بُرائی کا القاء کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام پر دو وجہوں سے افضل ہوں۔

(۱) میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مسلمان ہوگیا۔

(۲) میری ازواج (مطہرات) دینی امور میں میری معاون رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شیطان اور آپ کی زوجہ نے آپ کو خطا (ظاہری) پر اکسایا

ربط : اہلِ اسلام پر گراں ہوتا تھا جبکہ انہیں مسجد حرام میں بھی جانا ہوتا۔ وہاں طواف بھی کرنا ہوتا اور وہاں پر کفار کا کام بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء اور اُن پر طعن و تشنیع کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے گرانیٔ طبع کے پیشِ نظر اُن کو اجازت بخشی کہ وہ بیت حرام وغیرہ میں بطور وعظ و نصیحت کے اُن کے ساتھ بیٹھ اُٹھ سکتے ہیں۔

۶۸ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ،، اور متقیوں پر ان کا کوئی حساب نہیں۔

(ف) : حِسَابِهِمْ کی ھم ضمیر خائضین کی طرف لوٹتی ہے اور مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شَيْءٍ محلاً مرفوع اور مبتدا اور اس کی خبر علی الذین یتقون مقدم ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا جو مؤمن خائضین کے قبیح اعمال و اقوال سے بچتے ہیں ان پر ان کے جرائم و معاصی کے متعلق کسی قسم کا حساب وغیرہ نہیں۔

وَلٰكِنْ ذِكْرٰى ،، لیکن ان مومنین پر لازم ہے کہ وہ اِن کافروں کو نصیحت کریں اور انہیں اپنی وسعت کے مطابق سمجھائیں کہ قرآنی آیات پر طعن و تشنیع اور تکذیب نہ کریں بلکہ ان کے سامنے ایسی بُرائیوں پر کراہت کا اظہار کریں۔ ذکریٰ مفعول مطلق اور اُس کی واو عاطفہ اور لکن استدراکیہ ہے۔ اس سے معترض کا اعتراض دفع ہوگیا کہ واو اور لکن ہر دونوں حروف عاطفہ ہیں اور دونوں کا اجتماع مکروہ سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں یہ اجتماع کیوں۔ ہم نے اُوپر عرض کر دیا کہ لکن عاطفہ نہیں بلکہ استدراکیہ ہے۔

سوال : ایسی نظیر قائم کرو جہاں دو حروف کے اجتماع سے تاویل کر کے خرابی لازم نہ آتی ہو

جواب : قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ اور شعرائے عرب کے فصحاء کے کلام میں لفظ سوف

پر لام داخل ہوتی ہے وہ دونوں حروف ہیں سَوف استقبالیہ ہے اور لام حالیہ اور ان کا اجتماع عند النحاۃ مکروہ ہے۔ لیکن سب کا اتفاق ہے کہ یہ لام حالیہ نہیں بلکہ صرف تاکیدیہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ہ تاکہ وہ کفار قرآنی آیات کی تکذیب اور استہزاء وغیرہ سے بچ جائیں۔ تمہارے حیاء سے یا اس خطرہ سے کہ کہیں اہلِ اسلام بُرا نہ مانیں ہ ۶۹ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا، اَلَّذِيْنَ الخ سے وہی کُفار مراد ہیں جو قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ کرتے اور دِيْنَهُمْ سے دینِ اسلام مُراد ہے اس لئے کہ اس کے لئے انہیں مکلف بنایا گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس کے احکام پر عمل کرنے کے مامور ہوئے اِتَّخَذُوْهُ لَعِبًا وَّلَهْوًا سے مراد یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مذاق اور ٹھٹھہ مخول کرتے رہتے تھے۔ لعب اس عمل کو کہتے ہیں جو نفس کو مُفید امور سے پھیر دے اور لہو ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگا دے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دیجئے جنہوں نے دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیٰوۃ دُنیا نے دھوکے میں رکھا ہے اور اُن کے نقش و نگار سے مطمئن ہیں یہاں تک کہ اب انہیں یقین ہے کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے بے پرواہ ہو جائیے اُن کے معاشرے اور ان کے میل جول سے یکلخت دُوری اختیار فرمائیے اُن کی تکذیب یا قرآنی آیات سے استہزاء کو خیال میں نہ لائیے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ فرمائیں اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روک رہا ہے اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا وَذَكِّرْ بِهٖ اور جسے آپ نصیحت و وعظ کا اہل سمجھتے ہیں۔ آپ اُسے قرآنِ مجید کے متعلق نصیحت فرمائیے تُبْسَلَ نَفْسٌ تاکہ کوئی ہلاکت یا رُسوائی کی طرف نہ دھکیلا جائے۔

بِمَا كَسَبَتْ ،، اعمال قبیحہ کی وجہ سے۔

فائدہ : بَسْل وَاِبْسَال دراصل منع (روکنے) کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کے لئے استعمال کیا جانا جائز سمجھا گیا ہے، کیونکہ ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنا منع (روکنے) کے معنیٰ کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی ہلاکت و تباہی کی طرف دھکیلا گیا تو مسلّم الیہ یعنی ہلاکت نے مسلّم یعنی دھکیلنے والے کو تباہی و ہلاکت سے روکا اور دھکیلے ہُوئے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(ف) تفسیر کاشفی نے فارسی میں اس کا یُوں ترجمہ کیا کہ تا تسلیم کردہ نہ شود بہلاک یا رُسوا نکردہ شود نفس بہ کافرے بسبب آنچہ کردہ است از بدیہا، یعنی تاکہ ہر کافر کا نفس برائیوں کی وجہ سے ہلاکت کی طرف دھکیلا نہ جائے اور ان کو رسوائی نہ ہو۔

فَلَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ،، نہ اِس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ کوئی حمائتی ۔

(ف) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ قیامت میں اُن کے حالات کی خبر دینے کے لئے لایا گیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نفس کا حال ہے اس معنیٰ پر نفس سے کافر مُراد ہے یا اُسے نفوس کثیرہ کے معنے سے تعبیر کر کے اس کے لئے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے ۔ جیسے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا الخ میں ہے ۔

(ف) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، سے مُراد یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس نفس کا کوئی حمائتی نہیں ہوگا جو اس سے جہنم کا عذاب ہٹا سکے ۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ ،، اور اگرچہ وہ نفس بہت بڑا فدیہ بھی پیش کرے گا۔ مثلاً جہنم کے عذاب سے نجات پانے کے لئے زمین کی تمام دُنیا و دولت فدیہ کے طور دے تب بھی اسے جہنم سے نجات نصیب نہ ہوگی ۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ،، اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ف) كُلَّ عَدْلٍ ،، مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے ۔ اس معنیٰ پر اب عدل اس مال و دولت کا نام نہ ہوگا جو بطور فدیہ کے دیا جاتا ہے بلکہ مصدری معنے میں ہوگا ۔

سوال : اخذ کا استعمال اعیان پر ہوتا ہے نہ معانی پر لیکن یہاں پر اس کا استعمال معانی پر ہو رہا ہے ۔

جواب : امام رازی نے فرمایا اسے اکثر اعیان میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی بمعنے قبول کے بھی آتا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ویاخذ الصدقات میں یاخذ بمعنیٰ یقبل ہے ۔ جب یوخذ بمعنیٰ یقبل اس آیت میں مانا گیا تو اس کے مصدر کی طرف اسناد ماننا بلا خوف وخطر جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے چھٹکارے کے لئے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُس کی کسی طرح بھی نجات نہیں ہو سکے گی ۔

سبق : جب یہ حال ہے تو اس بیوقوف پر تعجب ہے کہ گناہ کرتے وقت خوف سے لرزتا کیوں نہیں ۔ اُولٰئِكَ ،، اس سے وہ لوگ مُراد ہیں جو دین سے ٹھٹھہ مخول کرتے اور دنیاوی اسباب میں بہت زیادہ منہمک ہیں ۔

اَلَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب میں دھکیل دیا ۔

بِمَا كَسَبُوْا ،، بوجہ اُن کے اعمالِ قبیحہ اور عقائد فاسدہ کے ۔

(ف) فارسی تفسیر میں ہے ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیا بوجہ ان اعمال قبیحہ کے جو اُن سے سرزد ہوئے ۔

(ف) تفسیر ابو السعود میں ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قبیح اعمال کا ارتکاب کیا ۔ اس سے معلوم

ہُوا کہ بِمَا کَسَبُوْا میں با بمعنے اِلیٰ ہے جیسے مررت بِزید میں باعتبار مفہوم کے با بمعنے اِلیٰ ہے لَھُمْ شَرَابٌ ، یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں عذاب کے لئے دھکیلا جائے گا پھر ان کے ساتھ کیا ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا لَھُمْ شَرَابٌ ۔ ان کے لئے پینے کا پانی ایسا ہوگا کہ مِنْ حَمِیْمٍ سخت گرم کہ جس کے پیتے ہی پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوجائے اور اس کی سخت گرمی سے آنتیں کٹ جائیں۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ ؀ اور عذاب دردناک ایسی آگ سے جو اُن کے اجسام کو جھلس دے بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ؀ بسبب اُن کے کُفر کے کہ جس میں وہ عالم دُنیا میں دائمی طور مُبتلا رہے۔

مسئلہ : قرآنی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزا کُفر ہے اور کفر کا انجام عذاب دردناک۔

مسئلہ : معاصی پر اصرار بھی بسا اوقات کفر پر خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

حکایت پُراسرار

: حضرت ابو اسحاق خزازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ہاں نشست و برخاست رکھتا تھا لیکن وہ اپنے آدھے چہرے کا حصہ ڈھانپے رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ہمارے ہاں تیری نشست و برخاست بہت زیادہ ہے لیکن تا حال تیرے اس راز سے بےخبری ہے کہ تو اپنے چہرے کے آدھے حصّے کو کیوں ڈھانپے رکھتا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اگر آپ وعدہ فرمائیں کہ واقعہ سُننے کے بعد ناراض نہیں ہوں گے تو تفصیل عرض کردوں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تو کہنے لگا کہ میں جوئی کا نباش (قبر کھود کر میّت کا کفن چُرانے والا) تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہُوئی تو میں نے حسبِ عادت اُس کی قبر کھودی اور اُس کے کفن اُتارنے شروع کردیئے پہلے اُس کی باہر والی چادر کھینچی پھر اندر والی کفنی ، لیکن میں نے جونہی اُس کی کفنی کو اُتارنا چاہا تو اُس نے ایک جھٹکے سے کفنی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں نے کہا میّت ہوکر مجھ پر غالب ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ ہوشیار ہوکر کفنی کھینچی تو اُس نے زور سے میرے چہرے پر طمانچہ مارا (چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میں نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیوں کے طمانچے نشان دیکھے) اس کے بعد میں نے اس کی کفنی چھوڑ دی اور چادر باہر والی جو پہلے کھینچ چکا تھا وہ بھی اس پر واپس ڈال دی اور اس کی قبر پر مٹی ڈال دی۔ اس وقت میں نے توبہ کی کہ آئندہ تادمِ زیست کسی کی قبر کی چوری نہیں کروں گا۔

حضرت فزاری فرماتے ہیں میں نے یہ ماجرا حضرت اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ اس سے پوچھو کہ بتاؤ کہ قبر میں اہلسنت کے چہرے قبلہ رُخ تھے یا اس سے پھرے ہوئے نظر آئے اُس نے جواب دیا کہ بعض کے چہرے قبلہ رُخ ہوتے اور بعض کے پھرے ہوئے ۔ حضرت اوزاعی نے یہ سُن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

(ف) سُنّت سے یہاں اُن کی دینِ اسلام مُراد تھی جن کے چہرے قبلہ سے پھر چکے تھے۔ معاذ اللہ! اُن کے خاتمے ایمان پر نہ ہوئے تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎ یا رب از ابر ہدایت برساں بارانے ۞ پیشتر ازانکہ چوں گرد ی زمیاں برخیزم ؎

تفسیر صوفیانہ : آیات میں اشارہ ہے کہ طالب راہ حق کے لئے نہایت نامناسب ہے کہ وہ احوال عوام میں توجہ رکھنے والے لوگوں سے نشست و برخاست رکھے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ صحبت رکھنے سے سنگار و آرائش کے اور کوئی خیالات نہیں رہیں گے کیونکہ وہ انہیں خیالات میں مبتلا ہوتے ہیں اور طبیعت کو طبیعت سے میلان ہوتا ہے اور اُس کی نقل اُتارنے کی خوگر ہوتی ہے ؎

(۱) نفس از ہم نفس بگیرد خوئے ۞ بر حذر باش از لقائے خبیث

(۲) باد چو بر فضا بد بگذرد ۞ بُوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ (۱) نفس نفس سے عادت حاصل کرتا ہے فلہٰذا خبیث آدمی کی ملاقات سے پُرحذر ہو

(۲) جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو گندی فضا کی وجہ سے اس سے بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری اور لازمی ہے اور بزرگوں کے ملفوظات سے نصیحت حاصل کرنا واجب۔

حکایت : حضرت عبداللہ بن الاحنف نے فرمایا کہ میں نے مصر سے رملہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جاکر رودباری قدس سرہ (ولی اللہ) کی زیارت کروں۔ مجھے راستہ میں حضرت عیسیٰ بن یُونس مصری ملے اور فرمایا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تم رملہ کے بجائے صور میں جاؤ۔ وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا دوسرا نوجوان) حالت مراقبہ میں بیٹھے ہیں اگر تجھے اُن کی زیارت نصیب ہوگئی تو سمجھو باقی زندگی سُدھر گئی۔

حضرت ابن الاحنف فرماتے ہیں کہ میں عیسیٰ بن یونس کا مشورہ قبول کر کے صور میں چلا گیا۔ واقعی وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا اور دوسرا نوجوان) قبلہ رخ مراقبہ میں بیٹھے تھے باوجودیکہ میں بھُوکا اور پیاسا تھا اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہیں تھا، لیکن اُن کی زیارت کرتے ہی تمام بھُوک پیاس دور ہوگئی اور سُورج کی گرمی بھی ٹھنڈک سے بدل گئی۔ اُن کی خدمت میں پہنچ کر السلام علیکم عرض کیا لیکن اُنھوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ ہی میرے ساتھ کلام کیا۔ میں جتنی باتیں کرتا رہا وہ خاموش رہے۔ میں نے عرض کی تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ساتھ کوئی بات تو کرو۔ میرے قسم دینے پر بوڑھے بزرگ

نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا اے ابن الاحنف تجھے کاروبار کی مشغولی سے فراغت ہی نہیں پھر ہمارے ساتھ باتیں کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر پھر وہ مراقبہ میں چلے گئے۔ میں وہاں بیٹھا رہا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ میں نے ظہر پھر عصر بھی اُن کے ساتھ پڑھی، لیکن اُن کی برکت سے میری بھوک اور پیاس تو ختم ہی ہوگئی۔ میں نے پھر اس نوجوان سے عرض کی آپ ہی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں جس سے میں نفع پاؤں۔ اُس نے فرمایا میں اہل مصیبت ہوں۔ ہم کسی کو نصیحت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میں اُن کے یہاں شب و روز ٹھہرا۔ میں نے دل میں سوچا کہ انہیں عرض کروں کہ وہ مجھے نصیحت و صیت فرمائیں تاکہ میں زندگی بھر اس پر عمل کروں میرے اس وسوسہ پر وہ نوجوان مطلع ہُوا اور فرمایا تمہیں چاہیئے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو کہ جن کی صحبت سے خُدا تعالیٰ یاد رہے اور اُن کی نگاہ سے تمہارا کام بن جائے اور وہ نصیحت کریں تو عملی طور نہ صرف زبانی یہ کہہ کر وہ دونوں میری آنکھوں سے اُوجھل ہو گئے۔ گویا میں لسانِ حال سے کہہ رہا تھا ؎

شدوا المطایا قبیل الصبح وارتحلوا وخلفونی علی الاطلال ابکیھا

وہ صبح سے پہلے اپنی سواریوں کو لے کر چلے گئے اور مجھے ریت کے ٹیلوں پر چھوڑ گئے۔ اُن کی یاد میں میں ہر وقت روتا رہتا ہوں۔

سبق : نصیحت کہنا سُننا تو آسان ہے لیکن اُسے قبول کر کے عمل کرنا سخت مُشکل ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کی عنایت اسے کھینچ کر کسی ناصح کے دروازے پر لے جاتی ہے جو اُسے ظاہری و باطنی نصیحت سے نوازتا ہے اور اُس کی نصیحت کے نُور سے وہ بندہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کی منازل طے کر لیتا ہے۔ یعنی نفس کی نشیب گھاٹیوں سے نکل کر رُوح کی بلندیوں پر پرواز کر جاتا ہے جس سے اسے وقار و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہی اِس کی ترقی اور بُلندی ہے یہی آیات نفس کی بیماریاں اور اُن کے علاج بتاتی ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی اصلاح پر فتح و نصرت نصیب فرمائے۔ آمین!

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ
عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ
الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا
لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾
وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ
كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ
وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ
الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ
قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا
رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ
قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُشْرِکِیْنَ ۝۷۸ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ
هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِکُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ
وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝۷۹ وَکَیْفَ اَخَافُ
مَآ اَشْرَکْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ
بِهٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ کُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۱ ع

ترجمہ : تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے نہ بُرا اور الٹے پاؤں پلٹا دیئے جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ اِدھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لئے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہانوں کا ۷۱ اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف ہمیں اُٹھنا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار ۷۳ اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں ۷۴ اور اسی طرح ہم

ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے [۷۳] پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے [۷۴] پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بناتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہی گمراہوں میں ہوتا [۷۵] پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں [۷۶] اُن چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں [۷۷] اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو وہ تو مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بناتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے [۷۸] اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اُس نے کوئی سند نہیں اتاری تو دونوں گروہوں میں ان کا زیادہ سزاوار کون ہے اگر تم جانتے ہو [۷۹] وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے ایمان ہے اور وہ راہ پر ہیں [۸۰]

تفسیر عالمانہ

: **قُلْ اَنَدْعُوْا** ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم عبادت کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ **مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ** ،، اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متجاوز ہو کر **مَالَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا** ،، ان کی جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں نہ نقصان یعنی جب ہم اُن کی عبادت کریں تو وہ ہمارے نفع کی قدرت نہ رکھیں۔ اگر ہم ترک کریں تو وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں (اُن سے اصنام باطلہ مُراد ہیں) اور بہت بڑی قدرت والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا ،، اور اپنے گنڈوں کی طرف لوٹائے جائیں۔ اعقاب عقب کی جمع ہے قدم کے پچھلے حصے کو کہا جاتا ہے یعنی اگر ہم غیر اللہ کی عبادت کریں تو ہم اسلام سے ہٹ کر گمراہی کی طرف لوٹ

جائیں گے ۔ بَعۡدَ اِذۡ ھَدٰىنَا اللّٰہُ ،، بعدازاں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں شرک سے بچایا ۔ كَالَّذِي اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ ،، نُرَدُّ کے فاعل سے حال ہے ۔یعنی کیا ہم لوٹائے جائیں اپنے گنوں کی طرف درانحالیکہ ہماری مشابہت اس سے ہوگی جسے سرکش جنات حیرانی و سراسیمگی کی طرف لے جاکر گمراہ کر ڈالیں ۔ فِي الۡاَرۡضِ ،، یہ اِسۡتَهۡوَتۡهُ کے متعلق ہے ۔ حَيۡرَانَ ط ، اِسۡتَهۡوَتۡهُ کی ہٗ ضمیر سے حال ہے ۔حیران صفت مشبہ ہے ۔ اس کی مؤنث حیریٰ آتی ہے اور گردان حَارَ یَحَارُ حَيۡرَةً ہوتی ہے ۔ حَيۡرَان بمعنے متحیر اور سیدھے راہ سے ہٹا ہُوا لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ ،، یہ حیران کی صفت ہے یعنی اُس بھٹکے ہُوئے آدمی کے اور ساتھی ہوں ۔ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ،، جو اسے سیدھے راہ کی طرف بلائیں ۔طریق مستقیم سیدھے راستے کو ہدیٰ سے تعبیر کرنا مبالغہ کے طور ہے ۔ جیسے عموماً مصادر کو مفاعیل کے معانی میں لایا جاتا ہے کہ وہ ایسا سیدھا ہے کہ گویا وہ راستہ کا عین ہے ۔ اِئۡتِنَا ،، يَدۡعُوۡنَهٗ سے بدل ہے بارادہ يَقُوۡلُوۡنَ یعنی اسے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں آجا ۔

ف : اللہ تعالیٰ نے مُشرک اور عابد اصنام (جو حق و باطل کے امتیاز کے باوجود اصنام پرستی کرتا ہے) کی ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تین اوصاف سے موصوف ہو : ۔

(۱) سرکش جنوں کے پھندے میں پھنس کر جنگلوں ویرانوں میں حیران و سرگرداں پھرنے والا ۔

(۲) سیدھے راہ سے ہٹ کر ہر جگہ بھٹکنے والا کہ جسے علم تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے

(۳) اس کے اور ساتھی ہوں جو اسے کہیں کہ ہماری طرف آجا تو ویرانوں میں پھر رہا ہے اور سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے لیکن وہ نہ انہیں جواب دے سکے اور نہ ہی وہ شیاطین اور جنات کو چھوڑ سکے ۔

فائدہ : جن اجسام[1] لطیفہ کا نام ہے جو مختلف اشکال میں متبدل ہو سکتے ہیں اور وہ یہ بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اجسام متخلخلہ میں ہوا کی طرح گھُس جائیں ۔ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ھدایت جو اُس نے ہمیں عطا فرمائی ہے یعنی اسلام هُوَ الۡهُدٰى ط ،، صرف ہدایت وہی ہے اس کے ماسوا ضلالت محض اور غوایت خالص ہے وَ اور فرمائیے اُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ o ہم مامور ہیں کہ ہم صرف ربّ العالمین

---

[1] جن کی تعریف ہٰذا پر تمام اقوام کو تقریباً اتفاق ہے لیکن تعجب دیوبندیوں و وہابیوں پر ہے کہ مدعیان اسلام ہو کر جنات کے ان کوائف پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن انبیاء و اولیاء کے لئے لطافت کے ماتحت اس طرح مانا جائے تو اُن کے نزدیک شرک ہے ۔ اویسی غفرلہ

کو مانیں۔ لِنُسْلِمَ کی لام بمعنی بار ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل ،، ان تمام محاوروں کا ایک مطلب ہوگا ۷۲ وَ اَنْ اور یہ کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ نماز قائم کرو اور اللہ سے ڈرو۔

فائدہ : اسلام رئیس الطاعات اور نماز اجسام سے متعلقات عبادت کی سردار عبادت ہے اور تقویٰ ان عبادات کا سردار جس میں معاصی کے ترک کرنے اور غیر مستحسنہ امور سے احتراز کرنے کا حکم ہے ۸۲ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی۔ یعنی علوی اور سفلی عوالم اور جو اُن کے اندر ہے سب اُسی کا پیدا کردہ ہے بِالْحَقِّ ،، خلق کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ حق سے قائم ہے۔ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ط قَوْلُهُ الْحَقُّ ط ،، اور اُس دن فرمائے گا کہ ہو جا تو ہو جائے گا۔ اور اُس کا قول حق ہے یوم قولہ الحق کا ظرف ہے اور معنی کے اعتبار سے قول الحق پر داخل ہے۔ اب معنی یوں ہُوا کہ اس کا امر ان تمام اشیاء سے کہ جن کے پیدا کرنے کے لئے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے حق ہے نہ اُن کے افراد احیان سے پہلے نہ بعد کو اور حق بایں معنی ہے کہ جن کی حقانیت مشہود لہ اور معروف ہے۔ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ،، اور اُسی کا ملک ہے۔ جس دن صُور پھونکا جائے گا یعنی نفخ صُور کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ کسی دوسرے کا [illegible] مجازاً کسی طرح کا ملک منسوب نہ ہوگا۔ جیسے دُنیا میں بطور مجاز غیر اللہ کی طرف ملک منسوب ہوتے تھے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ط غیب و شہادت کا عالم ہے۔ یعنی جو ہم سے پوشیدہ ہیں یا جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُن سب کا وہی عالم ہے وَهُوَ الْحَکِیْمُ ،، اور وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کی حکمتوں کو جانتا ہے الْخَبِیْرُ تمام جلی و خفی امُور سے باخبر ہے۔

صُور اسرافیل کا بیان : حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہُوا تو صور پیدا کر کے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا اور وہ صور کو منہ میں رکھ کر اپنی آنکھ عرشِ معلیٰ پر لگائے ہُوئے ہیں کہ کب انہیں صُور کے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صُور کیا شئے ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے پھر میں نے عرض کی وہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا۔ وہ بہت بڑا ہے مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ چودہ طبق (آسمانوں اور زمینوں) کو گھیرے ہُوئے ہے اور اس کے دائرہ میں ارواح مخلوق کے برابر سوراخ ہیں۔

(ف) منقول ہے کہ نفخ تین ہیں :۔ (۱) نفخ فزع کہ جب اُسے لوگ سُنیں گے تو انہیں یقین ہو جائیگا

کہ اب وہ یقیناً مر جائیں گے۔ اس نفخ کے بعد تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔ دُنیا کی کوئی شئ بھی باقی نہ رہے گی
اُس کے بعد اُنہیں گھبراہٹ گھیرلے گی اور وہ نفخ حساب وکتاب کرنے کے لئے ہوگا۔
(۲) یہ نفخ صعق کا کہلاتا ہے کہ اس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب کو فنا ہے
كَمَا قَالَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔
(۳) اس نفخ سے قبروں سے اُٹھیں گے۔

فائدہ : ایک نفخ سے دوسرے نفخ تک چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہر ایک رُوح صُور سے معلق کی جائے گی۔

فائدہ : مٹی میں عام انسان کی ہر شئے مٹی سے مٹی میں مل جائے گی سوائے ایک ہڈی کے کہ اُسے مٹی نہیں کھاسکے گی اسے عجب الذنب کہا جاتا ہے اس سے تمام مخلوق کو قیامت میں مرکب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسی دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا کوئی درندوں کے پیٹوں میں ہوگی اور پانی کے بحری حیوانات میں یا زمین کے اندر یا جنہیں آگ جلا دے گی یا جنہیں پانی نے غرق کیا ہوگا۔ یا سُورج کی گرمی سے مٹایا ہوگا یا جنہیں ہوا اڑا کرلے گئی ہوگی، لیکن یہ اُس وقت ہوگا جب عرش سے بارش ہوگی۔ اس پانی سے سب زندہ ہوں گے۔ اُسے آب حیات کہا جاتا ہے۔ اُس کے بعد چالیس سال آسمان سے پانی برستا رہے گا یہاں تک کہ بارہ گز پانی سب کے اُوپر چڑھ جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اجسام انگوری کی طرح بڑھنے شروع ہو جائیں گے۔ جب تم اجسام کی ترکیب مکمل ہو جائے گی باقی اُس کے اندر ارواح داخل کرنے ہوں گے اس کے بعد سب سے پہلے حملۃ العرش زندہ ہوں گے پھر جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل صُور پھونکیں گے جس سے تمام ارواح اس صور کے سُوراخ سے نکلیں گے جیسے مکھیاں اُڑتی ہیں۔ تمام ارواح سے زمین و آسمان کے درمیانی خلا بھر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر رُوح کو حکم فرمائے گا کہ ہر ایک اپنے جسم میں داخل ہو۔ پھر وہ رُوح اپنے اپنے جسم میں داخل ہوگی۔ رُوح پہلے ناک کے سوراخوں سے داخل ہوگی اور تمام جسم میں پھیل جائے گی جیسے زہر ڈنس کی جگہ سے شروع ہو کر تمام جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین پھٹے گی۔ سب سے پہلے حضور علیہ السلام زمین سے تشریف لائیں گے اُس کے بعد آپ کی اُمت۔ اس وقت سب تینتیس (۳۳) سالہ نوجوان ہوں گے اس وقت سب کی زبان سُریانی ہوگی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف تیز رفتاری سے بھاگیں گے لیکن یہ حال مخلص اہلِ ایمان کا ہے اور کافروں کے لئے یہ دن بہت بڑا سخت ہوگا۔ اُس وقت سب کے سب ننگے جسم اور ننگے پاؤں ہوں گے۔ ستر سال ایسے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ تمام مخلوق اتنا روئے گی کہ آنکھوں کے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون کے آنسو بہائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کی جانیں

لبوں پر آجائیں گی اور بولنے سے بند ہو جائیں گے پھر جس طرح اللہ چاہے گا کرے گا۔

سبق : اے بندۂ خدا اسلام حقیقی کے لئے جدوجہد کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کیجئے تاکہ تجھے نجات حاصل ہو۔ اپنی خودی کو مٹا دے جیسے گیند میدان میں اپنے آپ کو ڈنڈے کے حوالے کر دیتی ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سپرد کر دو۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ حاصل ہو؛ چنانچہ صاحب مثنوی فرماتے ہیں ؎

(۱) ساز د اسرافیل روزے نالہ را — جاں دہد پوسیدۂ صد سالہ را

(۲) انبیاء را در دروں ہم نغمہا است — طالباں را زاں حیات بے بہا ست

(۳) نشنود آں نغمہا را گوش حس — گوشہا گوش حس باشد نجس

(۴) ہین کہ اسرافیل وقتند اولیاء — مردہ را زیشاں حیاتست و نما

(۵) نغمہائے اندرون اولیاء — اولا گوید کہ اے اجزائے لا

(۶) ہین زلائے نفی سرہا بر زنید — ایں خیال و وہم یکسو افگنید

(۷) اے ہمہ پوسیدہ در کون و فساد — جان باقیاں نروئید و نزاد

ترجمہ: (۱) اسرافیل علیہ السلام ایک دن زور سے آواز دیں گے تو سو سالوں کے مردوں کو جان بخشیں گے

(۲) انبیاء علیہم السلام کے اندر میں بھی نغمے ہیں جس سے طالبان حق کو بے بہا حیات نصیب ہوتی ہے۔

(۳) لیکن ان نغموں کو یہ ظاہری حس نہیں سنتی اس لئے کہ ان کانوں کی حس نجس ہے۔

(۴) خبردار اولیاء کرام بھی وقت کے اسرافیل ہیں ان سے مردوں کو حیات اور نشو و نما نصیب ہوتی ہے۔

(۵) اولیاء کے اندرونی نغمے کہ وہ لا کہتے ہیں اور انہیں فرماتے ہیں کہ اے لاء کے اجزاء

(۶) خبردار لا نفی سے سر کو مارو اس خیال وہم کو ایک طرف پھینکو

(۷) اے کون و فساد کی بوسیدہ ہڈیو باقی رہنے والی جانوں کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

تفسیر عالمانہ: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ ۷۴ ”اور یاد کرو جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اَبّ آذر سے کہا۔

ربطِ آیات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عرفان کے لئے دل کو متوجہ کیا اور زبان کو براہین قائم کرنے کے لئے کھولا تاکہ شرک کی جڑیں اکھڑ جائیں اور گمراہی دنیا سے اٹھ جائے پھر اپنی جان کو آگ میں ڈالنے سے گریز نہ کیا اور بچے کو راہ حق میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور مال مہمانوں کی نذر کر دیا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا اور

دُنیا بھر کے لوگوں اور تمام اہلِ ادیان کو آپ کے فضل و علم کا معترف بنایا یہاں تک کہ مشرکین بھی آپ کی تعظیم و تکریم بجا لاتے بلکہ وہ ان کی اولاد سے منسوب ہو کر فخر محسوس کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کے مناظرہ کو بیان فرما کر مشرکین عرب پر حجت قائم فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ مکہ کو یاد دلائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کیا فرمایا یعنی اسے زجر و توبیخ کی۔ اصنام باطلہ کی پرستش سے روکا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ خصم کو سُن کر سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

فائدہ : آزَرَ لِاَبِیْهِ[1] کا عطف بیان ہے۔ اس کا نام تارح تھا بفتح الراء و سکون الحاء المہملہ ابراہیم علیہ السلام کے ایسے دو نام تھے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا دُوسرا نام اسرائیل تھا۔ ایسے ہی آزر کا دُوسرا نام تارح تھا۔ یہ آزر اس کا لقب تھا۔ وہ کوثی کوفہ کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ،، کیا تُو نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطورِ انکار فرمایا کہ بتوں کی پرستش اچھی نہیں۔ اس میں اُنہوں نے بتوں کی جنس مراد لی نہ کہ کثرت اور واقعہ ایسے ہی تھا کہ اُن کی قوم کے کثیر التعداد لوگ بُت کے پجاری تھے۔

اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ ،، بے شک میں تجھے اور تیری قوم کے ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو بتوں کی پرستش میں تیری اتباع کرتے ہیں۔ فِیْ ضَلٰلٍ ،، حق سے بھٹک کر گمراہی میں مُّبِیْنٍ ،، ایسی گمراہی جو واضح ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔

(ف) اِنِّیْ اَرٰىكَ ،، کی رویت یا بمعنی علم ہے فی ضلال ظرف اس کا مفعول ثانی ہے یا بصری ہے تو فی ضلال کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور جملہ اَتَتَّخِذُ کے انکار و توبیخ کی تعلیل ہے۔

ازالہ وہم : یہ صحیح ہے کہ بُت پرستی کفر ہے اور آزر کی بُت پرستی پر آیات میں تصریح ہے لیکن اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک پر قباحت لازم نہیں آتی جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نسب میں شرعی نکاح کی حیثیت رہی۔ سفاح (زنا) وغیرہ سے تمام نسب محفوظ رہا۔ اسی طرح ایک دیگر ارشادِ گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ زمین پر اُتارا پھر مجھے نُوح علیہ السلام کی پُشت میں رکھا میں کشتیٔ نُوح میں بھی جلوہ گر تھا۔ مجھے پھر چند واسطوں سے ابراہیم کی صلب میں رکھا اسی طرح میں اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں

---

[1] یہ جواب بھی صحیح ہے لیکن جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب القول الامور فی تحقیق آزر میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہ)

باپ سے ظاہر ہُوا اور وہ دونوں بھی سفاح (زنا) سے محفوظ تھے۔

نورِ محمدی علیٰ صاحبہ السّلام کی سیر کا بیان

: مروی ہے کہ جب بی بی حوا علی نبینا وعلیہا السلام نے شیث علیہ السلام کو جنا تو حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نُورِ مُبارک شیث علیہ السلام کے ہاں منتقل ہُوا اور اُن کی پیشانی میں چمکتا ہُوا نظر آیا تھا۔ جب وہ نوجوان ہوئے تو آدم علیہ السلام نے اُن سے عہد و پیمان لیا کہ یہ امانت صرف پاک ارحام و اصلاب میں منتقل کریں گے تاکہ یہ امانت پاک اصلاب و ارحام سے منتقل ہوتا ہُوا عالم دُنیا کو منور فرمائے، چنانچہ وہ نورِ مبارک ادریس علیہ السّلام سے منتقل ہوکر یانش کے پاس جنہیں انوش کہتے تھے پھر اُن سے قینان پھر اُن سے مہلائیل اُن سے یزدان اُن سے خنوخ بروزن ثمود جنہیں ادریس علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ ان کا اخنوخ بھی نام تھا۔ پھر اُن سے متوسلح اُن سے لمک اُن سے نُوح علیہ السلام اُن سے سام ابوالعرب اُن سے ارفحشذ اُن سے شالخ ان سے جابر بروزن ناصر ان سے عیبر بروزن جعفر اُن سے نالخ انہیں فالغ بھی کہا جاتا۔ اُن سے ارغوا انہیں راغو بھی کہا جاتا اُن سے شاروخ ان سے ناحود اُن سے تارح جسے آزر کہا گیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السّلام پھر اسماعیل کی طرف۔

ف : اسماعیل کی چند لغات اور ہیں۔ اسمٰعین بالنون (کذا قال النووی) اُن سے قندار اس سے حمل اس سے بنت اس سے سلامان اس سے یشجب بروزن ینصر اس سے یعرب بروزن ینصر اس سے ہمیسع اس سے یسع اُس سے ردد اس سے ادد کی طرف منتقل ہُوئے اس کے بعد کا نسب نامہ مشہور ہے۔ یہاں تک آپ کے نسب نامہ اور اسماء میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد معد پھر نزار پھر مضر پھر الیاس بفتح الہمزہ فی الابتداء والوصل۔ بعض نے کہا بکسر الہمزہ یعنی جو رَجاء کی ضد ہے وہی معنٰے یہاں ہے۔ اس سے مدرکہ اس سے خزیمہ اس سے کنانہ اُس سے نضر اس سے مالک پھر فہر پھر غالب اس سے لوی۔ اس سے کعب۔ یہاں پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب حضور علیہ السلام سے ملتا ہے پھر اس سے مرۃ یہاں پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ حضور علیہ السلام سے ملتا ہے اس سے کلاب اُس سے قصی اس سے عبد مناف اس سے ہاشم اُن سے عبد المطلب اُن سے حضرت عبد اللہ کی طرف حضور نبی پاک شہ لولاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نُورِ مبارک تشریف لایا۔

نکتہ : بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ قریش کا بُت پرست ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی "وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ"، اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچانا اور اللہ نے بھی ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق فرمایا کہ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً

باقیۃ فی عقبہٖ[۲]، لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ پہلی آیت میں بنیؔ سے صلبی اولاد مُراد ہے نہ کہ پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔ اگرچہ بنیؔ سے اولاد و احفاد مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں پر وہ مُراد نہیں کہ حقیقت کے خلاف ہے اور دُوسری آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ کلمۂ توحید کو اُن کی اولاد میں باقی رکھنا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اور یہ صحیح ہے کہ ہر دَور میں دینی سلسلہ قائم رہا تو وہ اولادِ ابراہیم تھا۔ یہی قول حق اور مبنی بر صواب ہے[۳]۔ واللّٰہ اعلم!

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ زندہ کو مُردہ سے پیدا فرمایا: کَمَا قَالَ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اس لئے کہ وہ منہمک ہے انکار میں اس لئے کہ اس کا قلب مُردہ ہو چکا تھا اور نسل فی الشہود مضمحل ہوتی ہے قلب کی حیات سے اور اصنام اللّٰہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہونے والے کو کہا جاتا ہے۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی میں نے ملکوت الاشیاء کو ملاحظہ فرمایا تو میں نے تمہیں اور تیری قوم کو گمراہ پایا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اعجوبہ : بلاغات زمخشری میں ہے کہ بہت دو خبیثوں سے ایک اعلیٰ شئے پیدا ہوتی ہے جیسے دودھ، گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) چوں کنعان را طبیعت بے ہُنر بُود — پیمبر زادگی قدرش نیفزود
(۲) ہنر بنما اگر داری نہ گوہر — گُل از خار است و ابراہیم از آزر[۴]

نیز فرمایا: خاکستر اگرچہ نسب عالی دارد کہ اصلش جوہر علویست ولیکن بنفس خود ہنرے ندارد باخاک برابر است قیمت شکر نہ از نے ست کہ خاصیت ویست[۵]

اس سے ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ کی شان قدیم ہے کہ وہ زندوں کو مُردوں سے پیدا فرماتا ہے۔ اس سے نسب کو کوئی تعلق نہیں۔ کبھی اچھے سے بُرا اور کبھی بُرے سے اچھا پیدا ہوتا ہے۔

---

[۱] سورہ ابراھیم ۱۲ [۲] سورۃ زخرف ۱۲۔ [۳] مزید تحقیق فقیر کی کتاب اصل الاصول فی ایمان آباء الرسول اور ابوین مصطفیٰ میں دیکھئے۔

[۴] (۱) چونکہ کنعان کی طبیعت بے ہُنر تھی۔ پیغمبر زادگی نے اس کی قدر و قیمت نہ بڑھائی (۲) ہُنر دکھا اگر تیرے ہاں ہے تو ورنہ گوہر اور موتی کام نہیں آئیں گے۔ دیکھئے گُل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر سے۔

[۵] (ترجمہ نثر) راکھ اگرچہ نسبت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے کیونکہ اس کا اصل آگ ہے لیکن چونکہ بے ہُنر ہے اسی لئے مٹی کے برابر ہے شکر کی قیمت اسی لئے نہیں کہ گنے سے ہے بلکہ اس کی اپنی ذاتی خاصیت ہے۔

تفسیرعالمانہ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ،، یہ اشارہ اِس اراءۃ کی طرف ہے جس کو نُری متضمن ہے۔ کوئی دُوسرا نُری مقدر نہیں مانا جائے گا۔ جیساکہ بعض کا خیال ہے ؛ چنانچہ ضربتہ کذٰلک ،، میں لہٰذا اَلضرْبُ مانا جاتا ہے اور کاف زائدہ ہے جس معنے کو اسم اشارہ ظاہر کرتا ہے یہ اُس کی تاکید کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، زمینوں اور آسمانوں کے مُلک جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور مالکیت پر دلالت کرتے ہیں اور اُن سے واضح ہوتا ہے کہ سب کا حاکم مطلق وہی ہے اور یہ تمام اشیاء اسی کی ملکیت و تربیت ہیں۔

(ف) اس سے رویت بصری مُراد ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنے سے استعارہ ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہم نے ملکوت السمٰوٰت والارض کی معرفت عطاء فرمائی اور اُنھوں نے ان امُور کو بصیرت سے دیکھا۔ نُری صیغہٗ مُستقبل حکایتِ حال ماضیہ کے لئے ہے۔

سوال : یہ تو ہر مومن مسلم کو معلوم ہے اور ملکوت السمٰوٰت والارض کو بصیرت سے سب جانتے ہیں جیساکہ بعض انہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر صرف ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیسی۔

جواب : اگرچہ تمام اہلِ اسلام ربُوبیت کے دلائل کے اصُول کو جانتے ہیں، لیکن اس عالم کی مخلوق کے اجناس وانواع و اشخاص واحوال میں حکمت الٰہی کے آثار صرف اکابر انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنی دُعاؤں میں اکثر عرض کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ (اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقائق دکھا)

تفسیرصُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اس عالم میں شئے کا ظاہر ہے جسے جسمانیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جسمانیات کو ابعاد ثلاثہ یعنی طوُل وعرض وعمق ضروری ہے اور ان میں تحیز ہوتا ہے اور وہ تقسیم کو قبول کرتے اور اُن کے اجزاء کئے جاسکتے ہیں۔ کبھی اُسے دُنیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُسے حس سے قرُب ہے اور کبھی اسے صُورت کہا جاتا ہے اور کبھی اسے شہود سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسے حس سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور کبھی اسے مُلک سے موسوم کرتے ہیں اس لئے کہ یہ دُوسرے کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر شئی کا باطن ہے جسے رُوحانیت کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ محسوسات سے نہیں اور وہ ابعاد ثلاثہ اور تحیز و تجزّی سے خالی ہے۔ اُسے آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ حس سے موٴخر ہے اور کبھی اسے معنی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شکل وصورت نہیں اور کبھی اسے غیب بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ حس سے پوشیدہ ہے اور کبھی اسے ملکوت بھی کہتے ہیں ایس

لئے کہ عالم ملک (دنیا) کا دارومدار اسی پر ہے اور عالم ملک (دنیا) کی صورت اس کا عکس ہے اس لئے کہ عالم ملک کا قیام ملکوت پر منحصر ہے اور ملکوت کا انحصار قدرت حق تعالیٰ پر ہے۔ کما قال تعالیٰ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ اور فرمایا وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ہ یعنی ہر شئے کا اس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے یعنی طرق ملکوت سے اور ملکوت سے وہ اولیات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے امر کن سے پیدا فرمایا اس لئے کہ اللہ تھا باقی ہر شئی معدوم تھی۔ اس پر آیت اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ،، دلالت کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملکوت کو کسی شئی سے پیدا نہیں فرمایا یعنی ملکوت کو بلا واسطہ پیدا فرمایا اور باقی اشیاء کو کسی واسطہ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ملکوت کی تخلیق کو لفظ امر سے اور دوسری اشیاء کو لفظ خلق سے تعبیر فرمایا کما قال اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ،، اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اشیاء کے ملکوت دکھائے اور ساتھ ہی وہ آیات بھی (جو ان میں بطور امانت رکھی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

فائدہ : علمائے کرام ملک و ملکوت میں فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملک تمام وہ اشیاء جو آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں اور ملکوت وہ جنہیں بصیرت سے تعلق ہے وہ ارباب عقول پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ اصحاب قلوب کو ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے بخلاف کشف کے کہ وہ صرف اہل مجاہدہ کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مجاہدہ کے ثمرہ کا نام ہے اور ایسے لوگ ہمارے دور میں بہت کم ہیں۔ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ہ اور یہ لام محذوف مؤخر سے متعلق ہے اور وہ جملہ معترضہ اور اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام راسخ الایقان اور عین الیقین کے درجہ تک پہنچنے والوں سے ہوں اور انہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔ پھر ہم نے وہی کیا جو ابھی مذکور ہوا اس لئے کہ اتنا بہت بڑے مراتب کا ترتب اس اراءۃ پر ہے اور یہ قصر اس لئے نہیں کہ اراءۃ کا فائدہ صرف اسی پر منحصر ہے کیونکہ اس آئندہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں مثلاً خلق اور الزام المشرکین بلکہ اس بیان کے لئے ہے وہ اصل اصیل ہے اور باقی امور اس کے مفروع۔

۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ ،، پس جب ابراہیم علیہ السلام کو رات کی تاریکی نے ڈھانپا۔ رَاٰ کَوْکَبًا تو انھوں نے ستارہ دیکھا یہ لَمَّا کا جواب ہے۔ اس لئے کہ ستارے کا دیکھنا اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب سورج کی روشنی زائل ہو جائے یعنی سورج کے غروب کے بعد۔

(ف) : اس سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو دیکھنا اس کے طلوع کی ابتداء میں نہ تھا بلکہ سورج کی روشنی کے مضمحل ہونے کے بعد ستارے کو دیکھ لیا تھا۔

(ف) : تحقیق یہ ہے کہ سُورج کے غروب کے بعد آپ نے ستارہ دیکھا۔
(ف) : بعض کہتے ہیں وہ ستارا زُہرا تھا اور بعض کے نزدیک مُشتری اور یہ دونوں کواکب سیارہ (سات) سے ہیں۔
قَالَ ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے ستارے کو دیکھا تو پھر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ آپ نے خصم کی موافقت میں فرمایا هٰذَا رَبِّیْ ،، یہ میرا رب ہے چونکہ آپ کا چچا اور اس کی دیگر برادری کے لوگ بُت پرستی کے علاوہ کواکب بُت پرست بھی تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام خصم کے عقیدہ کے مطابق استدلال کرکے پھر اس کا ابطال فرمانے جائیں گے فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۝ جب وہ ڈوب گیا۔ میں ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف مُنتقل اور ایک حال سے دُوسرے میں متغیر ہونے اور پردوں میں چھپنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایسی چیزیں ربوبیّت کا استحقاق نہیں رکھتیں ۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا ،، پس جس وقت اُنہوں نے چاند کو چمکتا ہُوا دیکھا یعنی ایک ستارے کے ڈوبنے کے بعد جب چاند کو طلوع کرتا ہُوا دیکھکر قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ ،، فرمایا یہی میرا رب ہے لیکن جب اُسے بھی ستارے کی طرح ڈوبتا ہُوا دیکھا قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ ،، تو فرمایا اگر میرا رب مجھے جناب حق میں نہ پہنچا سکا تو لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ۝ تو میں گمراہ قوم سے ہو جاؤں گا۔ یہ اپنی قوم کو تعریضاً فرمایا تاکہ انہیں واضح ہو کہ وہ گمراہ ہیں۔

ازالہ وہم : حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُس وقت ایسی جگہ پہ ہوں گے جس کی جانب غرب کو ایک بہت بڑا پہاڑ پڑتا ہوگا۔ جس سے ظہر کے وقت چاند و ستارے چُھپ جاتے ہوں گے یا ظہر کے وقت سے تھوڑی سی دیر کے بعد۔ اس لئے کہ اس وقت ستارہ پہاڑ کے قریب ہوتا ہے تو اُس کی مشرقی جانب کُھلی رہتی ہے جس سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ڈوب گیا اور چاند ابھی چمکا۔ ورنہ چاند کا ستاروں کے ڈوبنے کے بعد طلوع کرنا پھر اس کا سُورج کے طلوع سے ڈوبنا تصوّر میں نہیں آسکتا۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً ،، پس جبکہ سُورج کو طلوع کرتا ہُوا دیکھا تو قَالَ هٰذَا ،، یہی نورانی جسم جو نظر آرہا ہے۔ رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ،، میرا رب ہے اور چاند اور ستارے سے بہت بڑا ہے اس سے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اس قول کی تاکید فرمائی جو اُنہوں نے ازراہِ انصاف فرمایا (لاکونن مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّیْنَ) فَلَمَّآ اَفَلَتْ ،، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اور اُن پر ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل مضبوط اور پختہ ہوگئے لیکن وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو قَالَ اپنی قوم کے سامنے

حق کو واضح کر کے فرمایا یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اے میری قوم میں اُن سے بیزار ہوں کہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یعنی اصنامِ باطلہ کے علاوہ وہ صُورتیں جو دُوسرے کے پیدا کرنے کی محتاج ہیں تم اُنھیں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کی برادری نے آپ کی تقریر سُن کر آپ سے پُوچھا تو تم کس کی عبادت کرو گے تو آپ نے انہیں فرمایا " اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ "، میں نے اپنے چہرے کو متوجہ کیا یعنی میرا دین و عبادت خالص اُس کے لئے ہے۔ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ " جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یعنی میری عبادت اللہ تعالیٰ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ کے لئے خاص ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ حَنِیْفًا " درانحالیکہ میں ادیانِ باطلہ سے بیزار ہو کر دینِ حق کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں کہ اب اُس سے رجوع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ "، کہ میں اُن لوگوں سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

تفسیر صُوفیانہ : یہی کیفیت ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی طبیعت سے پاک و صاف ہو کر اُس کا قلب شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو اور وہ ہوائے نفس اور شہوات سے بالکل صاف ستھرا ہو جائے۔ ایسا انسان نہ اجرام کی طرف خیال کرتا ہے نہ اکوان کی طرف بلکہ اُسے نہ دائیں کی خبر ہوتی ہے اور نہ بائیں کی اس لئے کہ دوستیٔ حق کے شوق نے اُسے جہالت سے دُور کر کے ذاتِ حق کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎ (۱) آفتاب از امرِ حق طباخِ ماست ؛ ابلہی باشد کہ گوئیم او خدا است

(۲) آفتابت گر بگیرد چوں کُنی ؛ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

(۳) نے بدرگاہِ خدا آری صداع ؛ کہ سیاہی را ببر دادہ شعاع

(۴) گر کشندت نیم شب خورشید کو ؛ تا بنالی یا اماں خواہی ازو

(۵) حادثات اغلب بشب واقع شود ؛ وان زماں معبود تو غائب شود

(۶) سوئے حق گر راستانہ خم شوی ؛ وارہی از اختراں محرم شوی

ترجمہ : (۱) سورج ہمارے لئے طباخ ہے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن یہ بیوقوفی ہے کہ اسے خُدا مانا جائے۔

(۲) مانا کہ سُورج تجھے کُن کے کرشمے دکھائے لیکن اس سے اس کی سیاہی کیسے دُور کر سکتے ہو

(۳) نہ تو تم اللہ تعالیٰ سے عرض کر سکتے ہو کہ اس کی سیاہی دُور کر و تاکہ روشنائی دے۔

(۴) اگر تجھے آدھی رات کو دکھ پہنچے اس وقت سُورج کہاں ہوگا کہ جس کے آگے رو کر مشکل حل کراؤ یا امان چاہو

(۵) ویسے اکثر حادثے رات کو ہوتے ہیں اس وقت تو تیرا معبود (سورج) غائب ہوتا ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ کے حضور اگر بصدق دل سر خم کرو تو ستاروں کی پرستش سے نجات پا کر محرم راز حق بن جاؤ گے۔
۹ وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ط اس کی قوم اس سے برسرپیکار ہوئی یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برادری نے اپنے دینی امور اور بتوں کے متعلق جھگڑا کیا۔ بلکہ ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو تم بہت بڑے دُکھ اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّیْ (بنونِ ثقیلہ) دراصل اَتُحَاجُوْنَنِیْ تھا۔ دونون جمع ہوئے پہلے کو دُوسرے میں ادغام کیا گیا ہے اس لئے کہ دونوں یکجا جمع ہوں تو وہ عبارت ثقیل ہو جاتی ہے۔
بنا بریں پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا کہ کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو۔ فی اللّٰہِ ،، اللہ تعالیٰ کی شان اور اُس کی توحید کے بارے میں وَقَدْ هَدٰنِ ط ،، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کی ہدایت بخشی۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ ،، اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مجھے اِن سے یہ خوف وخطر نہیں کہ وہ مجھے کسی قسم کا دُکھ اور تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں تو کسی شئی کی قدرت ہے ہی نہیں۔ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ط یہ استثناء متصل ہے اور اس کا مستثنیٰ منہ یعنی وقت محذوف ہے۔ دراصل لَا اَخَافُ مَعْبُوْدَ اٰتَاکُمْ فِیْ وَقْتِ الخ یعنی میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے کسی وقت بھی نہیں ڈرتا مگر اس وقت کہ میرا رب میرے لئے دُکھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے پھر وہ دُکھ تکلیف تمہارے معبودان سے نہیں بلکہ میرے ربّ کریم کی طرف سے ہوگی۔ اُس میں تمہارے معبودوں کو کسی قسم کا دخل نہ ہوگا۔ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ط یہ استثناء کی گویا تعلیل ہے۔ یعنی میرے ربّ کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ مجھ پر فلاں دُکھ اور درد پہنچیں گے لیکن اُس کا کوئی سبب ہوگا نہ یہ کہ میں تمہارے بتوں پر طعن وتشنیع کروں تو اس وجہ سے مجھے دُکھ اور درد پہنچیں اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ،، کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ یعنی اپنے معبودوں کے متعلق غور وفکر کرو کہ وہ جماد محض ہیں نہ کسی کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان دینے کی پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ انہیں میرے نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔
۸ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ ،، اور میں کیسے خوف کروں اُن سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی تمہارے معبودانِ باطلہ سے جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ وقوع تکالیف کا انکار کرتے ہوئے اُن کے بتوں کی ضرر رسانی کی بالکل نفی فرما دی۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ ،، یہ اَخَافُ کی ضمیر سے حال ہے بتقدیر مُبتدا دراصل عبارت یوں ہے وَکَیْفَ اَخَافُ اَنَا مَا لَیْسَ فِیْ خَیْرًا لِخَوْفِ اَصْلًا وَ اَنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الخ یعنی میں کیسے ڈروں جبکہ میں خوف

والی باتوں سے دُور ہوں حالانکہ ڈرنا نہیں چاہیئے کہ تم سب سے زیادہ خوفناک امر کے مرتکب ہو رہے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو حالانکہ وہ ذات منزہ ہے اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ مثیل نہ زمین میں نہ آسمان میں بلکہ یہ جملہ اشیاء اُس کی پیدا کردہ ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے یُوں تعبیر فرمایا مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ،، وہ امر کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ۔ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا تمہارے لئے دلیل اور حجت کہ جس سے ثابت ہو کہ یہ بُت بھی قابل پرستش ہیں۔ بلکہ تمام دنیوی اُمور اس لئے ہیں کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ امور کے لئے حجت بنائے جائیں ۔ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ پس ہم دونوں فریقوں میں کون زیادہ مامُون ہے میں یا تم ۔

(ف) مولانا ابُو السعود نے فرمایا کہ فریقین سے ایک وہ گروہ جو محل امن میں ہے۔ دُوسرا وہ جو محل خوف میں ہے مراد ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تمہیں معلوم ہے کہ امن کا کون حقدار ہے تو مجھے بتاؤ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ،، اِن دونوں گروہوں میں جنہوں نے ایمان قبول کیا۔

وَ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ ،، اور نہ ملایا اپنے ایمان کو بِظُلْمٍ ،، ظُلم یعنی شرک سے جیسے مُشرکین نے کیا کہ ایمان کے ساتھ بُت پرستی بھی کرتے اور کہتے کہ ہماری بُت پرستی ایمان کے تتمات اور اس کے احکام سے ہے اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہی بُت انہیں اللہ تعالیٰ کا قُرب عطا کریں گے اور قیامت میں اُن کی شفاعت کریں گے ، چنانچہ اُن کا مقولہ قرآن مجید میں ہے ۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور خَلَطُوْا کا بھی یہی مطلب ہے ۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ،، صرف وہی امن والے ہیں۔ یعنی عذاب سے صرف انھیں امن ہو گا ۔

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ اور وہی حق سے ھدایت پانے والے ہیں اور دُوسرا اُن کا بالمقابل گروہ کھلی گمراہی میں ہے ۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ

هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى

وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵ وَاِسْمٰعِيْلَ

وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ وَمِنْ

اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ

يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ

اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰ ع

ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطاء فرمائی ہم جسے چاہیں درجات بلند کریں بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے[۸۳] اور ہم نے انھیں اسحٰق اور یعقوب عطاء کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو

راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور[۸۳] زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو اور یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور[۸۴] اسماعیل اور یونس اور لوط اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت[۸۵] دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی یہ[۸۶] اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا یہ[۸۷] ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطاء کی تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لئے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ[۸۸] ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انہیں کی راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو[۸۹]

تفسیر عالمانہ

[۸۲] "وَتِلْكَ" یہ اشارہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کی طرف ہے جو آپ نے اپنی قوم کو مناظرہ میں پیش کی جس کا مضمون فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ سے شروع ہو کر وَهُمْ مُهْتَدُونَ تک ختم ہوتا ہے۔ "حُجَّتُنَا" (ہماری حجت ہے) ہر وہ کلام جو کسی شئی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا جائے اسے حجت کہتے ہیں "اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ" ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ یعنی ایسی حجت قائم کرنے کی ہم نے اُن کی رہبری کی یا وہی دلیل ہم نے انہیں بتائی۔ یہ حُجَّتُنَا کی صفت نہیں بلکہ حال ہے اس لئے کہ حُجَّتُنَا معرفۃ بالاضافۃ ہے۔ "عَلٰی قَوْمِهٖ" یہ حجتنا کے متعلق ہے (اس کی قوم پر)

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ سلوک الی اللہ کی دلیل بھی آیاتِ الٰہی سے متعلق ہے۔ آیاتِ الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے افعال مُراد ہیں اور یہی سالکین کے لئے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہیں اور منزل کی سلوک کا یہ پہلا مرتبہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عطاء کرنے پر موقوف ہے۔ یہ منازلِ سلوک کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد اسے ذاتِ حق کے وجود کا تحقق نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ

اُس وقت سالکین کے اسرار کو اپنی تجلیات سے نوازتا ہے۔ یہی وصول الی اللہ کا پہلا قدم ہے پھر اُس کے بعد سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس تقریر کے مطابق تِلْکَ کا اشارہ اراءۃ الملاکوت و شواہد ربوبیت کی طرف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سالکین کو کواکب کے آئینوں اور صدق التوجہ الی الحق اور اعراض و بیزاری مما سوا اور انانیت کے شرک سے خلاص اور الیقان و ایمان بالعیان میں دکھائے آتَیْنٰھَا اِبْرٰھِیْمَ (ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے خود بلاواسطہ غیر آیات دکھائے) تاکہ وہ اپنی برادری میں حجت قائم کر سکیں۔

نَرْفَعُ ہم بُلند کرتے ہیں دَرَجٰتٍ حکمت کے عظیم اور بلند درجات مَّنْ نَّشَآءُ ط جس کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے علم و حکمت کے درجات بُلند ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے مراتب و درجات بُلند کئے گئے بلکہ ایسے عظیم اور بُلند مراتب پر فائز ہوئے جو سوائے اکابر انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو نصیب ہونے کا امکان تک نہیں ؎ دادِ حق را قابلیت شرط نیست ؛ بلکہ شرط قابلیت دادِ اُوست

(ترجمہ) عطائے حق کے لئے قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اس کی عطاء کی شرط ضروری ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ،، بے شک تمہارا رب ہر فعل میں بہت بڑا حکمت والا ہے کہ کسی کا بلند مرتبہ بڑھائے تو اُس کی حکمت ہے اگر کسی کو بُلند مراتب سے گرا دے تو بھی اس کی حکمت ہے۔

(ف) جس کا بُلند مرتبہ بڑھاتا ہے تو اُس کے حال اور اس کی استعداد کو وُہی خوب جانتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کے احوال اور استعداد ایک دُوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اِن آیات سے واضح کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزامی طور مذکور بالا استدلالات کئے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا تاکہ اُن کی برادری ان الزامات اور براہین و دلائل کے سامنے جُھک جائے اور انہیں راہِ ہُدیٰ نصیب ہو یہی جلیل القدر مفسرین کی رائے ہے اور اسی پر (اہلسنت) اکابر مشائخ و عُلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے اور صاحب رُوح البیان بھی اس مسلک کے مطابق آیات مذکورہ میں ہر آیت کی تفسیر کرتے چلے آئے چنانچہ اُوپر کے مضامین قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

خُلاصہ تفسیر صُوفیانہ : صُوفیہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی برادری کا واقعہ بیان کرکے بنایا گیا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کئے ہیں تم بھی اس کی توحید پر اس طرح دلائل قائم کرکے ماسوی اللہ کے تخیلات کو قلب سے ختم کر دو اور صرف اسی ذات کا تصور پیدا کرو، یہاں تک کہ اپنی خودی بھی درمیان میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔

فائدہ : مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آپ کی ابتدائی عمر مبارک میں ہوا

جب کہ آپ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے بلکہ قریب البلوغ تھے جسے شرعی اصطلاح میں مراہق کہا جاتا ہے اور ملکوت سے آیات مراد ہیں۔ حدادی نے فرمایا اقرب الی الصحۃ یہی قول ہے۔

تفسیر کاشفی

: کاشفی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (وکذٰلک جس طرح ہم نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی گمراہی واضح طور دکھائی ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائب و غرائب یعنی عرش کی چوٹی سے لے کر تحت الثریٰ تک ذرہ ذرہ ان کے سامنے منکشف کیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام ان کے ذریعے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے متعلق دلائل قائم کرسکیں۔ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْن تاکہ وہ علم استدلال میں پختہ کاروں میں سے ہوں۔

نمرود کی کہانی

: صاحب معالم لکھتے ہیں کہ نمرود بن کنعان کو اس وقت روئے زمین کے چپہ چپہ کی بادشاہی حاصل تھی۔ شہر بابل میں اس کا دارالخلافہ تھا۔ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اس کے شہر سے ایسا روشن ہوکر نکلا کہ اس کی تابانی سے سورج اور چاند ماند پڑگئے۔ گھبراکر اٹھا اور تمام روئے زمین کے حکماء اور کاہنوں کو بلاکر اس کی تعبیر پوچھی۔ سب نے متفق ہوکر کہا کہ تیرے اس شہر بابل میں ایک نومولود پیدا ہونے والا ہے جس نے تجھے اور تیری شاہی کو تہ و بالا کرنا ہے لیکن اس وقت وہ بچہ اپنے باپ کی پشت سے ماں کے شکم میں تشریف نہیں لایا۔ نمرود نے تمام شہر والوں کو حکم دیا کہ کوئی مرد اپنی عورت سے خلوت نہ کرے اس رکاوٹ کے لئے اٹھارہ نگران مقرر کئے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے محرم راز اور مقربین میں سے تھے اسی لئے ان پر کسی کی پابندی نہ تھی۔ انھوں نے ایک شب اپنی زوجہ اوفی بنت نمر سے جماع کر لیا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی پشت سے والدہ کے شکم میں تشریف لائے تو صبح کو کاہنوں نے نمرود سے کہا کہ آج رات وہ بچہ باپ سے منتقل ہوکر والدہ کے شکم میں آچکا ہے۔ نمرود نگرانوں پر سخت ناراض ہوا اور حکم صادر کیا کہ جتنا حاملہ عورتیں ہیں سب کی نگرانی کی جائے۔ جونہی بچے پیدا ہوں انہیں بلا تاخیر قتل کر دیا جائے نمرود کے حکم سے دائیگاں (جمع دایہ) مقرر ہوئیں کہ وہ شہر کی تمام حاملہ عورتوں کی رپورٹ دیں تاکہ ان پر نگران مقرر کئے جائیں۔ دائیگاں نے شہر کی تمام عورتوں کا معائنہ کرکے رپورٹ دے دی لیکن ابراہیم علیہ السلام کا حمل انہیں محسوس تک نہ ہوا۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دائیگاں کی پیش کردہ لسٹ سے بچ گئیں۔ ان دائیگاں کی رپورٹ کے بعد کسی کو ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے حمل کی طرف دھیان تک نہ گیا۔ بالآخر ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کی والدہ اوفی کو خطرہ ہوا کہ کہیں نمرود کو معلوم نہ ہوجائے اور وہ میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کرادے۔

چنانچہ وہ گھر سے باہر جنگل میں ایک غار کے اندر اکیلی چلی گئیں اور وہیں پر ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے انہیں اکیلا غار پر پتھر ڈال کر واپس گھر چلی گئیں کہ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد نے بی بی اوتیٰ سے ماجرا پوچھا تو بی بی صاحبہ نے اُن سے راز مخفی رکھا اور کہا کہ بچہ پیدا ہُوا تھا لیکن نمرود کے ڈر سے میں نے اسے پتھر مار کر وہیں غار میں دفن کر دیا۔ اسے بھی بی بی کی بات پر یقین ہو گیا۔ صبح کو بی بی صاحبہ غار میں تشریف لے گئیں۔ خدا کی شان حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ تھے آپ کی ایک انگلی سے دُودھ دُوسری سے شہد نکل رہا ہے جنہیں آپ چُوس رہے ہیں۔ اسی طرح روزمرہ کا معمول بن گیا۔ چونکہ آپ کی تربیت ذاتِ حق نے اپنے ذمۂ کرم لی تھی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام جلد نوجوان ہونے لگے۔ دُوسرے بچے جو سال بھر میں بڑے ہوتے ہیں آپ ایک ماہ میں بڑے ہو گئے

؎ چوں ماہِ نو کہ بارُوی دل افروز بود زانیدہ نورش روز تا روز

ترجمہ: جیسے نئے چاند کی طرح اس کا چہرہ دل کو روشنی بخشتا اس کا نور روز بروز بڑھتا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پندرہ ماہ کے ہُوئے تو پندرہ سال کے نوجوان محسوس ہوتے۔ اُس وقت غار سے باہر تشریف لائے۔ بعض کہتے ہیں سات سال کے تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرہ[۱۳] یا سترہ[۱۷] سال غار میں رہے۔ بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نوجوان ہُوئے آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ بچے کی ولادت کے وقت میں نے جھوٹ بول دیا کہ کہیں تم بھی نمرود کی محبت سے بچے کو قتل کرا دو اب یہ حقیقت ہے کہ وہ نوجوان ہو چکا ہے چل کر دیکھئے نہایت حسین وجمیل اور بہت بڑا ذکی وفہیم ہے۔ جب آپ کا والد آپ کے ہاں حاضر ہُوا تو واقعی آپ کو بہمہ صفت موصوف پایا اور کہا کہ کوئی حرج نہیں بچے کو گھر واپس لائیے۔ نمرود سے میں منوالوں گا اور اُسے اُس کا ملازم بنائیں گے؛ چنانچہ آپ کو آپ کی والدہ غار سے باہر لائی تو غار سے باہر آپ نے گھوڑے بکریاں اُونٹ وغیرہ دیکھے اور اپنی والدہ سے فرمایا امی جان بتائیے انہیں بھی کسی نے پیدا کیا ہو گا اور انہیں وہ رزق بھی پہنچاتا ہو گا۔ ماں نے ہاں بیٹا کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کا کوئی خالق ورازق نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر پوچھا۔ امّی جان بتائیے میرا پروردگار کون؟ ماں نے جواب دیا تیرا باپ پھر آپ نے سوال کیا تو میرے باپ کا پروردگار کون؟ امّی نے کہا نمرود۔ آپ نے فرمایا نمرود کا کون؟ امی نے کہا بیٹے خاموش اس سوال میں بہت بڑا خطرہ ہے کہیں ہم مارے نہ جائیں۔

(فائدہ) نمرود کے زمانہ کے بعض لوگ ستارہ پرست تھے اور بعض چاند کے پجاری تھے اور بعض سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں تھوڑے سے بُت پرست بھی تھے لیکن اس وقت کے بہت زیادہ نمرود کو معبود مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والدہ کے ساتھ شہر بابل کی طرف روانہ ہُوئے۔ آپ نے

پہلے سلسلۂ گفتگو ان سے شروع فرمایا جو ستارہ پرست تھے۔ جب رات ہوئی تو آپ نے ان ستارہ پرستوں
کو تعریضاً فرمایا۔ یہاں پر حرفِ استفہام حذف کیا گیا ہے یا بقول شما اے ستارہ پرستو میرا بھی یہی رب
ہے۔ جب وہ ستارہ گم ہُوا تو فرمایا میں گم ہونے والوں سے محبّت نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے چاند پرستوں
سے گفتگو فرمائی۔ جبکہ چودھویں شب کے چاند نے سبزہ وار آسمان پر اپنی چاندنی کا نور دکھایا، تو چاند
کے پجاری چاند کے سامنے جُھک گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا ربّ ہے۔ جب چاند
خط نصف النہار سے جانب مغرب ہٹا تو آپ نے فرمایا اگر میرے رب تعالیٰ نے میری رہبری نہ فرمائی تو میں
گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ والدہ کے ساتھ شہر کے قریب پہنچے تو سُورج قریب طلوع
تھا اور سُورج پرست اُس کی پرستش کی تیاری کر رہے تھے۔ جب آپ نے سُورج کو طلوع کے وقت روشن
دیکھا تو فرمایا یہی میرا رب ہے اور وہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈھلنے لگا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے
ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنی توجہ اُس ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا
فرمائے۔ یعنی تمہارے تمام مختلف ادیان سے بیزار ہو کر دینِ حق کا طالب ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔

تفسیر منیر کی تقریر: تفسیر منیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ
کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اپنی والدہ و دیگر رشتہ داروں
نے چاہا کہ نمرود کی ملاقات کے لئے آپ کو لے جایا جائے۔ جب آپ کو نمرود کے ہاں لے گئے تو دیکھا
کہ ایک نہایت کریہ المنظر (بدشکل آدمی) ایک بہترین تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد نہایت حسین و
جمیل پری پیکر لڑکیاں۔ لڑکے دست بستہ کھڑے ہیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ والدہ نے
فرمایا یہ سب کا معبود ہے۔ آپ نے پوچھا تو اس کے گرداگرد کون کھڑے ہیں۔ والدہ نے کہا یہ سب اس کے
پرستار اور اس کے پیدا کردہ ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور والدہ سے کہا کہ عجیب بات ہے کہ پیدا کرنے والا
بدشکل اور اس کے پیدا کردہ لڑکے لڑکیاں حسین وجمیل، حالانکہ پیدا کرنے والے کو اپنی پیدا کردہ چیزوں
سے حسین وجمیل ہونا لازمی ہے (کذا فی تفسیر الکاشفی مع اختصار)

۸۴ وَوَهَبْنَا لَهٗ ،، الہبتہ بمعنے بتزع اور ایسا عطیہ کہ اُس سے قبل اس کا استحقاق نہ ہو یعنی کسی
کو بلا استحقاق (مفت) کوئی شئے عطا کرنا اور لَهٗ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی اور ہم
نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ اِسْحٰقَ ،، ابراہیم علیہ السلام کا صلبی صاحبزادہ جو انبیائے بنی اسرائیل
کے ابِ اوّل ہے وَيَعْقُوْبَ یعنی ابن اسحاق كُلًّا هَدَيْنَا ،، اِن ہر دونوں کو ہم نے ہدایت بخشی۔
یعنی ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کمالات علمی وعملی کی توفیق بخشی۔ وَنُوْحًا ،، اس کا منصوب
ہونا مَا اُضْمِرَ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی وجہ سے ہے جس کی هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ،، تفسیر کر رہا ہے۔

یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہدایت بخشی۔

سَوَال : ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت سے قبل نُوح علیہ السلام کی ہدایت کے اظہار کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اجداد سے ہیں اور اجداد کے فضائل کا اظہار اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بنابریں نوح علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اور ہم نے نُوح علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت فرمائی۔

سَوَال : ابراہیم علیہ السلام کی ذُریت کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ مِن ذرّیتِہٖ ابراہیم کہا جاتا تو بھی مطلب حل ہوجاتا۔

جواب : چونکہ آنے والے آیات میں یُونس و لُوط علیہم السلام کا ذکر ہے اور وہ ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں۔ (کذا قال البغوی) لیکن ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ یُونس علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں اسباط یعقوب سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نینویٰ (موصل کے بلاد) کے لوگوں کی طرف رسُول بنا کر بھیجا۔ یہ بھی ہے کہ لُوط علیہ السلام کو ذریۃ ابراہیم علیہ السلام سے شمار کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کرکے تشریف لائے۔

فائدہ : سعدی چلپی مفتی نے فرمایا محی السنۃ لبغوی ابن اثیر سے زیادہ معتبر ہیں۔

دَاؤدَ ،، ابن ایشا و سلیمان بن داؤد علیہم السلام۔ اِن دونوں باپ بیٹے کا سلسلہ نسب یہود ابن یعقوب سے ملتا ہے۔ **وَ اَیُّوبَ** ،، بن اموص بن دارخ بن رُوم بن عصیا بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام (**وَ یُوسُفَ**)،، بن یعقوب **وَ هَارُونَ** ،، یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اُن سے سن میں بڑے تھے۔

(ف) مذکورہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک اُن کے زمانہ زندگی کے مطابق نہیں ہُوا۔

وَكَذٰلِكَ ،، اور اسی طرح درجات بُلند کرکے **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۙ** ہم اُن کے احسان پر اُن کے استحقاق کے مطابق جزا دیتے ہیں۔

(ف) **اَلْمُحْسِنِیْنَ** ،، کی لام جنس کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کَذٰلِکَ کاف زائد اور المحسنین کی لام عہد کی ہو۔ اب معنےٰ یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جزاء جو کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کو دی گئی۔ محض فضل و کرم الٰہی سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے یہ درجات و مراتب اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے جو جزا ملتی ہے اس میں حسن وصفی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ جزاء ذاتی ہے جس میں اُن کے ساتھ اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا (اس سے جھوٹے نبوت کے مدعیان

جیسے مرزا قادیانی وغیرہ کا رد ہوگیا۔

۸۴ وَ زَكَرِيَّا ، اور ہم نے زکریا علیہ السّلام کو بھی عطا فرمایا۔ اُن کا سلسلہ نسب سُلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ زکریا علیہ السلام کے والد کا نام اذن تھا۔ یحییٰ بن زکریا علیہما السّلام وعیسیٰ بن مریم ابنۃ عمران یہ نبی ماثان بنی اسرائیل کے بادشاہ کی اولاد سے تھا۔

فائدہ : عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ اولاد بنات بھی ذریۃ میں داخل ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کی فضیلت

: اس سے واضح ہُوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اولادِ سیدالمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کہنا جائز ہے۔ اگرچہ اُن کا حضور علیہ السّلام کے ساتھ سلسلۂ نسب اُن کی والدہ کریمہ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان حضرات کو ایذاء دیتا ہے گویا وہ حضور علیہ السلام کی ذُرّیۃ طیبہ کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جب والدہ کی وجہ سے نسب صحیح اور معتبر ہے تو اُن کی سیادت بھی مُسلم ہوگی گویا کہ ان کا یہ رشتہ اب کی طرح ہے اسی طرح ہر اس شخص کا نسب جس طرح بھی حسنین کریمین تک پہنچے گا اس کی سیادت مُسلّم ہوگی۔ اس سے شیعوں رافضیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہوگیا جو سیدنا عبدالقادر جیلانی حسنی حُسینی رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔[1]

وَ اِلْيَاسَ ، یہ حضرت ہارون علیہ السّلام کے بھتیجے تھے۔

فائدہ : بغوی لکھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام اور تھے ادریس علیہ السلام اور بعض نے غلطی کھائی کہ الیاس ادریس علیہ السّلام کا دُوسرا نام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السّلام کو نُوح علیہ السّلام کی ذُرّیۃ سے گنا ہے اور ادریس علیہ السّلام تو نوح علیہ السّلام کے اجداد سے تھے۔

كُلٌّ ہر ایک اُن میں سے مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ کامل فی الصلاح تھے۔

(ف) صَلاح بمعنے موزوں امور کا عمل پیرا ہونا اور نامناسب اُمُور سے احتراز کرنا۔

۸۵ وَ اِسْمٰعِيْلَ ، اس کا عطف (نُوحًا) پر ہے یعنی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت بخشی ایسے ہی اسماعیل کو ہم نے ہدایت فرمائی۔

نکتہ : حضرت نوُح کی ذریۃ میں اسماعیل علیہ السّلام داخل تو تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر کرنے میں نکتہ یہی ہے کہ اُن کی اولاد سے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اگر نُوح علیہ السلام کی ذُرّیۃ کے ذکر میں ان کا ذکر بھی شامل رہتا تو حضور علیہ السّلام طفیلی متصوّر ہوتے، حالانکہ

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کے رسالہ "اماطۃ الاذی عن غوث الورٰی" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

تمام کائنات جن میں نوح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں سب کے سب حضور علیہ السلام کے طفیلی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت کے ضمن میں بیان کرنا گوارا نہ فرمایا تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے پیارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کسی کی شرافت کے طفیل نہیں۔ بلکہ سب کی شرافت و بزرگی اُن کے صدقے اور طفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر تمام حضرات کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے تاکہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی واضح ہو ۔

(۱) آنچہ اول شُد پدید از جیب غیب — بُود نورِ جہاں او بے ہیچ ریب
(۲) بعد ازاں آں نورِ مطلق زد علم — گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
(۳) یک علم از نورِ پاکش علم اُوست — یک علم ذریۂ آدم از دست

(ترجمہ) (۱) وہ ذات کہ جس نے اوّل میں جیب غیب سے دیکھا وہ نورِ جہان تھے اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

(۲) بعد ازاں نورِ مطلق نے جھنڈا کو بلند کیا تو اس سے عرش و کرسی لوح و قلم پیدا ہوئے

(۳) اس کے نور سے ایک جھنڈا یہی ہے کہ ذریۂ آدم اس سے ہے۔

وَالْيَسَعَ بن اخطوب بن العجوز لام زائدہ ہے اس لئے کہ یہ عجمی ہے۔ وَيُونُسَ بن متی وَلُوطًا بن ہاران ابن اخی ابراہیم وَكُلًّا ،، اور اُن ہر ایک کو فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ نبوت سے ہم نے انہیں اپنے معاصرین کو فضیلت بخشی۔ یہاں پر یہ مُراد نہیں کہ وہ آپس میں ایک دُوسرے پر افضل ہیں۔ اگرچہ اُن کی ایک دُوسرے پر فضیلت حق ہے لیکن یہاں مُراد نہیں ○ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ ،، یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی مذکورین میں سے بعض کے آباء کو فضیلت بخشی گئی جیسے آدم و شیث و ادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ ہی انہیں فضیلت علمی عملی حاصل تھی وَذُرِّيّٰتِهِمْ ،، اور اُن کی بعض اولاد۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُن کی ذُریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل و اَعلیٰ ہیں (تفسیر الحدادی) ذریات میں مِن تبعیضیہ اس لئے مانا گیا ہے کہ بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کی اولاد کافر تھی۔ وَاِخْوَانِهِمْ ،، اور اُن کے بھائیوں کو ہم نے ہدایت جیسے یُوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زمانے میں ممکن یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ مُراد ہوں جو اُن کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہوئے۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ،، اس کا فَضَّلْنَا پر عطف ہے۔ یعنی اور ہم نے انہیں چُنا وَهَدَيْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی رہبری کی۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ سیدھے راستہ کی

جو بھی اُس پر چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا ۸۷ ذٰلِكَ ،، یہ اشارہ "الہُدیٰ" کی طرف ہے هُدَى اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور عبادہ سے وہ حضرات مُراد ہیں جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا ،، اور اگر وہ انبیاء علیہم السلام باوجود علو مرتبت کے (بالفرض محال) شرک کریں لَحَبِطَ عَنْهُمْ ،، البتہ باطل ہوجائے گا۔ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وہ عمل جو کرتے ہیں یعنی اُن کے اعمال ضائع اور برباد جائیں گے۔

سبق : جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے اتنی تنبیہہ ہے تو ما وشما کس شمار میں اُن کے اعمال کُجا اور ہمارے کردار کجا۔ اس آیت میں سخت ترین زجر و توبیخ ہے۔ اس میں عوام وخواص کی تخصیص نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بے خوف نہ ہو ۸۸ اُولٰٓئِكَ ،، انبیاء جو مذکور ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ،، وہ حضرات ہیں جنہیں ہم نے کتاب عنایت فرمائی۔

ف : یہاں کتاب پر الف لام جنس کا ہے یعنی ہر وہ کتاب جو اپنے دور کے نبی کو ملی اور اتیان سے کتاب کی افہام وتفہیم مُراد ہے۔ یعنی اُن کتابوں میں جتنے حقائق واسرار تھے۔ ہم نے انہیں سمجھائے کہ اُن کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ اُن حضرات کے احاطۂ علم میں آگیا۔ خواہ ابتداءً اُن پر وہ کتاب نازل ہوئی یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں۔ وَالْحُكْمَ ،، اور حکمت یا فصل الخطاب جو حق وصواب کو مقتضی ہو۔ وَالنُّبُوَّةَ ،، اور رسالت فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا ،، پس اگر ان تینوں کو نہیں مانیں گے هٰٓؤُلَآءِ اہل مکہ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا ،، تو ہم اُن کی پاسداری سپرد کریں گے اور اُن پر قبول کرنے اور اُن کی ادائیگی کے لئے توفیق دیں گے۔ قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ ایسی قوم کو جو اُن کا انکار نہیں کرے گی۔ یعنی اُن کے بجائے جو بھی دوسرے لوگ پیدا ہوں وہ کسی وقت بھی ان مذکورہ بالا امور کا انکار نہیں کریں گے۔ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مُراد ہیں اور بِهَا کی صلہ اور بکافرین کی باء نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

۸۹ اُولٰٓئِكَ ،، یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کا ابھی ذکر ہوا الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق اور راہ مستقیم کی ہدایت بخشی فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ پس آپ صرف اُن کی ہدایت کی اقتداء کیجئے اور کسی دوسرے کی اقتداء نہ کریں۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم صرف اعتقادیات یعنی ایمان باللہ

اور توحید و اصولِ دین میں ہے۔ شرعی احکام و مسائل کی اقتدا مراد نہیں۔ اس لئے کہ وہ قابلِ نسخ ہیں اور جو حکم منسوخ ہو جائے وہ قابلِ اقتداء نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسے ہدایت کہا جا سکتا ہے۔

عقیدہ : تمام علماء کرام نے بالاتفاق اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ خصال کمالیہ اور صفاتِ برگزیدہ ان حضرات میں متفرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلیمان و داؤد علیہما السلام شکر سے موصوف تھے ایوب علیہ السلام صبر میں مشہور ہیں۔ یوسف علیہ السلام میں ہر دو نوں صبر و شکر پائے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے معجزات کے جامع سمجھے جاتے تھے اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس علیہم السلام زہد میں شہرت رکھتے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام صاحبِ صدق تھے۔ غرضیکہ جس صاحب میں کسی صفت کا غلبہ ہوتا اس سے وہ شہیر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کی اقتداء کا حکم فرمایا تو لازماً جمیع اوصاف سے موصوف ہو کر تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے افضل ٹھہرے ؎

(۱) ہر چہ بخوباں جہاں دادہ اند — قسم تو نیکوتر ازاں دادہ اند

(۲) ہر چہ بنازند بداں دلبراں — جملہ ترا ہست زیادت براں

ترجمہ (۱) جو کچھ خوبان جہان کو ملا ہے ہزار بار اس سے زائد آپ کو عطا ہُوا۔

(۲) جس سے دلبران جہان نازاں ہیں یہ سب آپ میں ہیں بلکہ ہزاراں بار آپ اُن سے زائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ "یعنی یہ وہی حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے ذریعے اپنی ذات کی طرف رہبری فرمائی۔ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ پس آپ بھی اُن کے طریقے کو اپنائیے اس لیئے کہ وہ ایسے راہ پر گامزن ہوئے کہ اُن سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا تھا۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی مقدار کے مطابق منزل مقصود کو پہنچا؛ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو آسمانِ دُنیا پر اور یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دُوسرے آسمان پر اور یُوسف علیہ السلام کو تیسرے پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں پر اور مُوسیٰ علیہ السلام کو چھٹے پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر دیکھا۔ آپ بھی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے راستے پر چل کر ان کی منزلیں طے کرتے ہُوئے سدرۃ المنتہیٰ پہ تشریف لائیے۔

فائدہ : سدرۃ المنتہیٰ ملائکہ کی آخری منزل ہے اس کے بعد آپ تمام نچلے مقامات کو طے کرتے ہُوئے ارفع مقام پہ پہنچے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی علیحدگی اختیار کر کے ثبات حق کے ذریعے عین ذات کی طرف بڑھتے ہُوئے مقام قابَ قوسین او اَدنیٰ تک پہنچے یہ وہ مقام ہے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ

مِّنْ شَیْءٍؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا

وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ

كَثِیْرًاۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْؕ قُلِ اللّٰهُۙ

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝٩٠ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ

مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ

مَنْ حَوْلَهَاؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

یُحَافِظُوْنَ ۝٩١ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ

اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ

اَنْزَلَ اللّٰهُؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ

الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ

كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٩٢ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْۚ

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ

شُرَكٰٓؤُاؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝٩٣ ع

ترجمہ : اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لئے ہدایت جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا دیئے ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو تم کو معلوم تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا [۹۰] اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اُتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں اور اس لئے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہاں میں ان کے گرد ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں [۹۱] اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی آتی ہے اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی اور جو کہے ابھی میں اُتارتا ہوں جیسے اللہ نے اُتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبیر کرتے [۹۲] اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے۔ بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعویٰ کرتے تھے [۹۳]

بقیہ تفسیر از صفحہ : ۲۵۲

جسے آپ سے پہلے نہ کسی نبی مرسل نے طے کیا نہ ملک مقرب نے۔

تفسیر عالمانہ : **قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ** ،، میں تم سے قرآن پڑھ کر سوال نہیں کرتا۔ **اَجْرًا** ،، مزدوری اور اس انعام کا جو مجھ سے قرآن سن کر دو جیسے مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے پر کسی انعام کے طلبگار نہ ہوئے۔

تفسیرِ عالمانہ ۹۱: وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ ،، قدر بمعنے الحزر یعنی تخمینہ و اندازہ ۔ مثلاً کہاجاتاہے ۔ قَدَرُ الشَّیْئَ یَقْدُرُہٗ بالضم (باب نَصَرَ یَنْصُرُ) قَدْرًا یہ اس وقت بولا جاتاہے جب کسی شئ کا اندازہ اور تخمینہ کیاجائے تاکہ اس کی معلوم ہو سکے۔ پھر کسی شئ کی معرفت فی المقدار والاحوال والصفات میں مستعمل ہُوا۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی شئ کو اس کی شان کے لائق معرفت رکھتا ہو تو کہتے ہیں ھُوَ یَقْدِرُ قَدْرَہٗ ،،

(ف) : حق قَدْرَہٗ ،، مفعول مُطلق ہونے کی وجہ سے منصُوب ہے ۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے کہ درحقیقت عبارت یوں تھی ،، قدرالحق ،،

(ف) : قدرہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے ۔ اور قدروا کی ضمیر جمع یہود کی طرف۔

شانِ نزُول : مروی ہے کہ مالک بن الصیف (یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم اور لیڈر) چند یہودیوں کو لے کر مکہ معظمہ میں پہنچا تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کرے اور اِن سوالات سے صرف عناد مقصود تھا۔ اور وہ تھا بھی بہت موٹا ۔ جب وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضر ہُوا تو حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے سوال کیا کہ میں تجھے اُس ذاتِ اقدس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السّلام پر تورات نازل فرمائی بتاؤ اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم (ہواپرست) سے بغض

ربط : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السّلام کی اقتداء کا حکم فرمایا تو اب اس کی نظیر بتائی کہ اُن کے اقتدار کی مثال یہ ہے کہ جیسے اُنھوں نے بلا طمع تبلیغ حق فرمائی ۔ آپ بھی محض رضائے حق کو مدِّ نظر رکھ کر اپنی قوم کو تبلیغ فرمائیے ۔

اِنْ ھُوَ ،، نہیں وہ قرآن ۔ **اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ** o مگر نصیحت اور وعظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عالمین کے لئے ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ قرآن مجید مخصوص قوم کے لئے وعظ و نصیحت بن کر نہیں اُترا بلکہ ہر ایک کے لئے برابر طور نازل ہُوا ہے پھر نصیب اپنا اپنا ۔

سبق : اولیاء کرام کی زندگی اس نہج پر بسر ہوتی ہے کہ تعلیم و تبلیغ پر کسی سے دنیوی طمع نہیں رکھتے اس لئے کہ تبلیغ و تعلیم پر اجر و مزدوری دنیوی اسباب سے ہے اور اہلِ آخرت دنیوی اسباب سے مستغنی ہوتے ہیں وہ اہل اللہ اغراض و مقاصد سے ہٹ کر دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔

کرتا ہے۔ اُس نے کہا ہاں لکھا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عالم بھی ہے اور موٹا بھی یہودیوں کی روٹیوں نے تجھے موٹا بنا دیا ہے۔ کھانے سے کبھی تو ہاتھ نہیں کھینچا اس سے تمام لوگ ہنس پڑے۔ اس سے مالک بن الصیف سخت رُسوا ہُوا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ جب یہ کہہ کر اپنی قوم کو مالک بن الصیف واپس لوٹا تو یہودیوں نے کہا کیا غضب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کچھ نازل نہیں فرمایا کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہُوا۔ اُس نے کہا چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے غصہ دلوایا اسی لئے میں نے کہہ دیا۔ اُنھوں نے کہا تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ جس وقت تجھے غصہ آئے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان و افتراء تراشتا اور اپنے دین کو چھوڑ دیتا ہے۔

سب نے متفق ہو کر اس سے لیڈری چھین لی۔ کعب بن اشرف کو اپنا مقتدر اور لیڈر منتخب کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہ کیا اور اس کی قدر نہ کی کہ وہ کریم اپنے بندوں پر کتنا لطف و کرم فرماتا ہے بلکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی ناقدری کی اور اُس کی نوازشات کے برعکس معاملہ کیا۔

(ف) معرفت کے بجائے قدر کا اطلاق اس لئے ہے کہ قدر معرفت کا سبب ہے اور اس کے ذریعے سے معرفت ہوتی ہے۔ گویا مسبّب کے بجائے سبب مستعمل ہے۔

اِذْ قَالُوْا ،، جب رُسل علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کے منکرین اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے کُفر کرنے والوں نے کہا **مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ** ،، اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر بھی کوئی شئے نازل نہیں فرمائی۔ نہ وحی نہ کتاب لبطور مبالغہ ہر کتاب و وحی کی نفی ہے ورنہ مقصود کو صرف قرآن مجید کا انکار اس لئے کہ اس مقولہ کے قائل یہودی تھے، چنانچہ ابھی شانِ نزول میں ہم نے لکھا **قُلْ** اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبکیتًا اور بطور اتمام حجت کے فرمایئے۔ **مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِہٖ مُوْسٰی** ،، کتاب توراۃ کس نے اُتاری جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے درانحالیکہ **نُوْرًا** ،، وہ نور تھی۔ یعنی ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ،، فارسی میں نُور کا معنیٰ ہوگا روشنائی فرسندہ (روشنی دینے والی)، **وَّهُدًى لِّلنَّاسِ** ،، اور ہدایت دینے والی لوگوں کی۔ **تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ** ،، درانحالیکہ تم اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور اُس کے اوراق بدلتے تھے۔

(ف) یہاں پر حرف جر محذوف ہے۔ جبکہ کاغذوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(ف) قراطیس قرطاس کی جمع ہے بمعنے صحیفہ۔ **تُبْدُوْنَهَا** ،، یہ قراطیس کی صفت ہے یعنی درانحالیکہ تم کتاب توراۃ سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو جس سے تمہیں محبت ہے۔ **وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا** ،، اور اس میں سے بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو۔ مثلاً حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک اور مناقب و کمالات

اور تصرفات و معجزات وغیرہ[له]۔ اسی طرح آیت رجم اُن کے علاوہ اور بہت سے احکام اُنھوں نے چھپا رکھے تھے جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ وَعُلِّمْتُمْ اور تمہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس کے ذریعے بہت سے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ جنہیں تم اور تمہارے آباؤ اجداد نہ جانتے تھے۔ اس سے وہ علوم شرعی احکام مُراد ہیں جو اُنہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے۔ وَعُلِّمْتُمْ تَجْعَلُوْنَهٗ کے فاعل سے حال ہے اور اس سے پہلے قد محذوف ہے اس لئے کہ صیغۂ ماضی حال بننے کے قابل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں قد ظاہر ہو یا محذوف ہو اس سے توبیخ میں تاکید مطلوب ہے یعنی جو کچھ اُنھوں نے تورات کے احکام اور اس کے مضامین میں ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی۔ بہت بُرا کیا ہے لیکن ان کی بدبختی مزید برآں کہ وہ تورات جو اُن کے علوم و معارف کا ماخذ تھی اس سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ قُلِ اللّٰهُ ،، فرمائیے اے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

(ف) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہودیوں کو یوں جواب عنایت فرمائیے اس میں اشارہ ہے کہ یہی جواب منجانب اللہ متعین ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ ایسے مبہوت ہیں کہ اب اُن سے کسی طرح کا جواب نہیں بن آتا۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ ،، پھر انہیں چھوڑ دیجئے فِيْ خَوْضِهِمْ ،، وہ اپنے باطل امور میں غور و خوض کرتے رہیں۔ آپ کے ذمہ تبلیغ تھی۔ اس کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ اور اُن پر حجت قائم کر دی۔ اب اُن کے حال پر رہنے دیجئے۔ يَلْعَبُوْنَ ،، یہ ذرھم کی ضمیر ھُم سے حال ہے اور فی خوضہم ذرھم کے یلعبون کے متعلق ہے۔

(ف) جس عمل سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہو اس کے لئے اہل عرب کہتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنْتَ لَاعِبٌ یعنی تم تو بالکل بیکار انسان ہو۔ وَهٰذَا ،، اور یہ قرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ،، وہ کتاب ہے جسے ہم نے ہی نازل کیا ہے۔

نکتہ: کتاب کو اَنْزَلْنٰهُ سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور اس کی ہیئت کذائیہ اور ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

مُبٰرَكٌ ،، بڑی برکت والی یعنی کثیر الفوائد و دفیر المنافع کتاب ہے۔

[له] جیسے اب دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں ـــــ تبلیغی جماعت اور احراریوں کی عادت ہے۔ ۱۲

(ف) واقعی جو کچھ فرمایا حق اور مبنی برحقیقت ہے کہ یہ کتاب علوم نظریہ و عملیہ کو حاوی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ علومِ نظریہ میں سب سے برگزیدہ علم معرفت ذات و صفات و افعال و احکام الٰہیہ ہے اور وہ بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ دُوسری کتابوں میں اگر ان کا بیان ہے تو مکمل طور اور بالاستیعاب نہیں۔ یہی کیفیت علوم عملیہ کی ہے۔ اس لئے کہ علومِ عملیہ یا اعضاء سے متعلق ہیں یا قلب سے۔ اِن ہر دونوں کے متعلق علوم کا دُوسرا نام علم الاخلاق یا تزکیہ نفس ہے اور اس کا بیان بھی قرآن پاک میں تفصیل کے ساتھ اور مثالیں دے کر جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتابوں میں اس طرح نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن پاک مبارک بایں معنی ہے کہ وہ عوام کو اپنے مولیٰ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے اور خواص کو رب تعالیٰ کے ساتھ وصال کی رہبری کرتا ہے اور خواص الخواص کو رب تعالیٰ سے ملاتا ہے اور اُن میں اخلاق خلاق پیدا کرتا ہے اس لئے کہ فائدہ ہے کہ محبوب کا مکتوب عاشق کے زخمی قلوب کو شفا دیتا ہے۔

کسی عربی شاعر نے فرمایا ؎

وکتبك حولی لا تفارق مضجعی وَفِيهَا شفاء لِلَّذِی اَنا کاتمہ

ترجمہ : تیرے خطوط میرے اردگرد پڑے ہیں اس لئے کہ وہ میری اس بیماری کا علاج ہیں کہ جسے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔

؎ (۱) ایں چہ منشور کریمست کہ ہر شکنش بُوئے جاں پرور احسان و عطامی آید

(۲) ایں چہ انفاس رواں بخش عبیرافشانست کہ از و رائحہ مشک خطا مے آید

ترجمہ: (۱) کریم کا عجیب منشور ہے کہ اس کے ہر شکن سے احسان کی جان پرور خوشبو آتی ہے۔

(۲) یہ عجیب انفاس روح بخش عنبر پھیلانے والے ہیں کہ ان سے مُشک خطا (ملک) کی خوشبو آتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

: مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ،، اس سے پہلے جو کتابیں گذری ہیں اُن کی قرآنِ پاک تصدیق کرتا ہے، تورات کی بھی اس لئے کہ جو کچھ ان میں ہے اس کے متعلق علامات و نشانات لکھے تھے۔ وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی ،، اس کا مبارک کے مدلول پر عطف ہے۔ یعنی قرآن مجید میں برکات کے علاوہ وہ باتیں بھی ہیں کہ آپ اپنی قوم یعنی اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ یہاں مضاف یعنی لفظ اہل محذوف ہے کہ دراصل لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی ،، تھا۔ اس سے مکہ معظمہ مُراد ہے۔ اور اسے اُمّ القریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین کے بچھانے کا آغاز اسی سے ہُوا۔ اس معنی پر یہ تمام زمین کا اصل ہُوا جیسے ماں تمام نسل کی اصل ہے۔ اسی مناسبت سے اسے ام القریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ف) کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ القریٰ قریہ کی جمع ہے۔ اور قریہ کا ماخذ قرا بمعنی جمع کرنا ہے، چونکہ لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ اس معنے پر اسے قریہ سے موسوم کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قریہ کا اطلاق لغۃً صرف دیہات سے مخصوص نہیں بلکہ ہر چھوٹی بڑی آبادی کا نام قریہ ہو۔ خواہ وہ دیہات ہو یا شہر[1] وَمَنْ حَوْلَهَا " اور وہ جو اس کے گرداگرد ہیں۔ یعنی تمام شرقی غربی لوگوں کو اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ام القریٰ سے قلب کا وہ ذرہ مراد ہے جس سے روزِ میثاق میں حق تعالیٰ مخاطب ہوا۔ یہ ذرہ انسان کے قلب میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ اس سے تمام جسم کی زمین کو بچھایا گیا۔ اُدپر نیچے دائیں بائیں کے تمام اعضاء اسی کے اردگرد تخلیق فرمائے گئے۔ یعنی سمع۔ بصر۔ فواد۔ اخلاق صفات سب کے سب اسی ذرۂ قلب کے نور سے منور اور اسی کے راز مخفی سے اسرار حاصل کرتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ انسانی مشین کے ایک ایک پرزے کی بجلی کا پاور ہاؤس وہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ " اور وہ لوگ جو آخرت پر اور اس کے اندر جو عذاب و ثواب ہے ایمان رکھتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ " اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا خوف رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب الٰہی میں پورے طور غور و خوض کرتے ہوئے اس کی تمام باتیں مانتے ہیں۔ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جو لوگ کتابِ الٰہی کو مانتے ہیں وہ پانچوں وقت کی نماز پہ مداومت رکھتے ہیں۔ اسی لئے یہی تمام عبادات و طاعات میں خصوصی طور ذکر کیا گیا۔

مسائل فقہیہ و تصوّف : آیات سے چند مسائل و احکام ثابت ہوئے جیسے مخلوق خالق کی نہ پوری معرفت حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی کنہ کو پہنچ سکتی ہے۔ یعنی تعینات الاسماء و الصفات سے متجرد ہونے کی حیثیت اور اس کی ذات کی کنہ سے ادراک عاجز ہے ؎ بخیال در نگنجد تو خیال خود مرنجاں

ترجمہ : وہ خیال میں نہیں آسکتا اسی لئے خیال کو پریشان نہ کر۔

نکتہ : جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی آلہ مخلوقیہ سے پہچاننے کا دعویٰ کیا تو سمجھ لو کہ وہ غیر عارف ہے ہاں جو آلہ قدیمہ سے پہچاننے کا دم بھرے تو وہ اپنے دعوی میں سچا ہے جیسے بعض عارفین سے منقول ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِرَبِّيْ لیکن اتنا قدر کہ جتنا اسے اللہ تعالیٰ

---

[1] البتہ عرف میں شہر کو قریہ نہیں کہا جاتا؛ چونکہ لغت پر عرف کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اب صرف دیہات کو قریہ کہا جائیگا، شہر کو نہیں۔

کے نُورِ قدیم کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد ہے ۔ اسی ذریعہ سے اس ذات کا ادراک کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ذات و صفات کا ادراک اس طرح سے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اپنی معرفت کا حق صرف وہی جانتا ہے نہ غیر ؂

کنہ خردم در خور اثبات تو نیست   دانندۂ ذات تو بجز ذات تو نیست

ترجمہ : میں اپنی عقل کمی کی وجہ سے تیرے اثبات کے لائق نہیں ہوں تیری ذات کو سوائے تیرے کوئی نہیں جانتا

؂ مَاللتراب و رب الارباب "؛ کہاں ہم خاک کے پتلے اور کہاں وہ واجب الوجود ۔

مسئلہ : موٹاپن کی مذمت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ کے شان نزول میں معلوم ہُوا ۔

فائدہ : یاد رہے کہ یہاں پر موٹاپن سے مُراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں تکلفات کر کے موٹا ہو جائے نہ وہ موٹاپن جو تخلیقاً ہو ۔

حدیث شریف : قیامت میں بہت موٹے جسم والا مرد حاضر ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی مکھی کے پَر برابر بھی وقعت نہ ہوگی ۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ قَالَ تَعَالیٰ « فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (قیامت میں ہمارے نزدیک ان کا کوئی وزن یعنی قدر و منزلت نہ ہوگی)

(ف) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا اس لئے کہ ان کے اعمال کے بمقابلہ عذاب کچھ نہیں ہوں گے اور قیامت میں کوئی عمل خیر نہ ہو تو وہ جہنم میں جائیگا

مسئلہ : علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اس سے باسمجھ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موٹاپن وہی مذموم ہے جو صرف کھانے پینے اور آرام و آسائش میں لگا رہے اور جسم کے رکھ رکھاؤ میں کوشاں ہو اور اچھے اعمال میں ذرّہ بھر بھی خیال نہ کرے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ جو نمائداز ضرورت کھانا پینا ہے وہی موٹاپن اور آسائش کے گورکھ دھندے میں پھنستا ہے ۔

مسئلہ : زندگی بحال رکھنے کے لئے بقدرِ ضرورت کھانا فرض ہے ۔ ایسا کھانا ثواب ہے ۔ یعنی اس نیّت سے کھائے کہ نماز کھڑے ہو کر ادا کر سکوں گا ۔ یا رات کو اتنا کھائے کہ دن کے روزے کو نبھا سکے تو ایسے طعام وغیرہ کھانے پینے پر ثواب پائے گا ۔

مسئلہ : اپنی قوت و طاقت کے اضافہ کی نیت سے پیٹ بھر طعام وغیرہ کھانا پینا مباح ہے ۔

مسئلہ : پیٹ بھر جائے تب بھی حرص کر کے اور کھائے تو حرام ہے بشرطیکہ اس میں کسی کی نیکی نیّت نہ ہو ۔ مثلاً پیٹ بھر جانے کے بعد اس نیت سے زائد کھائے کہ کل کا روزہ رکھنا ہے ۔ اس لئے قوت میں اضافہ ہوگا اور ضعف و کمزوری نہ ہوگی تو یہ جائز ہے ۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) باندازہ خود خور اگر مردمی — چنیں پُر شکم آدمی یا خمی

(۲) ندارند تن پروراں آگہی — کہ پُر معدہ باشد زحکمت تہی

ترجمہ (۱) اپنے اندازہ پر کھا اگر تو جوانمرد ہے اتنا زیادہ کھاتا ہے کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
(۲) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ معدہ طعام سے پُر ہو تو حکمت سے خالی ہے۔

حدیث شریف : مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث درج فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم سے کراہت کرتا ہے اور تورات میں ہے اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم کو مبغوض رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور قاری قرآن کو مبغوض رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما افلح سمین قط الا ان یکون محمد بن الحسن (رحمہ اللہ تعالیٰ) موٹا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا سوائے حضرت محمد بن حسن (حنفی) کے۔ اُس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا ہر موٹا تن پرور بے فکر ہوکر زندگی بسر کرتا ہے اور محمد بن الحسن اگرچہ موٹے تھے لیکن شب و روز دین کے مسائل میں متفکر رہتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کے چند لمحات میں بڑی بسیط اور ضخیم نوسو ننانوے (۹۹۹) کتابیں تصنیف کیں۔

نکتہ : دانا کو دو حالتوں سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ (۱) آخرت اور مراُٹھنے کی فکر سے۔ (۲) کم از کم دنیوی معاش کا فکر تو ضرور رکھے اس لئے کہ موٹاپن چربی کی زیادتی سے ہوتا ہے اور چربی تفکرات سے پگھل جاتی ہے۔

فائدہ : جو شخص اِن دونوں فکروں سے خالی ہے تو اس کا جسم چربی سے بھرپور ہوکر وہ بشکل انسان درحقیقت حیوان ہوگا۔

اعجوبہ و حکایت : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ تھا جو حد سے زیادہ جسیم و لحیم ہوگیا۔ مُلک بھر کے اطبّاء، ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ) کو بُلا کر کہا کہ میرے لئے کوئی تدبیر کرو کہ جس سے میرا موٹاپن دفع ہوجائے۔ سب نے معذرت چاہی۔ اُس نے کہا تو کسی اور کو بلاؤ جو میرا علاج کرے۔ انہوں نے ایک ادیب، طبیب، ذکی فہیم نوجوان حکیم کا نام بتایا، چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ جب وہ بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا تو بادشاہ نے بنظرِ حقارت کہا کیا یہی لڑکا میرا علاج کرے گا، چونکہ وہ سمجھدار تھا اس لئے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ سلامت میں صرف طبیب نہیں بلکہ منجم بھی ہوں۔ مجھے رات تک اجازت چاہیئے تاکہ میں دیکھ لوں کہ آپ کے ادویہ کس ستارے سے

سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک رات اسے مہلت دی گئی۔ صبح سویرے حاضر ہو کر عرض کی بادشاہ سلامت مجھے امان کا وعدہ کر دیں پھر کچھ عرض کروں گا۔ بادشاہ نے وعدہ کیا تو حکیم مذکور نے کہا بادشاہ سلامت میں نے آپ کا ستارہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک ماہ زندہ رہیں گے۔ اس مدت میں آپ کو علاج پر کثیر رقم خرچ کرنے کا کیا فائدہ اور ساتھ ہی مجھے قید کر لو۔ اگر میں اپنے قول میں سچا نکلا تو میری جان بخشی کا حکم فرمانا ورنہ مجھے سُولی پر چڑھا دینا۔ بادشاہ نے اسے جیل میں ڈال دیا اور خود بھی اس فکر میں پڑ گیا کہ جب زندگی باقی صرف ایک ماہ ہے تو پھر عیش و عشرت کا کیا فائدہ۔ اس لئے حکم فرمایا کہ مجھ سے گانے بجانے اور دیگر عیش و عشرت کے سامان دُور کر لو۔ یہ کہہ کر خود بھی لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دن گزرتے گئے اس کا غم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ضعیف و نحیف ہو گیا اور جسم کے اندر کی تمام چربی پگھل کر باہر نکل گئی۔ جب اٹھائیس دن ہوئے تو بادشاہ نے اس نوجوان حکیم کو جیل سے باہر نکلنے کا حکم دے کر اپنے ہاں بلا کر فرمایا کہ اندریں مدت مجھے موت تو نہیں آئی۔ البتہ مجھے صحت و عافیت نصیب ہو گئی اگرچہ تو جھوٹ بولنے پر سزا کا مستحق ہے لیکن چونکہ مجھے تیرے جھوٹ بولنے سے فائدہ ہُوا ہے اسی لئے میں تجھے معاف کرتا ہوں مگر یہ بتائیے کہ تم نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں کہا۔ حکیم نے کہا جنابِ عالی نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ مجھے کسی کی موت و حیات کے متعلق معلومات ہیں اس لئے کہ جب میں اپنی موت و حیات سے بے خبر ہوں تو دوسروں کے لئے کیا کہہ سکتا ہوں دراصل وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے موٹاپے کو دیکھ کر ترس کھایا اور اس کا علاج سوائے چربی کے گھٹنے کے اور کوئی نہ تھا اور چربی گھٹانے کا طریقہ سوائے آپ کو غم میں ڈالنے کے ہو نہیں سکتا تھا اور آپکے جو کچھ کہا گیا وہ آپ سے ہُوا جس سے آپ تندرست ہو گئے۔ بادشاہ کو اس کی بات بہت پسند آئی اس لئے اس کی جان بخشی کے ساتھ اسے بیکراں انعام و اکرام سے نوازا۔

لطائف : اہلِ عبارات نے قُلِ اللہ میں بڑے عجیب لطائف تحریر فرمائے۔ منجملہ اُن کے چند ایک یہ ہیں : لطیفہ (۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے تفسیر فارسی میں منقول ہے کہ آپ نے قُل اللہ الخ کی تفسیر میں فرمایا : اللہ بس و ماسوا ہوس وانقطع النفس (اللہ کافی ہے اس کا، ماسوا ہوس ہے سانس ختم ہو گئے)

لطیفہ (۲) شیخ الاسلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ قل اللہ دل را سوئے او دار ر دل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر دو) ثم ذرھم غیر اورا فرو گزار (غیر اللہ کو دل سے ہٹا دو)

لطیفہ (۳) شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدوں سے فرمارہے تھے کہ " عَلَيْكَ بِاللّٰهِ وَدَعْ مَا سِوَاهُ " (اللہ تعالیٰ سے جی لگا کر ماسوی اللہ کو یک لخت دل سے دُور کر دو)

۵ چوں تفرقہ دل است حاصل نہ ہمہ   دل را بہ یکے سپار و بگسل زہمہ

ترجمہ : تمام مال کے حصول کے باوجود دل غیر مطمئن ہے اسی لئے دل ایک کو دے کر سب سے رشتہ توڑ دے۔

سبق : اِن لطائف اور آیت کے مضمون سے ثابت ہُوا کہ جو واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اسے ماسوی اللہ سے انقطاع حاصل کرنا لازم ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ لہو و لعب اور غفلت ہی غفلت ہے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے والا کسی قطار و شمار میں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ماسوا کے اشتغال سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مسئلہ : آیت سے قرآن کی مدح اور اس کی فضیلت کا بیان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے بندہ فوائد سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

حکایت و زیارت ربّ : حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہُوا اور عرض کی یا الٰہی تیرے قریب لانے والے اعمال سے کونسا عمل افضل و اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن۔ میں نے دوبارہ عرض کی یا الٰہی خالی تلاوت کرنے یا اس کے فہم و تدبر کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہر دونوں طریقوں سے۔ **مسئلہ** : قرآن پاک کے الفاظ کو دیکھنا بھی عبادت ہے پھر اُسکی تلاوت دوسری عبادت۔

فضیلت تلاوت قرآن پاک : حضرت حمید بن اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن مجید تلاوت کے بعد ختم کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگتا ہے تو اُس کی دُعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دُعاء و استغفار اور اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک یا شام سے صبح تک یعنی اس کی تلاوت کے مختلف اوقات کی وجہ سے۔

(فائدہ) سمجھدار انسان پر لازم ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں جد و جہد کرے۔ گرمیوں میں صبح کو اور سردیوں میں بعد مغرب تلاوت کرے تاکہ ملائکہ کی دُعا و استغفار کا وقت زیادہ نصیب ہو۔

حدیث شریف : خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ،، تم میں بہتر وہ ہے جو قرآنِ پاک سیکھ کر دُوسروں کو سکھائے۔

مَسْئلہ : لازم ہے کہ تلاوت و تعلیم قرآنِ مجید میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی جائے اور اس پر نہ اُجرت لی جائے اور نہ کسی سے شُکریہ کا انتظار کیا جائے۔ صرف تقرب الی اللہ مطلوب ہو۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کی جائے کہ ہر ایک نے بہت بڑی دینی خدمات سرانجام دے کر قوم سے فرمایا : لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ،،

مسئلہ : کسی سے کچھ لے کر تعلیم حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن صرف اس لئے تعلیم حاصل کرنا کہ کسی سے کچھ لیا جائے گا تو یہ حرام ہے (کذا الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ : قرآن پاک کے پھٹے پُرانے غلاف کتابوں کے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے پُرانے غلاف کو پانی سے دھو کر (کہیں دفن کر دیا جائے)

وہابیہ دیوبندیہ کا رد : صاحب رُوح البیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ قرآن پاک کے پرانے غلاف پانی میں دھو کر بیماروں کو پلائے جاتے ہیں اس طرح سے انہیں شفاء بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون)

مسئلہ : قرآن پاک تجوید اور نہایت بہتر لہجہ سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف : لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ وَحَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ الخ (ہماری جماعت میں شامل نہیں جو قرآنِ پاک کو اچھے لہجے میں نہیں پڑھتا اے میرے اُمتیو! قرآن پاک کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس لئے کہ اچھی آواز قرآن پاک کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے۔

فائدہ : بعض محدثین نے فرمایا کہ حدیث شریف میں تَغَنّٰی سے اچھا لہجہ مُراد نہیں۔ بلکہ دنیا دُنیوی اسباب کا استغناء مُراد ہیں۔ اہل لغت کے ہاں بھی یہی اقرب ہے (کذا فی الاسرار)

مسئلہ : ظہیر الدین مرغینانی سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی پڑھانے والے کو اثنائے قرأت میں کہتا ہے۔ احسنت[1] تو وہ اچھا نہیں کرتا بلکہ اس کے کفر کا خطرہ ہے (اس لئے کہ اُس نے ایک بُرے کام پر اس کی تعریف کی اس زمانہ میں اجرت پر پڑھانا گناہ سمجھا جاتا تھا)

مسئلہ : بزازیہ میں ہے کہ جو شخص الحان (موسیقی) سے قرآن پڑھتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ قاری القرآن نہیں بلکہ وہ تو موسیقار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ الخ قرآن عربی ٹیڑھا نہیں،،

حکایت : حجاج یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پُوچھا تمہارے نزدیک کونسی آواز پسند ہے۔ ایک نے کہا آدھی رات کا وقت اور قرآن مجید پڑھنے والا تلاوت کرے۔ ——حجاج نے کہا خوب۔
دُوسرے نے کہا مجھے وہ آواز محبوب ہے کہ میں اپنی عورت کو درد زہ میں مُبتلا چھوڑ جاؤں تاکہ نماز ادا کروں ابھی

---

[1] (شرح الہدایہ لتاج الشریعۃ)

میں مسجد سے باہر نہ نکلوں تو کہنے والا کہے کہ تمہیں مبارک تیرے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا ہے۔ حجاج نے کہا واہ واہ ۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی بولا کہ بخدا مجھے تو وہ آواز پسند ہے کہ مجھے بھوک ستا رہی ہو تو طعام سے بھری ہوئی پلیٹوں کی آواز میرے کانوں میں پڑے ۔ حجاج نے کہا تو اے بنی تمیمو! ہر وقت آمد و خرچ کی فکر میں رہتے ہو ۔

(فائدہ) اس حکایت سے مقصد صرف اتنا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے) یعنی فکرِ ہر کس بقدر ہمہ اوست ، خلاصہ یہ کہ دانشمند کو چاہیئے کہ وہ کلامِ الٰہی سے مانوس ہو اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے گی۔

مسئلہ : قرآن مجید کے پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ کلام الٰہی میں موسیقی کو دخل نہ دے اور نہ ہی فاسقوں فاجروں کے الحان کو تلاوتِ قرآن مجید میں شامل کرے[1] ۔ بلکہ صرف عرب کے لحن پر تلاوت کرے پھر اس پر نہ ظاہراً کوئی اعتراض ہوگا نہ باطناً (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ ۹۲ : **وَمَنْ** ، یہ مَنْ استفہامیہ اور مُبتدا ہے۔ **اَظْلَمُ** ، یہ مبتدا کی خبر ہے۔ **مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا** ..

کذبا افتری کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اُس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں گھڑتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی ۔ اُنھوں نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یا اس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو جھوٹے احکام گھڑتا ہے جیسے عمرو بن لحی یہ وہی شخص ہے جس نے عالم دنیا میں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین میں رخنہ اندازی کی اور بُت پرستی کے لئے بُت گھڑے اور بحیرہ و سائبہ جانور بتوں کے لئے مقرر کئے ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے عمرو بن لحی کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں چادر کھینچتے ہوئے دیکھا ۔

مسیلمۃ الکذاب کی کہانی : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مسیلمۃ الکذاب مسجع کلام کا ماہر تھا اور کہانت میں بھی مہارت رکھتا تھا اور قرآن مجید کے مقابلہ میں سُورتیں اور آیات گھڑتا تھا ، چنانچہ اُس نے سورۃ الکوثر کے بالمقابل کہا : اِنَّا اَعْطَیْنَا الْجَاھِر فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَھَاجِر اِنَّا کَفَیْنَا الْمَکَابِر وَالْمُجَاھِر ، مسیلمہ نے الفاظ کا مقابلہ کیا لیکن گھٹیا قسم کے الفاظ

---

[1] ہمارے دَور کے حفاظ پر لازم ہے کہ وہ آدابِ تلاوت سے آگاہی حاصل کریں اور اکثر جاہل حفاظ قواعدِ قرآن کی پرواہ کئے بغیر موسیقی کے قواعد کے مطابق یا پھر گانے بجانے والے موسیقاروں کے طرز پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بنائے اور معانی کے لحاظ سے بھی ناقص ہے۔ اس کے باوجود اُس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اُس نے دو قاصد بھیجے۔ آپ نے ان قاصدوں سے فرمایا کہ بتاؤ تم مسیلمۃ الکذاب کو نبی مانتے ہو۔ اُنھوں نے کہا ہاں جی ہم اسے نبی مانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب اور اختیار

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیداری اور خواب کے درمیان دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں تمام زمین کے خزانے رکھے گئے اِن میں دو سونے کے کنگن بھی تھے جو میرے ہاتھ میں آتے ہی سخت بوجھل ہو گئے جن سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ حکم ہُوا کہ آپ پھونک ماریئے۔ میں نے انہیں پھونکا تو وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میں نے اس کی تاویل کی کہ اس سے دو جھوٹے مراد ہیں جو میں ان کے درمیان ہوں۔ ایک صاحبِ صنعاء دوسرا صاحبِ یمامہ۔

نکتہ: قاضی صاحب نے فرمایا کہ کنگن کا کذاب کی تاویل میں نکتہ یہ ہے کہ کنگن ہاتھ میں بمنزلہ بیڑی (قید) کے ہوتا ہے۔ جو بندے کو کام سے روکتا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں جھوٹے نبی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرائے احکام شریعت کے لئے معارض ہوئے۔

فائدہ: صاحبِ صنعاء یعنی اسود عنسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے مرض میں حضرت فیروز کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور نبی پاک کو اس کے مرنے کی خبر سُنائی گئی تو آپ نے پُوچھا اسے کس نے مارا۔ عرض کی گئی کہ فیروز نے مارا ہے۔ آپ نے فرمایا " فاز فیروز " فیروز کامیاب ہُوا اور صاحبِ یمامہ یعنی مسیلمہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مارا گیا اسے حضرت وحشی[1] نے قتل کیا۔ " وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡہِ " حالانکہ اس کی طرف کسی قسم کی وحی نہیں کی گئی شیءٌ معمولی طور بھی۔

عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ: عبداللہ بن ابی سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتبِ وحی تھا۔ جب آیات وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ

---

[1] یہ وہی وحشی ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے مسیلمہ کو قتل کر کے حضرت حمزہؓ کے خون کا کفارہ ادا کر دینے کی کوشش کی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اسی سبب میری بخشش فرما دیں۔

مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ،، اُترنے لگیں اور ا نشاناہ خَلۡقًا اٰخَرَ ،، پہ مضمون پہنچا تو عبداللہ کے منہ سے بیساختہ نکلا ,, فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ۔ جب اُس نے انسانی تخلیق کا مضمون پڑھا تو متعجب ہو کر مذکورہ بالا الفاظ اُس کے منہ سے نکل گئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عبارت بھی قرآن مجید میں لکھ دے۔ اس لئے کہ مجھ پر یہی الفاظ نازل ہوئے ہیں۔ اس سے عبداللہ کو شک گزرا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اِس قول میں سچے ہیں کہ مجھ پہ اسی طرح نازل ہُوا ہے کہ میں بھی انہیں کی طرح کا ہوں کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہُوا کرتی ہے۔ اگر معاذاللہ وہ جھوٹے ہیں تو پھر مجھے کونسی رکاوٹ ہے میں بھی نزولِ وحی کا دعویٰ کر دُوں؛ چنانچہ وہ اسلام سے پھر گیا (مرتد ہوگیا)۔ اور مشرکین سے جاملا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے تائب ہو کر پھر مخلصانہ طور اسلام قبول کیا جبکہ حضور علیہ السلام مروہ میں تشریف فرما تھے۔ وَمَنۡ اور اُس سے اور کون بہت بڑا ظالم ہے جس نے قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ،، کہا میں بھی ایسا قرآن نازل کر سکتا ہوں جیسا اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ ان سے مُراد کفار و مشرکین کا وہ گروہ ہے۔ جنہوں نے کہا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ ھٰذَاۤ ،، اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کہہ سکتے ہیں۔

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ ،، یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور تَرٰۤی کا مفعول محذوف ہے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر تم ظالموں کو دیکھ لو۔ اس ترکیب پر الظالموں ،، مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے اور اذ جملہ کی طرف مضاف ہے۔ اور ظالمین سے مخصوص ظالمین مراد نہیں بلکہ مطلقًا اس کی جنس مُراد ہے اس لحاظ سے ہر قسم کے ظالم اس میں داخل ہیں خواہ وہ جھُوٹے نبوت کے مُدعی ہوں یا دُوسرے اور لَو کا جواب محذوف ہے جو کہ لرأیت امرًا عظیمًا ہے۔ یعنی اگر تم ان ظالمین کی وہی حالت (سکرات) دیکھو تو تمہیں بہت بڑا اکر یہہ منظر محسوس ہوگا۔

فِیۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ ،، موت کی سخت سے سخت تکلیفیں۔ غمرات غمرۃ کی جمع ہے بمعنے: غلبۂ شدت غمرہ الماء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو پانی سر کے اُوپر چڑھ کر اُسے پُورے طور ڈبو دے وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡہِمۡ ،، اُن کی ارواح قبض کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے قرض خواہ قرض مانگتے وقت اپنے مقروض سے سختی کر کے ہاتھ اُٹھا کر یا اس کی گردن پکڑ کر کہتا ہے ابھی میرا قرضہ ادا کر دو ورنہ تیری جان نکال لوں گا یا ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اسے عذاب دے کر کہتے ہیں۔ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ،، اپنی جانیں خود بخود نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

(ف) ملائکہ کا یہ خطاب محض تغلیظًا ہوگا۔ ورنہ اِن بیچاروں، کافروں، مشرکوں، ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں یا انہیں طنزًا کہیں گے کہ اے ظالمو! اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو۔

اَلْیَوْمَ ،، موت کے وقت یا اس کے بعد کا وقت کہ جس کی پھر کوئی انتہا نہیں۔ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ ،، ایسے سخت عذاب کی تمہیں سزا ملے گی جو نہایت شدید ترین ہے۔

(ف) الھوان والھون بمعنے الحقارۃ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ،، اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد اور اُس کا شریک ثابت کرنا۔ اسی طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرکے وحی کا افترا کرنا (جیسے دُوسرے جھوٹے نبیوں کی طرح مرزا قادیانی نے کیا) وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے اس لئے نہ تو اُن میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہو۔

حدیث شریف اور مومن کی موت

: مروی ہے کہ جب اہلِ ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے تشریف لاتے ہیں جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر و کستوری سے معطر کیا ہوتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے۔ جسے آٹے سے بال اور اسے کہا جاتا ہے۔ اے پاکیزہ نفس اپنے ربّ تعالیٰ سے راضی ہوکر حاضری دے اور تجھ سے تیرا ربّ کریم بہت خوش ہے فلہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اس کی رُوح اس کے بدن سے نکال [illegible] ہے تو اُسے اسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ علیین کی [illegible] یا جاتا ہے۔

کافر کی موت

: [illegible]ب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا جاتا ہے اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل اور آگے تیرا ربّ تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا جب اُس کی رُوح اس کے جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسے اسی انگاروں سے بھرے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراؤنی آواز سے چیخے گا لیکن اُسے فرشتے دھکیلتے ہوئے سجّین میں لے جائیں گے (کذا فی التفسیر ابی اللیث)

تفسیر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ریاکاری سے آہ و فغاں اور عجز و انکساری کرتے ہیں اور اُن کے وجد و حال کا مظاہرہ صرف دکھاوے پر مبنی ہوتا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجائے انعامات کے خطرات و نظرات حاصل ہوتے ہیں اور انہیں زفرات و حسرات کے سوا اور کچھ نصیب نہیں۔ مانگ کر کھانے والے اور دُوسروں کے اُترے ہوئے کپڑے

پہننے والے کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

إِذَا انسکبت دُمُوع فی خدود　　تبین مَنْ بکی مِمَّنْ تباکیٰ

ترجمہ: چہرے پر آنسو خود بتاتے ہیں کہ یہ حقیقی گریہ کناں ہے یا مصنوعی

(ف) وہ لوگ جو صرف بک بک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ربانی ترجمان کہلاتے ہیں اور نازنخرے دیتے ہیں کہ صرف وہی صاحب ارشاد ہیں۔ حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذرہ برابر بھی اشارہ نصیب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو باتوں میں کھینچا تانی کرتے ہیں اور کلام کو ایسا نمائشی بناتے ہیں کہ گویا وہ خود نہیں بولتے بلکہ بلوائے جاتے ہیں اور اپنے زورِ بیان سے اسرار وحقائق کے مدعی بنتے ہیں اور عوام میں اثر دکھلاتے ہیں کہ یہی واصل باللہ اور کامل واکمل ہیں تو یقین کر لو کہ یہ سب کے سب ظالم ہیں۔ اُن کے ظُلم کے نقصانات اُن کے نزع رُوح کے وقت ظاہر ہوں گے کہ نہایت ہی سخت تکلیف سے اُن کی رُوح اُن کے جسم سے نکلے گی اس لئے کہ اُن کے تعلقات تو شہواتِ نفس سے جکڑے ہُوئے تھے اور لذات دنیوی میں منہمک تھے۔ انہیں اسرار وحقائق سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں تھا۔ نہ ہی انہیں لذات آخرت سے کچھ نصیب تھا پھر وہ کب نزع رُوح کے وقت مسرور ومفروح ہو سکتے ہیں اس وقت ملائکہ قہر وجلال سے اپنے ہاتھ پھیلا کر بڑی شدت سے اُن کی رُوح نکالیں گے چونکہ اُن کے خیالات وارادے افتراء وکذب اور مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو رفیع المنزلۃ بنانے اور طرح طرح کے مراتب وکمالات دکھانے کے عادی تھے اس لئے اس قدر انہیں نزعِ رُوح کے وقت دُکھ اور درد پہنچے گا۔ انہی لوگوں کے حق میں کہا جائیگا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ یعنی انہیں حکم ہوگا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے آیات امانت رکھے گئے تھے۔ لیکن تم نے اُن سے اعراض کیا اور تم ریاکاری میں مُبتلا رہے حالانکہ تمہارے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اس عذاب میں مُبتلا کئے گئے ہو۔

فوائد: (۱) رُوح کا جسم سے ایک یا دو یا تین دن تک تعلق منقطع رہتا ہے، لیکن مخلوقات سے بہت زیادہ تعلق ہوگا۔ اُن کے ارواح کا اجسام سے کئی سال تک انقطاع رہتا ہے اور کفار ومشرکین کا ہمیشہ سے تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے۔

(۲) بعض گنہگاروں کا انقطاع تا قیامت رہے گا اور کفار تو عذاب کی شدت میں ہمیشہ ہمیشہ تک مُبتلا رہیں گے۔ اِسے عذابِ الیم یا عذاب شدید سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کچھ یہی کیفیت قبر میں بھی پیش آتی ہے۔

حکایت: کسی ایک مجرم کی قبر کھودی گئی تو اس سے ایک بہت بڑا زہریلا سانپ نمودار

ہُوا۔ پھر دوسری جگہ کھودی گئی تو اسی طرح وہی سانپ ظاہر ہُوا، چنانچہ متعدد مقامات پہ یہی منظر دکھائی دیا۔ یہاں تک کہ تیس (۳۰) مقامات پہ سانپ بار بار نظر آیا۔ جب دیکھا کہ کوئی صُورت نجات کی نہیں تو اُسے اسی سانپ کے ساتھ دفنایا گیا۔ یاد رہے کہ وہ سانپ اس کے بداعمال کی صُورت تھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد روزے کہ رختِ جان بجہاں دگر کشیم

ترجمہ: ”کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی۔ اس دن کہ جب ہم جان کا سامان دوسرے جہان کی طرف لے جائیں گے،،

تفسیر عالمانہ

۹۴ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا ،، بے شک تم ہمارے ہاں حساب وکتاب اور جزا و سزا کے لئے آؤ گے)

(ف) ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے یعنی جئتمونا بمعنے تجیئونا ہے اس لئے کہ جہاں فعل کے وقوع میں تحقق ہو وہاں ماضی بمعنے مستقبل ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ط

شانِ نزول

: آیت میں خطاب کفارِ قریش کو ہے اس لئے کہ اُنہوں نے فقراءِ مسلمانوں کو دیکھ کر تحقیراً و افتخاراً کہا چُونکہ دُنیا میں ہم اموال و اولاد کے لحاظ سے کثیر ہیں۔ فلہذا ہمیں آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔

فُرَادٰی ،، فرد کی جمع ہے بمعنے منفردین یعنی آخرت میں تم اموال و اولاد کے ساتھ نہیں ہوگے بلکہ اکیلے اکیلے حاضر ہوگے بلکہ اُس وقت تم سے دُنیا کے اسباب چھین لئے جائیں گے كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ،، یا فرادٰی کے ضمیر سے حال ہے یعنی تمہاری کیفیت وہی ہوگی جو پیدائش کے وقت تھی کہ جسم اور پاؤں سے ننگے اور غیر مختون یعنی جس طرح دُنیا میں آرائش کے ساتھ گزارتے تھے اس وقت یہ کیفیّت نہ ہوگی بلکہ جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی ننگا اور بالوں سے صاف ہوکر آتا ہے ایسے ہی قیامت میں آئیں گے۔

حدیث شریف

: سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ لوگ قیامت میں جسم اور پاؤں سے ننگے ہوکر اُٹھائے جائیں گے۔ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! یہ کیسے ہوگا جبکہ عورتیں اور مرد ننگے ہُوئے۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اُس وقت ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہوگا پھر کیسے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ ،، اور جو کچھ ہم نے تمہیں دُنیا میں دیا ہوگا اسے تم چھوڑ کر آخرت کے پروگرام میں مشغول ہوگے۔

(حل لغات) التخویل بمعنے تملیک الخول یعنی نوکروں چاکروں کا مالک بنا دینا خول بمعنی

الخدم والاتباع۔ اس کا واحد خائل آتا ہے یا التخویل ،، بمعنے الاعطاء علی غیر جزاء۔ یعنی کسی کو کوئی شے مُفت عطا کرنا۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ دُنیا میں حاصل کیا وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دو گے بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے بخلاف اہلِ ایمان کے اُنہوں نے دُنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کے لئے جد و جہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس لیئے وہ اعمال صالحہ وغیرہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انہیں کام دے رہے ہیں اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ اُن کے بہترین ساتھی ہیں ۔

چوں ازینجا وارہی آنجا رَوی ؎ در شکر خانہ ابد شاکر شوی

ترجمہ : جب تو اس علاقہ سے جان رہائی پائیگا تو وہاں پہنچیگا تو شکر خانہ میں ہمیشہ شکر کا صلہ پاتا رہے گا۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ ،، اور آج ہم تمہارے سفارشی تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے شُفعاء سے اُن کے بُت مُراد ہیں۔ اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ وہ ربّ تعالیٰ کی ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ بیشک آج تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جُدائی واقع ہوگئی۔

(ف) یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں جمع بین الشیئین ،، یعنی فلاں نے دو چیزوں کے درمیان اجتماع واقع کیا۔

(ف) تفسیر کاشفی میں ہے منقطع گشت آنچہ میاں شما بود از وصلت و مؤدت۔ یعنی تمہارے اور اُن کے مابین جو مؤدت تھی وہ بھی منقطع ہوگئی۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ ،، اور تمہارے سے باطل ضائع ہوگیا۔ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وہ جو تمہارا گمان تھا کہ یہی تمہارے سفارشی ہیں لیکن وہ بیچارے تم پر سے عذابِ الٰہی کو دُور نہ کر سکے۔ یا تمہارا گمان تھا کہ یہ ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

(ف) سیاق و سباق کے لحاظ سے یہی دوسرا معنی زیادہ موزوں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا۔

بہترین تقریر : انسان کے دشمن چار ہیں : (۱) مال (۲) عیال (۳) اولاد (۴) دوست و احباب۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہی چاروں قبر میں ساتھ نہیں جاتے بلکہ بندہ قبر میں اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے دوست بھی چار ہیں : (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) ذکر الٰہی یہ چاروں نہ صرف قبر کے ساتھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ساتھی کی سفارش بھی کریں گے اور لطف یہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ چاروں اپنے ساتھی کو کسی وقت بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی قبر کی تنہائی کے لئے کچھ سوچے اور قیامت میں جب ننگا ہوگا تو اس وقت کا لباس آج تیار کر کے ساتھ لے جائے اور قیامت کا تقویٰ وطہارت لباس ہے اور انسان کا بہترین ساتھی عمل صالح ہے۔

حدیث شریف : ہر بندے کا عمل قبر میں ساتھ مدفون ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک ہے تو بندے کی بہت بڑی عزت ہوتی ہے اگرچہ وہ بندہ دنیا میں کتنا ہی بے وقار سمجھا جاتا ہو۔ وہ عمل صالح اپنے ساتھی سے انس کرتا ہے۔ اُسے خوشیاں دلاتا ہے بلکہ اس کی قبر کو فراخ اور نورانی بناتا ہے۔ اسے ہر قسم کے شدائد اور ہولناکیوں اور عذاب الٰہی سے بچاتا ہے کسی قسم کی خرابی اس کے قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ اگر عمل برا ہو تو اپنے ساتھی کو ڈراتا دھمکاتا بلکہ اس کی قبر کو کالی سیاہ اور نہایت تنگ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شدائد اور ہولناک باتوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا اسے ہر ممکن خرابیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

سُورہ یٰسین شریف کا فائدہ : امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے فرمایا کہ بلاد یمن میں ایک شخص کو قبر میں دفنایا گیا تو اس کی قبر سے چیخ و پکار سنائی دی اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُس کی سخت پٹائی ہو رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کی قبر سے ایک سیاہ کالا کتا نکلا۔ ہم نے کہا خدا تیرا بھلا کرے تو کیا ہے۔ اُس نے کہا میں اس بندے کا عمل ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ وہ تو اُسے کیوں مارتا تھا۔ اُس نے کہا میرے ستانے سے مالکین اس کی خوش بختی کہ سُورۂ یٰسین اور اس طرح کی کئی اور سورتیں آئیں اور مجھے اس سے دُور کیا۔

سبق : عمل صالح کیسا ہی ہو بُرے اعمال پر غالب آجاتا ہے۔ دیکھئے اس بندے کے نامعلوم کتنے بُرے عمل ہوں گے لیکن سُورۂ یٰسین کی برکت سے نجات نصیب[1] ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے فضل وکرم سے بخش دیا۔ اگر بُرے اعمال بکثرت اور نیکیاں قلیل ہوں تو بُرائیاں غالب ہو جاتی ہیں اور ایسا شخص سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

غم و شادمانی نہ ماند و لیک — جزائے عمل ماند و نام نیک

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم — کہ پیش از تو بُودست و بعد از تو ہم

---

[1] اس سے ثابت ہُوا کہ اہل سُنت کا معمول کہ میت پر سُورۂ یٰسین اور قبر میں سُورۂ مُلک ودہر وغیرہ پڑھنا فائدہ مند ہے لیکن وہابیہ دیوبندیہ معتزلہ کے نقش قدم پر نہ صرف روکتے بلکہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ فافہم۔

۵ (۱) غم و شادمانی نہیں رہے گی جزائے اعمال رہے گا اور نیک نامی۔

(۲) ملک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر کہ تیرے سے پہلے بہت گزرے نہیں اور بعد کو بھی۔

تفسیر صوفیانہ

: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فرادیٰ ،، یعنی تم دُنیا میں تن تنہا حاضر ہوئے تو تمہیں ایک ٹکڑے سے کپڑے میں لپیٹا گیا۔ پھر جب دُنیا سے رُخصت ہوگے تو بھی تمہیں اسی طرح کپڑوں میں لپیٹا جائے گا (وہ بھی قسمت میں اگر لکھا ہے ورنہ بے شمار بندگانِ خدا بے گور و کفن دُنیا سے رُخصت ہوئے) اس میں اشارہ ہے کہ متجرد ہوکر آنا ہُوا اور متجرد ہوکر روانہ ہونا ہے لیکن سر پر گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ اگر اعمال صالحہ میں تو خوشی اور راحت ورنہ دُکھ اور درد۔ اس وقت نہ مال کام دے گا نہ دُنیوی جاہ و حشم او. نہ ہی کوئی سفارش جان چھڑائے گا۔ بلکہ تمام تعلّقات منقطع ہوجائیں گے۔ حال زار ہوگا اور تمام حیلے بہانے ملیامیٹ ہوجائیں گی اور تمام کاروائیاں بیکار ہوکر رہ جائیں گی۔

دُوسری تقریر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصال تجرید تفرید و توحید سے نصیب ہوتا ہے۔ تجرید سے دُنیا کے تعلقات مٹانے کا نام ہے اور تفرید بمعنی دُنیا و آخرت سے علیحدگی اختیار کرکے رجوع الی اللہ کرنا یہاں تک کہ کونین کا تصوّر بھی ذہن میں نہ ہو جیسے ابتدائے پیدائش کے وقت کونین سے بے خبر تھا۔ ایسے اب اپنا حال پیدا کرے، چنانچہ فرمایا : وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ،، اول مرۃ سے مُراد رُوح کی ابتدائی تخلیق جبکہ وہ ابھی جسم میں داخل نہیں ہُوئی تھی۔ اس لئے کہ جسم میں داخلہ کی اس کی دُوسری تخلیق ہے۔ کَمَا قَالَ تعالیٰ ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَاکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاکُمْ، بندہ اللہ تعالیٰ تک اُس وقت پہنچتا ہے۔ جب دنیا اور آخرت کے تعلقات سے متجرد و متفرد ہوجائے کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَتَرَکْتُمْ مَا خَوَّلْنَاکُمْ وَرَاءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ ہمارے انعامات تم پر ہُوئے دونوں جہانوں کے تعلقات کو پسِ پشت ڈال دو گے تو وصالِ الٰہی نصیب ہوگا۔ وَمَا نَرٰى شُفَعَاءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اِنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكَاءُ ،، یہاں پر شفعاء سے اعمال صالح مُراد ہیں یعنی سالک کا گمان ہوتا ہے کہ یہی اعمال و احوال اس کے وصالِ الٰہی کے وسیلہ ہیں۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ لیکن جب سالک کو سیر الی اللہ نصیب ہوجاتی ہے تو یہ اعمال و احوال سب منقطع ہوجاتے ہیں۔

فائدہ : جبریل علیہ السلام کو سیر سدرۃ المنتہیٰ تک تھی اور یہی تمام سیر کرنے والوں کی آخری منزل ہے فرشتے ہوں یا انسان۔

(ف) توحید بمعنے صفات واحدیۃ کے ساتھ تجلّی حق سے فیض وحدانیت قبول کرنے کے لئے موحد ہونا

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ
مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَىِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝٩٤ فَالِقُ
الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝٩٥ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ
النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٩٦ وَهُوَ الَّذِىْۤ اَنْشَاَكُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝٩٧ وَهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ
مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا
اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٩٨
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ
بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝٩٩ ع

ترجمہ : بے شک اللہ دانے دار اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مُردے
سے نکالے اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو ۹۴ تاریکی

چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اُس نے رات کو چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب پر سادھا ہے زبردست جاننے والے کا[۹۵] اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم نے نشانیاں مفصّل بیان کر دیں علم والوں کے لئے[۹۶] اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بے شک ہم نے مفصّل آئتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لئے[۹۷] اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا تو ہم نے اس سے ہر اُگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے نکلتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے[۹۸] اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو اور حالانکہ اُسی نے ان کو بنایا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے[۹۹]

(بقیہ تفسیر از صفحہ ۲۷۳) تاکہ بندہ اِرجعی اِلیٰ ربّک کے جذبہ سے مقام وحدت تک پہنچ سکے۔ اگر اسے جذبات ربوبیت کے ساتھ عنایت ازلیہ اس کا تدارک نہ کرے تو بندہ سیر فی اللہ باللہ سے منقطع ہو کر وہ سِدرۃ المنتہیٰ میں پھنسا رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی حکایت میں فرمایا: وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ معلوم (فافہم) کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

: اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ (حل لغات) الفلق بمعنی کسی شئے کو کھول کر چیرنا۔ الحب حبۃ کی جمع ہے۔ اُن تمام بیجوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ضروریات زندگی کے لئے کام آتے ہیں۔ جیسے گندم جو باجرہ وغیرہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خشک بیج سے سبزہ زار پیدا فرماتا ہے۔ وَالنَّوٰی ،، یہ نواۃ کی جمع ہے ہر وہ شئے جو ثمر کے اندر ہو یعنی گٹھلی جیسے آم کشمش کھجور وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت رکھتا ہے کہ گٹھلی کو چیر کر درخت بناتا ہے

اگرچہ وہ گٹھلی بہت سخت تھی لیکن زمین میں جڑ کر بہت بڑا درخت بن گئی۔ جس پر بڑے بڑے پتے اور بڑی بڑی ٹہنیاں پیدا ہوئیں۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ،، یہ ماقبل کا بیان ہے۔ یعنی حیوانات و نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک بے جان نطفے اور دانے سے کہ جن کی بظاہر کوئی طاقت ہی نہیں وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ میّت کو نکالنے والا ہے۔ اس سے نطفہ اور دانہ مُراد ہے مِنَ الْحَیِّ ،، زندہ حیوانات و نباتات مُراد ہیں۔ اس کا فالق الحب پر عطف ہے۔ حی و میت سے مجازاً نامی و جامد مُراد ہے اس لئے کہ نامی کو حی سے اور میّت کو جامد سے مشابہت ہے۔ اس لئے کہ حی حقیقی وہ ہے جو صفت حیات سے موصوف ہو جس میں حس اور حرکت ارادیہ ہو اور میّت حقیقی وہ ہے جو صفتِ حیات سے خالی ہو، لیکن اُس کی شان یہ ہے کہ اسے حیاۃ سے موصوف ہونا چاہیئے تھا۔

فائدہ : بعض مفسرین نے یہاں پر حی و میّت کا حقیقی معنیٰ مراد لیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ (نطفہ) مردہ سے انسان (زندہ) اور مُرغی زندہ سے انڈا (مُردہ) پیدا فرماتا ہے۔

(ف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اُنھوں نے فرمایا حیّ سے مومن اور میّت سے کافر مُراد ہے یعنی (جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ قول مخدوش بلکہ مردود ہے) اور کافر مومن سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان۔ اسی طرح مطیع سے عاصی اور عاصی سے مطیع اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور عاقل سے احمق اور احمق سے عاقل۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے حروف میتہ کی گٹھلی سے نخل ایمان اور زندہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے منافقت کا مردار پیدا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : ذٰلِکُمُ ،، وہ قادر عظیم اَللّٰہُ صرف وُہی مستحق عبادت ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ○ پس تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرکے اُس کے غیر کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

حل لغات : الافک بمعنے قلب الشئ وصَرفہ ،، یعنی کسی کو اپنی جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرنا۔

(ف) یہ خطاب کفار مشرکین کو ہے اس لئے کہ یہ سُورۃ مکیہ ہے۔

۹۵ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ،، تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا ہے۔ یہ اَنَّ کی دُوسری خبر ہے۔

(ف) "الاصباح ،، بکسر الہمزہ بمعنی ضوء نہار میں داخل ہونا۔ ضوء نہار کا دُوسرا نام صبح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیاض نہار اور اس کی حرکت سے صبح کے عمود ظاہر کرنے والا ہے۔

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ،، اور اس نے رات کو چین و آرام بنایا کہ دن کا تھکا ماندہ رات کو آرام کرتا ہے۔ سَکَنَ اِلَیہ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے خوش ہو کر مطمئن ہو یا اس لئے رات کو سَکَنًا کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں سکون پذیر ہوتے ہیں ؛ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ ،، (تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو)

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سُورج وچاند بنایا حُسْبَانًا ،، حساب مختلف ادوار کی وجہ سے کہ اُن سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورج کی حرکت مقرر فرمائی ہے وہ اپنے دورہ کو ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور چاند کی بھی حرکت مقرر ہے کہ وہ فصولِ اربعہ سے انتظام پذیر ہوتے ہیں جیسے پھلوں کا پکنا۔ اسی طرح دُوسرے وہ اُمور جو کھیتوں ونسلوں سے متعلق ہیں کہ جن پر عالمِ دنیا کا قوام ہے۔

نُکتہ : چاند کا ہر رات نئی منزل میں ہونا اور سال میں چاند کا متعدد بار طلوع وغروب یعنی بارہ مہینوں میں مقرر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ انسان اپنے قرضہ جات وغیرہ کی میعاد اور دیگر مختلف امور کے لئے مناسب اوقات متعین کرسکے۔ اب جَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ،، کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سُورج وچاند کو تمہارے حساب کی صحت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

حل لغات : الحسبان بالضم مصدر ہے بمعنے الحساب یعنی شمار کرنا (نَصَرَ یَنْصُرُ) بکسر الحاء ہو تو از باب عَلِمَ یَعْلَمُ بمعنے الظَّنَّ والتخمین ہوگا۔

نکتہ : سُورج کو چاند سے مقدم کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ سُورج کی روشنی چاند پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سُورج تمام افلاک کے چاند ستاروں کے انوار کا مرکز و معدن ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ نُورانیت کے لحاظ سے سُورج اصل ہے ؛ کیونکہ تمام چاند ستارے اسی سے نُور حاصل کرتے ہیں اور جس قدر چاند ستارے سُورج سے تقابل رکھتے ہیں۔ اسی قدر اُس سے نُور پاتے ہیں۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ چاند کا نُور اپنا ذاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی منجملہ عالمِ انوار میں سے ایک ہے اور یہ نقص جو اسے ہر ماہ لاحق ہوتا ہے۔ یہ اس کی کثافت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ کمی بیشی اس میں نہ ہو تو مہینوں اور سالوں کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوسکیں۔

فائدہ : سُورج اور چاند اسی تعین کی دو آنکھیں ہیں۔ ان کا باقی حصّہ اُوپر کی طرف ہے۔ یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ اُن کی وہ کیفیت ہے کہ جب آنکھ کھولتے ہیں تو ہمیں اُن کا جرم (جثہ) نظر آنے لگتا ہے جو آنکھیں بند کرلیتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ اُن کا نُور اُس سُورج کے نُور کا عکس جو اُن کے عروقِ لطیفہ

پر منعکس ہوتا ہے تو یہ روشن نظر آتے ہیں۔

فائدہ : ستاروں کے سقوط کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سُورج ایک مقام سے دُوسرے مقام کی طرف انہیں دفع کرتا ہے ؛ لیکن یہ باتیں صرف اہلِ سلوک جانتے ہیں۔ حکماء اِن حقائق سے بے خبر ہیں۔

اعجوبہ : عالم آخرت کے لیل ونہار اس روشنی و تاریکی سے نہیں بلکہ اُن کی کوئی اور علامت ہے وہ یہ کہ تجلیاتِ حق سے اُن پر جلوہ گری ہوگی۔ لیل بھی اسی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور نہار بھی لیکن اسے صرف اہلِ حق جانتے ہیں۔

(ف) یاد رہے کہ وہاں آخرت میں ظلمت ہوگی کیسے جبکہ وہاں نورِ الٰہی کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر بہشت کے اشجار کا صرف ایک پتہ عالم دُنیا میں آکر گرے تو عالمِ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ نور سے روشن ہوجائے۔

ذٰلِكَ ،، یہ اشارہ سُورج اور چاند کو حُسبان بنانے کی طرف ہے۔ یعنی سُورج وچاند کو سیر کرانا عجیب و غریب طریقے اور حساب معلوم سے ہے۔ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ،، اسی غالب کریم کا مقدّر کرنا ہے جس کا سُورج وچاند پر غلبہ ہے اور جس نے مخصوص طریقہ کے ساتھ انہیں افلاک کی سیر کرائی اَلْعَلِيْمُ وہی کریم جانتا ہے کہ ان میں کتنا منافع ہیں اور مخلوق کے مصالح اُن سے کس قدر متعلق ہیں اور ان کی معاش و معاد اُن سے کس طرح مربُوط ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) ابر و باد مہ و خورشید و فلک در کار اند ⁂ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
(۲) ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ⁂ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ترجمہ : ابر و باد اور چاند اور سُورج اور آسمان کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لیکر غفلت سے نہ کھائے۔
(۲) سب کے سب تیرے لئے پریشان اور فرمانبردار ہیں شرطِ انصاف نہیں کہ تو اس کا فرمان پُورا نہ کرے۔

۹۶ وَهُوَ الَّذِيْ ،، اور وہ اللہ تعالیٰ جو قدرت کا ملہ کا مالک ہے جَعَلَ لَكُمُ ،، تمہاری خاطر بنائے اور صرف تمہارے لئے پیدا فرمائے۔ النُّجُوْمَ ،، ستارے جو مختلف مقامات میں ہیں۔ کوئی شمال میں کوئی جنوب میں۔ کوئی مشرق کی جانب میں ہے کوئی مغرب کی جانب۔ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راہ پا سکو۔

(ف) ظلمات کی اضافت بر و بحر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ان میں راہ حاصل کرنے کی ضرورت تاریکیوں میں پڑتی ہے۔

(ف) حدادی نے لِتَھْتَدُوْا بمعنی لِتَعْرِفُوْا کیا ہے تاکہ تم ستاروں کے ذریعے ایک شہر سے دوسرے شہر کا راستہ معلوم کرسکو وہ شہر جو جنگلوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں واقع ہیں اور پھر سفر بھی رات کو کرنا پڑے تو پھر راستہ سوائے ستاروں کی رہبری کے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ اس وقت چلنے والا کسی ایک معیّن ستارے کو اپنے منہ کے سامنے رکھ کر چلتا ہے۔ بعض موقعہ پر اس ستارے کو دائیں جانب رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض موقعہ ستارے کو بائیں جانب رکھنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ستارہ پیٹھ کے پیچھے کرکے راستہ طے کرنا پڑتا ہے جیسا کہ جنگلوں اور دریاؤں کو راستے طے کرنے والے جانتے ہیں کہ مذکور بالا طریقوں سے انسان اپنی منزل کو پالیتا ہے۔

(ف) علاوہ مذکورہ بالا فوائد کے ستاروں میں بے شمار دیگر فوائد ہیں۔ مثلاً وہ آسمان کی زینت ہیں اور اُن سے شیاطین کو مارا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ ،، ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے یعنی ہم نے ہر آیت کو علیحدہ علیحدہ اور واضح طور بیان کر دیا ہے۔ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ٥ علم والوں کے لئے۔

سوال : اہلِ علم کی تخصیص کیوں حالانکہ قرآنی آیات تو ہر ایک کے لئے تفصیل ہیں۔

جواب : چونکہ صرف وہی اُن سے انتفاع کے درپے رہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی تخصیص کی گئی ہے۔

٩٨ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ ،، اور اللہ وہ ہے جس نے تمہاری کثرت کے باوجود پیدا کیا۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ،، صرف ایک نفس سے یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ ہم تمام انہی سے پیدا کیے گئے اور بی بی حوا بھی اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ اس سے ثابت ہوا ہم سب صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے اور وہ اپنے آباؤ امہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس تخلیق کا احسان اس لئے جتلایا کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اُس کا اور ہمارا دادا ایک ہے تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں تو محسوس نہیں کرتا۔

اصل کائنات حضرت محمّد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں

آیت میں اہلِ عرفان فرماتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اُن سے تمام انسان پیدا ہوئے۔ اسی طرح سب سے پہلے حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ اقدس کو پیدا فرمایا، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِیْ ،، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری

کو پیدا فرمایا۔ پھر آپ کی رُوح پاک سے تمام ارواح پیدا ہوئے۔ اس سے واضح ہُوا کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں۔ یہی معنے ہے نَمُوالَّذِیْ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ،، **فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ** پھر کہیں تمہارا ٹھہرنا اور کہیں امنت رہنا ،، ہر دونوں مصدر میمی اور مرفوع مُبتدا ہیں اور اُن کی خبر محذوف ہے جو فلکم الخ ہے یعنی تم کبھی آباء کی پشتوں میں کبھی زمین میں ٹھہرو گے کبھی امہات کے شکموں میں کبھی زمین کے نیچے قبروں میں۔

نکتہ : آباء کے پشتوں میں ٹھہرنے کو استقرار اور امہات کے شکموں میں رہنے کو استیداع (امانت) سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ باپ کے اصلاب میں نُطفے کا ٹھہرنا کسی کے واسطہ سے نہیں ہُوا۔ اسی لئے پہلے کو استقرار سے اور دُوسرے کو استیداع سے تعبیر کیا گیا ہے گویا ماں کے پیٹ میں کسی نے بطور امانت نُطفے کو ٹھہرانے کے لئے رکھا ہے۔ اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابنِ آدم سے فرماتا ہے کہ آدم زادہ تو اپنے اہل وعیال میں چند روزہ امانت ہے پھر تو نے اپنے اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ لبید شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا المال والاعیال الا ودیعۃ　　وَلا بد یَوْمًا تردالودائع

(ترجمہ) مال اور اہل وعیال تمہارے ہاں چند روزہ امانت ہیں اور امانت کو واپس دینا ضروری ہوتا ہے

فائدہ : قلب میں منجملہ امانات و ودائع سے ایک امانت و ودیعت ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا :

ے　ترا بگو ہر دل کردہ اند امانتدار　　نہ دزد امانتِ حق را نگہدار محتسب

ترجمہ : تجھے دل کے گوہر کا امین بنایا گیا ہے۔ چور نہ امانت حق کا نگہدار ہے نہ محتسب

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ ،، ہم نے مفصّل آیتیں بیان کر دیں یعنی انسانی تخلیق و دیگر مخلوق کی پیدائش تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں۔ **لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ** ۰ اُن لوگوں کے لئے جو اپنی عقل و فکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

سوال : ذکرِ نجوم میں یَعْلَمُوْنَ اور تخلیق اِنسان میں یفقھون کہنے کا راز ہے۔

جواب : آیاتِ آفاق کی طرف اور تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ کی غرض سے یَعْلَمُوْنَ و یَفْقَهُوْنَ کا فرق کیا گیا اس لئے کہ آیاتِ آفاق اظہر و اجلیٰ ہیں اور آیاتِ انفس ادق و اخفیٰ ہیں۔ اسی لئے آیاتِ انفس کے لئے یفقھون موزوں ہے اس لئے کہ فقہ خفی معنے کے معلوم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ : فقہ کا لفظ شق و فتح پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے فقیہ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو احکام شرعیہ کی تفصیل سے واقف ہو کر اُن کے دقائق کو پہنچے اور اُن کے اندر جتنی پیچیدگیاں ہیں سب کو کھول کر واضح کرے یہی وجہ ہے کہ فقیہ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو مسائل شرعیہ کا حاذق

ماہر ہو اور اسے ان پر گہری نظر ہو۔

فقہ اور علم غیب

: حضرت حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لغت میں فقہ بمعنی کلام کا معنیٰ سمجھنا لیکن ایسی گہرائی سے کہ اسے علم غیب سے مشابہت ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا عالم چند اصول مدِ نظر رکھ کر بطور استنباط معنے کو سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فقیہ کی صفت سے موصُوف نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کا علم استنباط کا محتاج نہیں بلکہ وہ بلا واسطہ علے وجہ الاتم جمیع اشیاء کا عالم ہے۔

خلاصہ تفسیر

: آیات مذکورہ جنہیں آفاقیہ و انفسیہ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ اہلِ شرک کو توحید و ایمان کی اور اہلِ اخلاص کو شہود و عیان کی اور اہلِ معصیت کو طاعۃ اور توبہ لسانی وقلبی کی دعوت دیتی ہیں ان سے بڑی بڑی نعمتیں اس لئے یاد دلائی جاتی ہیں تاکہ بندہ اُن کے لئے شکریہ ادا کرے اور ان کے حقوق کو پہنچانے ہر قوم اور ہر گروہ پر جس طرح کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ مثلاً توحید الافعال والصفات والذات کی نعمتوں کا شکریہ کرنا لازمی ہے۔

سبق

: عاقل پر لازم ہے کہ طلبِ حق کے لئے جد وجہد کرے۔ اس لئے کہ تمام عوالم آفاقی ہوں یا انفسی کے مقدمات کی ترتیب کا اصلی مقصد یہی ہے کہ بندہ مظاہرہ کے ظواہر سے واصلِ باللہ ہو اور اس کے تمام حجابات دُور ہوں جو اسے غفلت کی وجہ سے وصول الی اللہ کے لئے حائل ہیں۔ (ف) یاد رہے کہ سب سے بڑا حجاب غفلت ہے۔

حکایت

: شیخ ابوالفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ شکار کے لئے نِکلے (جب آپ کرمان کے بادشاہ تھے) شکار کے لئے بہت بڑی جد وجہد فرمائی۔ شکار بھاگتا رہا آپ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک جنگل بیابان میں جا نکلے، چونکہ اکیلے تھے بہت پریشان ہُوئے اچانک آپ کے قریب سے ایک نوجوان درندے پر سوار ہو کر تشریف لایا اس کے ارد گرد تمام درندے گھیرا ڈالے ہُوئے تھے۔ جب درندوں نے حضرت کرمانی کو دیکھا تو آپ کو پھاڑ کر کھانے کے لئے دوڑے۔ اس نوجوان نے درندوں کو جھڑکا تو تمام رُک گئے۔ وہ نوجوان حضرت کرمانی کے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر فرمایا اے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اتنا غافل کیوں ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا اس لئے عنایت فرمائی کہ تم اس کے ذریعے اُس کی خدمت (عبادت) زیادہ سے زیادہ کرسکو۔ لیکن تم نے الٹا اس کی دی ہوئی نعمت کو اُس سے رُوگردانی پر استعمال کیا۔ نوجوان حضرت کرمانی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا آئی اور پیالہ پانی کا نوجوان کو پیش کیا۔ نوجوان نے تھوڑا سا پی کر

بقایا بادشاہ کو دیا۔ حضرت کرمانی فرماتے ہیں کہ اس جیسا پانی ٹھنڈا اور میٹھا اور لذیذ ترین میں نے کبھی نہیں پیا اس کے بعد وہ بڑھیا گم ہوگئی۔ نوجوان نے فرمایا اے بادشاہ یہی دُنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے جب بھی کسی شئ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا حاضر ہوکر میری ضرورت پُورا کردیتی ہے۔ اے بادشاہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا کو پیدا فرمایا تو اسے فرمایا کہ اے دُنیا تم اُس کی خدمت کرنا جو میری خدمت کرے اور جو تیری خدمت کرے اُس سے خوب خدمت لینا۔ جب حضرت کرمانی نے یہ حال دیکھا تو فوراً تائب ہُوئے اس کے بعد بہت بڑے ولی کامل بن گئے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

(۱) خَدَمتُ لِمَا اَنْ صِرْتُ مِنْ خدمكَ ؛ وَدَارَ عِنْدِی السُّرُوْرُ مِنْ نِعَمكَ

(۲) وَكَانَ الحادثات تَطْرُقنی ؛ فَاسْتَخْشَمَنِیْ اذ صرتُ مِنْ حَشَمكَ

ترجمہ: (۱) میں نے ایسی بہتر خدمت سرانجام دی کہ میں آپ کے خدام سے شمار ہونے لگا اور تیری نعمتوں سے مجھے بھرپُور کردیا گیا۔

(۲) لیکن حوادثِ دُنیا نے مجھے جھنجوڑا اور اپنا بنانے کی جد و جہد کی لیکن میں تیرے خدام کے زُمرہ سے ہوچکا۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بنا جو تیرے دروازے پہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ان لوگوں سے نہ بنا جو مجھے تیری درگاہ سے جُدا کردے۔

تفسیر عالمانہ ۹۸ وَهُوَ ،، اور وہ اللہ تعالیٰ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج (جس نے آسمان سے مخصوص پانی اُتارا یعنی بارش نازل فرمائی)

اس کے بعد غیب کے صیغے سے متکلم کے صیغہ کی طرف التفات فرمایا فَاَخْرَجْنَا ،، پس ہم نے نکالا۔ یہ نُون عظمت کا ہے جمع کا نہیں اس لئے بہت بڑا بادشاہ اپنی عظمت کے پیشِ نظر اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتا ہے بِهٖ پانی کے سبب سے نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ ،، ہر شئ کی انگوری مثلاً گندم اور جو اور انار اور سیب وغیرہ کے بیج سے مذکورہ بالا اشیاء کی انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ یہ شئ عام نہیں بلکہ مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ بعض اشیاء انگوریوں سے نہیں پیدا ہوتیں جیسے پتھر وغیرہ۔

فائدہ: نبات، بنت بمعنی ہر وہ شئے نامی جو زمین سے نکلے اس کی پنڈلی ہو (جیسے اشجار) یا نہ ہو (جیسے بیل بوٹیاں) یعنی تمام بے ساق نباتات۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے بنات کے لئے پانی کو کیوں سبب بنایا اور جو سبب بنائے وہ دوسرے سے مدد مانگنے والا ہوتا ہے تاکہ اس سبب کے ذریعہ سے اُس کا کام ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا تصوّر کرنا بھی جرم ہے۔

جواب : بارش کا کام صرف اتنا ہے کہ اُس سے انگوری اُگے۔ بارش نے انگوری جنی ہے نہ ہی انگوری کو بارش سے پیدا ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ صرف ایک سبب عادی ہے ؛ ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بارش نہ ہو تب بھی وہ انگوریاں اُگا سکتا ہے۔ سوال کی تقریر ہر اُس شخص کے لئے ہوسکتی ہے جو سبب کا محتاج ہو کہ مسبب نہ ہو تو فعل کا صدور اس سے ممکن بھی نہ ہو۔ جیسے انسان کو سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ناممکن ہے۔ اس لئے وہ سیڑھی کو چھت پر چڑھنے کے لئے سبب بناتا ہے اور سیڑھی چھت پر چڑھنے کا ایک آلہ ہے ؛ لیکن اس کے باوجود انسان کو چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لازم نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سیڑھی کے بغیر بھی چھت پر چڑھ جاتا ہے۔ جب ایک معمولی انسان کے لئے اس مثال کے بعد اعتراض رفع ہو جاتا ہے تو پھر ذاتِ حق کے لئے اشکال کیوں۔

فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ ،، یہاں سے اخراج کی تفصیل شروع فرمائی کہ وہ انگوریوں کو کیسے اُگاتا ہے پہلے اُن انگوریوں کا ذکر فرمایا جو زمین پر پھیل جاتی ہیں اور درخت جیسی صورت یعنی ٹہنیاں وغیرہ نہیں رکھتیں، چنانچہ فرمایا پس ہم نے اُس سے نکالا۔ **خَضِرًا** ،، سبزی کو یہاں خضر ابمعنی اخضر ہے یعنی سبز تر سبزی ترکاری جو بیج سے نکل کر زمین پر پھیل جاتی ہے۔ **نُّخْرِجُ مِنْهُ** ،، یہ خضرا کی صفت ہے یعنی ہم اس سبزی پھیلی ہوئی سے نکالتے ہیں۔ **حَبًّا مُّتَرَاكِبًا** ،، دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔ متراکب سے وہ بالی مُراد ہے جو دانوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ہیئت مخصوصہ سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ ،، یہاں سے ترکاریوں کی تفصیل کے بعد اب درختوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ اور ہم نے کھجوروں سے نکالے۔ **مِن طَلْعِهَا** ،، اُس کے گابھے سے یہ النخل سے بدل ہے۔ عامل کا اعادہ کر کے طلع ہر وہ شئے جو کھجور سے نکلتی ہے۔ اس کی پہلی شکل جُوتے کی سی ہوتی ہے اور اس کے دانے ایک دُوسرے سے ملے ہوتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا موتی کی لڑیاں پروئی ہوئی ہیں۔ **قِنْوَانٌ** ،، یہ مُبتدا اور اُس کی خبر من النخل مقدم ہے۔ یعنی کھجور کے گابھے سے حاصل ہوتے ہیں۔ گچھے۔ قنوانُ قنو کی جمع ہے اور کھجور کے ثمر کے لئے بمنزلہ انگور کے گچھوں کے ہوتے ہیں۔ **دَانِيَةٌ** ،، قریب ہونے والے کہ چُننے والے کو آسان ہوتا ہے اس لئے کہ شئ جتنی قریب ہو اتنا ہی چننے میں آسانی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کھجور جتنا چھوٹی ہو گی اتنا ہی ثمر آسانی سے حاصل کیا جائے گا۔ اسے بڑی کھجور سے لینے کا خیال تک نہ ہو گا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دُوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں اختصار ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض کھجوریں ایسی ہیں جن کے گچھے قریب ہیں۔ یعنی ان کے درختوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور بعض بعید اُن کے درختوں کے اُونچے ہونے کے باعث۔ یہاں قریب کا ذکر کر کے طویل کو اس میں داخل کر دیا گیا ہے اس لئے کہ اقرب کو بہت بڑی نعمت اور مکمل ترین سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اپنی پھوپھی کھجور کی عزّت احترام کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ کوئی درخت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین نہیں سوائے کھجور کے کہ اس کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ بچہ جننے والی عورتوں کو سب سے پہلے تر کھجوریں کھلاؤ اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک سہی۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عرب میں بچہ جننے والی عورتوں کو تر کھجور کھلانے کا سبب یہی ہے کہ بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت تر کھجور کھائی تھی۔ کما قال فی سُورہ مریم وھُزِّی اِلَیۡكَ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا (اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچئے وہ تجھ پر تر اور پکی کھجور گرائے گی)

(ف) یہی دانہ کی فضیلت میں بھی اسی طرح وارد ہے۔

حکایت : کسی نبی علیہ السلام کو اُمت نے اولاد قبیح شکل پر پیدا ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں فرمائیں کہ وہ اپنی حاملہ عورتوں کو بہی (سفرجل) کھلائیں۔ یعنی حمل کے تین یا چار ماہ بعد۔ اس لئے کہ اس میں اچھی صُورت کا نقشہ ہے اور یہ بچے کو حسین بناتی ہے۔

وَجَنّٰتٍ مِّنۡ "اور ہم نے نکالے باغات مِنۡ اَعۡنَابٍ انگوروں کا اس کا عطف نبات کل شئی پر ہے۔

سَوال : یہاں پر جنات کا اضافہ کیوں جبکہ پہلے اور بعد کو بھی اِسم جنس پر اکتفا کیا گیا یہاں بھی ایسے ہی کیا جاتا۔

جواب : اس لئے کہ یہاں پر دونوں اسم جنس جب تک جمع نہ ہوں ان سے انتفاع نہیں ہو سکتا اور جنّات جنّۃ کی جمع ہے ہر وہ گھنے دار شئ جو ایک دُوسری کو چھپا دے اسے جنۃ کہا جاتا ہے۔ ویسے لُغۃً بھی جنۃ جن بمعنے الستر سے مشتق ہے اور الاعناب۔ عنب کی جمع ہے اور فارسی و اُردو میں بمعنی انگور وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ " زیتُون اور انار یعنی ہم نے زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے مُشۡتَبِهًا " درانحالیکہ ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل اور اوّل سے آخر تک ہر دونوں ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (یہ حال ہے)

وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ اور ثمر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہم شکل نہیں۔

(ف) تفسیر فارسی میں ہے کہ درخت پتوں کے لحاظ سے ایک دُوسرے کے ہم شکل ہوتے ہیں اور ثمرات اور ذائقہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہمشکل نہیں ہوتے اس لئے کہ ان میں بعض نہایت کھٹے اور بعض تھوڑے کھٹے اور بعض کھٹ مٹھڑے ہوتے ہیں۔

اُنۡظُرُوۡۤا "اے مخاطبو! غور و فکر کر کے دیکھو اِلٰى ثَمَرِهٖۤ " اُسکے ثمر کو یعنی ہر درخت کے پھل کو

اِذَآ اَثۡمَرَ ،، جب وہ اپنا پھل نکالے کہ پہلے وہ اپنا پھل کچا نکالتا ہے کہ اس سے نفع نہیں لیا جا سکتا وَ یَنۡعِهٖ ،، اور اس کے پھل پک جانے کو دیکھو کہ پکنے کی حالت میں کس طرح موٹا ہو جاتا ہے اور اس سے نفع بھی اُٹھایا جاسکتا ہے اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔ الینع دراصل ینعت الثمرۃ ،، کا مصدر ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ درخت اپنے پھل پکنے کی حد کو پہنچ جائے اذا اثمر اُنظُرُوٓا کی طرف ہے۔

نکتہ : نظر عبرت کا حکم اس لئے ہُوا کہ قادر کریم کی قدرت دیکھو کہ درخت کا پھل درخت سے نکلا ہے جس کے نکلنے کا مرکز بھی ہے۔ پانی بھی ایک طرح ہے زمین بھی وہی لیکن پھل کا تبدل و تغیر دیکھو کہ کبھی چھوٹا اور کبھی کچا تو پھر بدل کر موٹا اور پختہ اور مختلف رنگوں میں رنگدار ہو جاتا ہے۔ پہلے اُس کا حال اور طرح ہوتا ہے۔ پھر آخر کچھ اور حال اختیار کر لیتا ہے۔ پھل کی مختلف حالتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت کا مالک ہے اور وہ تخلیق اشیاء میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے تمام جہان کو پیدا کرنے کی تدبیر میں ہزاروں حکمتیں و مصلحتیں اور رحمتیں رکھتا ہے۔

مسئلہ : امام قرطبی نے فرمایا کہ جواز بیع میں ثمر پکنے کی شرط اسی پر ہے کہ وہ پھل پُورا پختہ ہو جائے کہ پھر کھانے کے لائق سمجھا جائے اور آسمانی آفت کے نزول سے محفوظ ہو جائے۔ آسمانی آفت سے کہکشاں کے طلوع سے پہلے کا وقت مراد ہے اس لئے کہ ان ستاروں کے طلوع سے پہلے کچے قسم کے پھل توڑے جائیں تو وہ پھل خراب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نظام پھلوں کے لئے ایسے ہی بنایا ہے

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب صبح کے وقت کہکشاں کا طلوع ہوتا ہے تو آسمانی آفت دفع ہو جاتی۔

(ف) فصل ربیع کے تین آخری مہینوں کے پہلے ماہ کی بارھویں تاریخ کے بعد کہکشاں کا صبح کے طلوع کا آغاز ہوتا ہے اور وہ تین ماہ یہ ہیں (۱) مارچ (۲) اپریل (۳) مئی۔ گویا مئی کی بارہ تاریخ کے بعد کہکشاں کے صبح کے وقت طلوع کا آغاز ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ ،، یہ اشارہ غور و فکر کے نظر کی طرف ہے۔ لَاٰیٰتٍ ،، قادر و حکیم کے وجود اور ان اشیاء کے حدوث پر دلالت کرنے والی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ ایماندار لوگوں کے لئے۔

(ف) اہلِ ایمان کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کرکے نفع پاتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان عنایت سے ہدایت کا پانی برساتا ہے اور اہل زہد وفتویٰ اور اہل عشق وتقویٰ کے مراتب استعداد کے مطابق قسم قسم کے معارف و اسرار نازل فرماتا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کا قلب مستقل ایک باغ ہے اس سے وہی پیدا ہوتا ہے جیسی اُس میں استعداد ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر انگوری اُس مٹی کا پتہ دیتی ہے جس سے کہ وہ پیدا ہوئی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

در زمین گرنے شکر ور خود نے است ترجمان ہر زمین بنت وے است

ترجمہ : زمین کا کماد ہو یا کوئی کھانے کی اشیاء اس کا ترجمان اس کا درنہ (بیج) ہے۔

(ف) کھجور تمام درختوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ یہ اصحاب ولایت پر دلالت کرتی ہے اُن کی ولایت کے بعض کے ثمرات ایسے ہیں جو طالبین و مریدین کے لئے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ یعنی بعض لوگ ایسے بزرگوں کے قریب تر ہوکر اُن کی ولایت کے ثمرات سے نفع پاتے ہیں اور بعض اولیاء کرام ایسے ہوتے ہیں جو عزلت اور گوشہ نشینی اور لوگوں سے اوجھل زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تمام اوقات و احوال کو اللہ تعالیٰ کی طرف صرف کرنا چاہتے ہیں اپنا ہر فعل وقول اذن الٰہی پر مبنی رکھتے ہیں اُن پر صرف جاہل ہی طعن زنی کرتے ہیں ورنہ ایسے حضرات خلوت وجلوت میں قلوب کے باغات سے میوہ کھاتے ہیں اور غیبی دانوں کی لذتوں سے محفوظ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے بزرگوں کے حالات مخلوق کی آنکھوں سے مستور اور پوشیدہ رہتے ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نو (۹) ایسے بزرگوں کی زیارت کی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی مجاورت میں مدت تک زندگی بسر کر رہے تھے میں بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھ سے اُنہوں نے کہا تیرا ہمارے ساتھ کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی میں بھی آپ حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے آپ حضرات سے عشق ہے۔ آپ کی زیارت ہی میرے لئے آخرت کا بہترین سرمایہ ہے اس لئے کہ جس ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تم مشرف ہو رہے ہو۔ اُن کا حدیثِ گرامی میں نے سُنا ہے : اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ،، قیامت میں ہر شخص اُس کے ساتھ ہوگا۔ جسے جس سے محبت وعشق ہے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا اب ہمارا یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا تو ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گا اس لئے کہ جہاں ہم جانا چاہتے ہیں وہ یہاں سے چالیس سال کی مسافت پر ہے۔ میں نے عرض کی کچھ بھی مجھے ضرور اپنے ساتھ لے چلو۔ ان میں سے ایک بزرگ نے فرمایا بھائیو! اسے ساتھ لے لو جہاں تک چل سکے گا چلنا ہے گا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب وہاں سے چل پڑے لیکن کیفیت یہ تھی کہ ان کے قدموں کے

سے زمین لپیٹی گئی اور میں بھی ان کی معیت میں طے الارض کی کرامت سے نوازا گیا۔ یہاں تک کہ ہم ایسے شہر میں پہنچے جس کے مکانات کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ جس کے درخت گھنے دار اور جس کی نہریں ہر وقت تر و تازہ اور میٹھے پانی سے جاری رہتی تھیں۔ جس کے باغات کے پھل نہایت موٹے میٹھے اور لذیذ تھے ہم اس میں داخل ہوئے۔ اس کے باغات کے پھل کھائے۔ میں نے وہاں سے تین عدد سیب توڑ کر اپنے پاس رکھ لئے ان میں سے مجھے کسی نے نہ روکا۔ میں نے عرض کی کہ واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اولیاء اللہ کا شہر ہے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی اس کی سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے یہاں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہ شہر خود بخود اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں یہ شہر وہاں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس میں چالیس سال کے عرصہ میں کوئی آدمی تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے جب بھوک لگتی تو میں اس سیب سے کچھ کھا لیتا لیکن لمبی مسافت میں لمبے سفر اور اس سے کاٹ کر کھانے کے باوجود سیب میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اسی طرح سے میں گھر واپس ہوا تو سیب جوں کا توں رہا۔ گھر میں سب سے پہلے میری بہن سے میری ملاقات ہو گئی۔ اُس نے کہا اتنا عرصہ ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا کیا پوچھتی ہو میں اس دنیا سے کہیں دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے کہا تو وہ سیب کہاں ہے؟ میں نے عمداً بات کاٹتے ہوئے کہا کونسا سیب۔ اُس نے کہا وہی جو تُو مدینۃ الاولیاء کے باغات سے توڑ کر اپنے لئے ساتھ لایا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہُوا۔ کہا اے بندہ خُدا مجھے بھی تو اس شہر میں لے گئے تھے۔ تُو نے اس شہر کو اس وقت دیکھا جب تجھے واپس لوٹانے کا ارادہ کیا گیا اور میں نے تو اسے بار بار دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جن اولیاء کی صحبت میں میں رہا۔ ان کا امیر فرماتا تھا کہ اس شہر میں چالیس سال کے عرصہ تک تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہُوا لیکن تو اس میں آنے جانے کی بات کرتی ہے۔ اُس نے کہا اُنھوں نے صحیح فرمایا اس لئے کہ مریدوں میں سوائے تمہارے چالیس سال کی مدت میں وہاں کوئی نہیں گیا۔ باقی رہے اللہ والے وہ ہر وقت جب چاہیں اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے روحانی طور کوئی دلچسپی نہیں رکھتے) اب تم جس وقت چاہو گے میں تمہیں وہی شہر یہاں بیٹھے بیٹھے دکھا دوں گی۔ میں نے کہا میں ابھی اس شہر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا یا مدینتی اُحضُری اے میرے شہر ابھی آجاؤ۔ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے اُس وقت شہر کو دیکھ لیا۔ میری بہن اُس باغ کی طرف بڑھی اور اُس سے ہاتھ بڑھا کر مجھے کہا تیرا سیب کہاں ہے اس کے کہنے پر سیب میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر میری بہن ہنس پڑی اور کہا کہ جس کے ہاں ح‌ا کی خدائی ہو وہ آپ کے سیب کا محتاج نہیں ہوتا۔ میں اُس وقت سخت شرمندہ ہُوا اور اس وقت مجھے یقین ہُوا کہ میری بہن بھی اُن اولیاء کرام میں سے ہے۔

تفسیر عالمانہ ۹۹ وَجَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ ،، اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک جنّوں کو بنایا۔

شانِ نزول : کاشفی نے فرمایا صحیح تر یہ ہے کہ یہ آیت زندیقوں یعنی مجوسیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اِن زندیقوں کو ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) ابلیس۔ یہ دونوں بھائی ہیں (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں اور چوپایوں اور ہر بھلائی کا خالق ہے۔ اُسے یزدان کہتے ہیں اور ابلیس درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں اور ہر شر کا خالق ہے۔ اسے اہرمن سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلُوۡا بَیۡنَہٗ وَبَیۡنَ الۡجِنَّۃِ نَسَبًا ،،

(ف) ابلیس بھی جنوں سے ہے۔

تنبیہ : اللہ تعالیٰ نے تو جنّوں کا بھی خالق ہے پھر مخلوق اُس کی کیسی شریک ہو سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجوسی کا عقیدہ باطل ہے۔

وَخَرَقُوۡا لَہٗ ،، اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے گھڑے۔

(ف) خرق اور اختزق۔ اختلق وافترٰی ایک معنیٰ میں ہیں۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی جھوٹ بولے **بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍۭ** ،، لڑکے لڑکیاں۔ جیسے یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ **بِغَیۡرِ عِلۡمٍ** ،، حقیقت سے لاعلمی کی بناء پر یعنی جو کچھ اُنہوں نے کہا خطا و صواب امتیاز کا تصور ہٹا کر غلط کہا۔ بلکہ بلا تامل و تفکر اندھا پن اور جہالت سے کہا اور بغیر علم کی باء محذوف سے متعلق اور خَرَقوا کے فاعل سے ہے۔ دراصل عبارت وو خَرَقُوۡا ملتبسین بغیر علم ،، تھی۔ **سُبۡحٰنَہٗ** ،، اُس کی ذات منزہ و مقدس ہے اور وہ اسی تنزیہہ کے لائق ہے۔ **وَتَعٰلٰی** ،، یہ علو سے ماخوذ بمعنٰے "استعلیٰ" ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کو علو سے موصوف کرنا جائز ہے اور ارتفاع سے ناجائز۔ اس لئے کہ علو کا معنٰے کبھی اقتدار بھی ہوتا ہے۔ بخلاف ارتفاع کے کہ وہ جہت و مکان کا مقتضی ہے اس لئے علو سے موصوف ہونا جائز ہُوا اور ارتفاع سے ناجائز۔

فائدہ : سبحان و تعالیٰ کو تباعد کے معنیٰ میں لیا جائے گا تاکہ **عَمَّا یَصِفُوۡنَ** کا معنی واضح ہو سکے یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی بنائی ہوئی صفتوں سے دُور ہے نہ اُس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ
صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ ١٠٢ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ
فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ ١٠٣
وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ○ ١٠٤ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ١٠٥ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ
وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ ١٠٦ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ
ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ١٠٧ وَاَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ١٠٨
وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ ع ١٠٩

ترجمہ : بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کے بنانے والا اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے ۱۰۰۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ۔ ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبردار ۱۰۲ تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوئے اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں ۱۰۳ اور ہم اسی طرح آئتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لئے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم پڑھتے ہو اور اس لئے کہ اسے علم والوں پر واضح کر دیں ۱۰۴ اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو ۱۰۵ اور اللہ چاہتا تو وہ شرک نہیں کرتے اور ہم نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر کڑوڑے نہیں ۱۰۶ اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے ۱۰۷ یونہیں ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بنا دے گا جو کرتے تھے ۱۰۸ اور انھوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے تم فرما دو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا پھریں ،، ۱۰۹/۱۱۰

تفسیر عالمانہ

۱۰۱ بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی عالم علوی وسفلی کے طبقات کو بلا مادہ

ایسی نرالی طرز سے پیدا فرمایا کہ جن کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی۔ وہی فاعل ہے علی الاطلاق اور وہ ہر قسم کے انفصال سے منزہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کا والد ہوتا تو اُس میں اپنی اولاد کا عنصر ہوتا اور اس کا مادہ اس سے منتقل ہوکر اُس کی اولاد میں چلا جاتا اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ میں ممتنع ہیں تو اس کے لئے اولاد کا ہونا بھی ممتنع ہے۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا کہ بدیع فعیل بمعنی مفعل ہے۔ جیسے الیم بمعنے مُولم اور حکیم بمعنی محکم ہے۔

(فائدہ) یہ اضافتِ حقیقیہ ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ دراصل عبارت بدیع سمٰوٰتہٖ وَاَرْضِہٖ تھی۔

(حل لغات) بدیع بدع سے مشتق ہے کہ جس کی طرز عجیب اور شکل فائق اور حُسن رائق ہو۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ اِس کی اولاد کیسی حالانکہ اُس کی جُورو نہیں۔ اس میں اولاد کے تمام اسباب منتفی ہیں اس لئے کہ والدہ کے بغیر اولاد کا ہونا ناممکن ہے اگرچہ باپ کے بغیر اولاد ہوسکتی ہے اور ہوئی بھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(ف) صاحبۃ سے زوجہ مُراد ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے فرمایا ؎

لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ است آوازِ قدم ۔۔۔ نے پدر دارد نہ فرزند و عم

ترجمہ: لم یولد و لم یو لد قدیم کی آواز ہے اس کا نہ باپ ہے نہ اولاد ہے نہ چچا۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ج ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ اُس نے ہر شئے کو پیدا کیا یعنی جملہ موجودات کی ایجاد و تکوین کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے منجملہ اُن کے اولاد بھی ہے جو کفار اس کے لئے ثابت کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا تصور کیسا جبکہ وہ اس کا بھی خالق ہے ؎

خالق افلاک و انجم بر علا ۔۔۔ مردم و دیو و پری و مرغ را

ترجمہ: وہ افلاک و انجم اور ان کے اُوپر سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے اس کی مخلوق ہیں آدمی۔ دیو، پری اور پرندے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ ج ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ ،،وہ،، مخلوق و غیر مخلوق ،،عَلِیْمٌ،، کو ازلاً ابداً جانتا ہے اس سے کوئی شئے مخفی نہیں جو گذری یا آئے گی۔ شئے کی ذات ہو یا صفات یا احوال منجملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہیں یا نہ یا اس کے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے ۱۰۱ ذٰلِکُمُ ،، وہ بڑی صفات کا موصوف اَللّٰہُ ،، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو عبادت کا وہی مستحق ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی صفت رَبُّکُمْ ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے جمیع امور کا مالک ہے ؎

نیست خلقش را دگر کس مالکے   شرکتش دعویٰ کند جز ھالکے

ترجمہ : مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ وہی کرتا ہے جو تباہ و برباد ہے۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نہ ہی اُس کا کوئی شریک ہے ۔خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ،، تمام وہ اشیاء جو زمانہ ماضی میں گزری ہیں یا آئیں گی سب کا خالق ہے ۔ اس میں تکرار نہیں بلکہ یہ اخبار مترادفہ ہیں۔ فَاعْبُدُوْہُ ،، پس اُسی کی عبادت کرو ۔ یعنی جو ان صفات کا جامع ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وُہی ہے ۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ہ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا وکیل ہے یعنی جو ذات اِن صفات کی جامع ہے وہی تمہارے جملہ امُور کا متولی ہے۔ فَلِہٰذا تم بھی اپنے جملہ امُور اسی کی طرف سپرد کرد و اور اپنے جملہ دینی و دنیوی امُور کی کامیابی کے لئے اُسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ اور یُوں تصوّر کرو کہ اِس ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا و سزا دے گا ۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ وکیل دو طرح کے ہوتے ہیں :

(۱) جو شئے اُس کے سپرد کی جائے وہ مکمل طور بلا کم و کاست اُس شئے کو واپس کر دے۔

(۲) جو سپرد کردہ شئے رتی کے برابر بھی واپس نہ کرے۔

وکیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جو شئی اُس کے سپرد کی جائے تو وہ اسے نہ صرف مکمل طور پر واپس کرتا ہے بلکہ تا واپسی اُس کی پُوری نگرانی بھی فرماتا ہے ۔ اگرچہ بندہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن بندے میں اس معنے کی سینکڑوں خامیاں پائی جاتی ہیں اور وہ کریم ہر خامی سے منزہ اور پاک ہے۔

متوکل کی کہانی

: حضرت شیخ ابوحمزہ خراسانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لئے جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں اچانک ایک کنوئیں میں جا گرا میرے دل میں خیال گزرا کہ فریاد کروں تو کوئی مجھے باہر نکالے لیکن سوچا کہ وہ کریم جب مجھے جانتا ہے اور اُسے میرے باہر نکالنے کی قدرت بھی ہے تو پھر کیوں غیروں کو پکاروں ۔ جب یہ عقیدہ میرے دل پر پُورے طور بیٹھ گیا تو دیکھا کہ دو آدمی کنوئیں کے قریب آگئے ۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس کنوئیں کو بند کر دیا جائے تاکہ کوئی اجنبی مسافر اس میں گر کر مَر نہ جائے ۔ یہ مشورہ کر کے پتھر روڑے اور مٹی اُٹھا کر کنوئیں میں ڈالنا شروع کر دی میرے نفس نے مجھے سخت ستایا کہ اب تو فریاد کرو تاکہ جان بچ جائے ۔ میں نے نفس کو جواب دیا کہ اُن غیروں کو کیوں پکاروں جبکہ نَحْنُ اَقْرَبُ ،، کی شان والا رَبّ مجھ سے قریب تر ہے ۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر کے خاموشی سے بیٹھ رہا اور وہ لوگ کنواں بند کر کے چلے گئے ۔ تھوڑی سی دیر گزری کہ کنوئیں سے مٹی ہٹانے

کی آواز آئی اور باہر سے راستہ کھل گیا اور اُوپر سے اپنا پاؤں نیچے میرے قریب کرکے آواز دی کہ اے بندہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجا۔ میں نے جونہی اس پاؤں کو پکڑا تو اُس نے مجھے باہر نکالا۔ میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ وہ نے مجھے باہر نکال کر چلا گیا، لیکن ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ ہم نے تجھے ایک ہلاکت کے ذریعے دُوسری ہلاکت سے بچایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر بڑی قُدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شئے کا کارساز ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے جیسے اربابِ کمالات کے قلوب سے لطف و ہدایت کے پانی سے کمالات ظاہر فرمائے ایسے ہی قہر و جلال کے پانی سے گمراہوں کے نفوس کی زمین سے کئی قسم کی گمراہیاں پیدا فرمائیں۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کے علاوہ غلط اور گندے بکواسات بکے، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اِس کریم کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے خائف رہے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت ۔ عبادت میں لگا رہے تاکہ اُس کی رضا و رحمت نصیب ہو۔ اسے چاہیئے کہ غیر سے خیر و شر کو خیال تک میں نہ لائے اس لئے کہ خیر و شر منجانب اللہ ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ؎

گناہ اگرچہ نبُود در اختیار ما حافظ — تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ منست

ترجمہ : اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے بس میں نہیں لیکن پھر بھی ادب کے طور کہو کہ میرا ہی گناہ ہے۔

اے اللہ کریم ہمیں اپنے قہر و غضب سے ڈرنے کی توفیق عطاء فرمائیے۔ اس لئے کہ تیرے قہر و غضب سے کافر لوگ بے خطر رہتے ہیں،،

۱۰۳ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ،، دیکھنے کی حِس کا نام نظر ہے۔ کبھی آنکھ کو بَصر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آنکھ نظر کی محل ہے اور شئ کے ادراک سے شئے تک پہنچنا مراد ہے اور شئ کے محیط ہو جانے کو بھی ادراک کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تک کوئی آنکھ نہ پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ،، وہ ابصار کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے اس کا علم مُراد ہے یعنی اس کا علم جمیع ابصار کو محیط ہے۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ،، اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا لطیف خبیر ہے کہ جن اشیاء کا آنکھ کو ادراک حاصل نہیں اِن اشیاء کو اللہ تعالیٰ محیط ہے۔

سوال : صرف آنکھ کے ادراک کی تخصیص کیوں ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر شئے کو محیط ہے۔

جواب : آنکھ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سوا ہر شئ کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا

ادراک حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ممکن ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ انسان اپنی بصر کی حقیقت کی کنہہ سے بے خبر ہے۔ اور بصر سے وہ حقیقت مُراد ہے کہ جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔

فائدہ : ادراک و رؤیت میں فرق ہے اس لئے کہ ادراک شئے کی کنہہ سے واقف اور محیط ہونے کو کہتے ہیں اور رؤیت صرف معائنہ کا نام ہے بلکہ رؤیت کبھی ادراک کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے۔ فُلَانٌ رآہ ولم یدرکہ ،، فلاں نے شئے کو دیکھا لیکن اس کا ادراک نہیں کیا اس سے واضح ہُوا کہ ادراک رؤیت سے اخص ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن ہے اس کا ادراک ممتنع ہے۔ جیسے دُنیا میں بہت سے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہوتا ہے، لیکن وہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یعنی معرفتِ الٰہی ممکن ہے وہ یہ کہ بندے اور مولیٰ کے درمیان ایک قسم کا ربط قائم ہو جائے، لیکن اتنا قدر کہ طاقتِ بشریہ اس کی حامل ہو اس لئے کہ حقیقی معرفت بندوں کے بس سے باہر ہے ؛ چنانچہ بہت بڑے کامل اولیاء کرام عجز و انکسار کا اعتراف کرتے رہے کہ مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ ،، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مِنْ حَیْثُ التجرد عن الاضافات والنسب کا ادراک ناممکن ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے عرض کی گئی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا تو آپ نے فرمایا " نور انّی اراہ ،، وہ نور تھا میں کیسے دیکھتا۔ یعنی نُورِ مجرد کو دیکھنا ناممکن ہے۔

(ف) اس معنی پر دوسرے مقام پر فرمایا : اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے مظاہر میں اپنے نُور کے مراتب بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد مراتب تمثیل بیان فرما کر آخر میں فرمایا : نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ،، اس میں پہلے نور سے روشنی اور دُوسرے سے مطلق اور اصلی نور مُراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تتمیم پر فرمایا یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ،، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر میں متعین شدہ نور کے ذریعے سے مطلق احدی نور کا راستہ دکھاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک اس وقت محال ہے جب وہ ذات اضافات و نسب اور مظاہر سے متجرد ہو۔ اگر اسے مظاہر اور مراتب کے حجابات سے دیکھا جائے تو پھر ممکن ہے کسی شاعر نے کہا:

؎ کالشمس تمنعك اجتلائك وجهها — فاذا اکتست برقیق غیم امکنا

ترجمہ : سُورج کی کرنیں اور اس کی روشنی اس کے چہرے کے دیکھنے کو روکتی ہیں ؛ لیکن جب وہ بادل کے اندر چھپ جائے تو پھر اس کا چہرہ دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بہشت میں باریتعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ وہ رویت شمس وقمر کے مشابہ ہوگی، چنانچہ فرمایا کہ اِنَّھُمْ یَرَوْنَ رَبَّھُمْ وَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ حجاب الارداء الکبریاء عَلٰی وَجْھِہٖ فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ " بے شک بہشتی اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جنت عدن میں۔ اللہ تعالیٰ اور بہشتیوں کے درمیان صرف ردائے کبریا کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا۔

معتزلہ کا رد : دراصل یہ مسئلہ اہل سُنت اور معتزلہ کے درمیان نزاعی ہے۔ معتزلہ (اسی طرح شیعہ) کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت ناممکن ہے۔ اُنھوں نے صحیحین کی روایت سے استدلال کیا ہے حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کی ہر شئی چاندی کی ہے۔ دیگر دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کے اندر کی ہر شئی سونے کی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن سامنے کبریائی کی چادر حجاب کے طور لٹکی ہوئی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دیکھنے والے اور چادر لٹکانے والے کے درمیان چادر حجاب ہوتی ہے اور یہ حجاب بناتا ہے کہ وہاں بھی رؤیت ناممکن ہے۔ اہل سُنت اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ حجاب سے انکار نہیں لیکن چادر اُوڑھنے والے کو محجوب نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں لفظ وجہہ سے ذاتِ حق اور رداء سے وہ بندہ کامل مُراد ہے جسے اُس صُورت پر پیدا کیا گیا جو حقائق امکانیہ اور الٰہیہ کی جامعہ ہے اور رداء وہی خود کبریائی کا عین ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی کبریائی کی وہ چادر جو عُلماء عارف باللہ کے عقول پہنتے ہیں۔

صاحب رُوح البیان قدس سرہ کی تحقیق لطیف : صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ معتزلہ کی چادر کی دلیل ہمارے لئے قادح نہیں اس لئے کہ وہ چادر کبریائی دنیوی چادروں سے نہیں، بلکہ نورانی چادر ہوگی جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہے اور شیشہ کسی شئے کے دیکھنے کے لئے حائل نہیں ہوتا۔ جیسے لباس بدن کے لئے حائل نہیں بلکہ بدن کا کالجز ہے۔ اس لئے کہ لباس اور بدن کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ وہ رداء چادر والے کا دیکھنا بھی بلا حائل ہوگا جبکہ ہم نے اس چادر کو بمنزلہ شیشہ کے مانا ہے اور وجہہ سے ذاتِ حق مراد لینا۔ یہ بھی ممنوع نہیں اس لئے کہ اہل عرب جزء بول کر کل مُراد لیا کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ چادر والی وہ ذاتِ حق ہے جو کسی حجاب سے محجوب نہیں۔ البتہ وہ غیروں سے محجوب ہے جیسے دُلہن کے آگے پردہ لٹکا ہوتا ہے تو غیروں کے لئے ورنہ دُولہا کے لئے پردہ کاہے کا۔ بلکہ وہی پردہ بعینہٖ دُولہا کے لئے پردہ کشائی ہے لیکن دُوسروں کے لئے حجاب ہے۔ نیز یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ رداء سے حقیقت محمدیہ مراد ہو جو حقیقۃ الحقائق ہے جس سے ہر حقیقت کو حصّہ نصیب ہُوا (جس قدر اس حقیقت کی قابلیت تھی) اگرچہ درحقیقت وہ بھی حقیقت ہے جسے وجودِ عام سے تعبیر کیا جائے جو تمام حقائق و حقائق الحقائق پر مشتمل ہے۔ جیسے حیوان ناطق جو اگرچہ وہ ایک لفظ ہے، لیکن تمام افراد کو شامل ہے۔

۔ اگر کثرت ہے تو افراد میں ہے اور ایسی کثرت شئی کی وحدۃ کے منافی نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی ، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ اَنْ يَنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَاءَ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهٖ ،، کا مطلب واضح ہوگیا کہ حقیقت ہر دونوں کی ایک ہے یعنی تجلی ذات جو اس حقیقت میں ہے اتنا قدر جتنا کہ اس حقیقت کے شیشہ کی صفائی اور جس قدر اس حقیقت کی معرفت اسے حاصل ہے۔ اس معنے پر وہ حقیقت ذاتِ حق اور بندوں کے درمیان حائل نہیں اس لئے کہ جب وہ اس حقیقت کی تجلی کا ایک نام ہے تو نام کے اختلاف سے شئی کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس اعتبار سے اہل سُنت کے عقیدہ کی توثیق ہوگئی کہ قیامت میں ہر اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بلاحجاب نصیب ہوگا۔ اگرچہ حدیث شریف میں ایک حجاب کا نام لیا گیا ہے وہ درحقیقت حجاب نہیں ہے بلکہ اُسے یُوں کہا جائے کہ وہ تقیید و اطلاق کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے جو دونوں حقیقتوں کی جامع حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدیہ) جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ،، جس نے خود کو پہچانا اُسے معرفتِ الٰہیہ نصیب ہوگئی جسے اپنے نفس کے متعلق کلی طور معرفت حاصل نہیں اُسے ذاتِ حق کی معرفت بھی نصیب نہ ہوگی

اس لئے کہ ذاتِ حق تو جمیع قیود سے مُنزّہ اور مقدس ہے۔ ورنہ ذاتِ حق تو بالکل غیر محجوب ہے، کیونکہ وہ محیط بکُل شئی ہے بلکہ یُوں کہا جائے کہ محجوب ہم ہیں کہ ہمارے دلوں پر گناہوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، جب ظاہری آنکھوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن پر پردہ آجاتا ہے تو ظاہری اشیاء کو نہیں دیکھ سکتیں تو باطنی آنکھوں پر جب گناہ کے پردے آجائیں تو وہ باطن کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔ پھر جب دارِ آخرت میں سب پردے اُٹھ جائیں گے تو اس وقت حقیقتِ حق کھل کر سامنے آجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رویت باریتعالیٰ کو دارِ آخرت پر موقوف رکھا گیا۔ نہ کہ کسی حجاب پر بلکہ یُوں کہو کہ حجابات تو ذاتِ حق کے لئے ممتنع ہیں اور ایسی ظاہر ذات کے لئے پردوں کا تصور بھی نامناسب ہے بلکہ جو ذاتِ حق کا متلاشی ہے وہ پردے کا تصور کیسے رکھتا ہے اُسے تو ہر پردہ سے متجاوز ہوکر ذاتِ حق کا دیدار حاصل کرنا ہے اور پردے کا تصور جاہلوں کا کام ہے۔ (قاعدہ) بعض مفسرین نے ایک عجیب توجیہہ بتائی ہے وہ یہ کہ جب لفظ ادراک بصر سے متعلق ہو تو اس وقت ادراک کا معنیٰ ہی رؤیت ہوتا ہے۔ مثلاً عربی کہتے ہیں اَدْرَكْتُ بِبَصَرِيْ ،، اس کا معنی ہوتا ہے۔ رَأَيْتُ بِبَصَرِيْ ،، یہاں ادراک و رؤیت کا ایک معنے ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ،، کا معنے ہوگا اس ذات کی دُنیا میں رؤیت نہیں ہوسکتا۔ باقی رہا آخرت میں

تو وہ اہلِ ایمان کو نصیب ہوگا ؛ چنانچہ فرمایا وُجُوْہٌ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ،، بارونق اپنے رب کو دیکھیں گے اور حدیث شیخین میں ہے۔ انکم سترونَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ القمر لیلۃ البدر ،، تم اپنے رب کریم کو آخرت میں ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔

(ف) حدیث شریف میں چاند سے تشبیہ دینے میں جلاء و وضوح مُراد ہے نہ کہ مَرئی کی مَرئی سے تشبیہ مقصود ہے۔ اس لئے کہ مَرئی کی تشبیہ مطلوب ہوتی تو وہاں جہت ومکان کا ہونا ضروری ہے اور وہاں جہت ومکان کہاں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آخرت کی تخصیص کیوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت دُنیا کا قلب ہے وہاں پر بصیرت سے اسی طرح دیکھا جائے گا جیسے کہ دُنیا میں بصارت سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی ظاہری بصارت آخرت میں بصیرت[1] کا کام دیگی۔ یعنی اس وقت بصیرت کی آنکھیں ظاہر ہوکر دیکھنے کا کام کریں گی اسی بنا پر ہرایک کو رؤیتِ حق اپنی استعداد کے مطابق رویت نصیب ہوگی۔

شانِ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

: دُنیا میں چونکہ رؤیت ایک اعزاز ہے اور یہ اعزاز صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا اور بس ؛ کیونکہ وہ صاحبِ مقامِ محمود ہیں اور لیلۃُ المعراج میں اپنی سرِمبارک کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے آپ سِرّ و رُوح سے اللہ تعالیٰ کا ظاہری جسم سے مشاہدہ کرچکے اس لئے کہ آپ کا جسم مُبارک عین بن گیا تھا ؛ کیونکہ آپ اس رات عالم عنصری سے متجاوز ہُوئے پھر عالم طبعیہ سے گزرے پھر عالم ارواح کو عبور فرماکر عالم امر تک پہنچے تک اور یہ سر کی آنکھیں تو عالم اجسام سے متعلق ہیں اور آپ نے تمام عوالم سے جُدا ہوکر اپنے رب کا دیدار کیا۔ (سبق) اے راہِ راست کے طالب تجھے اتنا مختصر بیان کافی ہے ؛ ورنہ ایسے مسئلہ کے لئے تو بہت بڑا دفتر ناکافی و ناوانی ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

: تلاوتِ نجمیہ میں ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ،، اللہ تعالیٰ کو محدثاتِ اُمور لاحق نہیں ہوتے۔ یعنی نہ ابصار ظاہرہ اور نہ ابصار باطنہ اس کی صمدیت اس سے منقدس ہے کہ اسے کوئی دنیوی امر لاحق ہو۔ مخلوق اور حادث کی کوئی شئے بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ،، اور وہ ابصار کا ادراک کا تجلیات سے کرتا ہے کہ اس سے تمام فنا ہوجاتے ہیں۔ پھر وہی اس کی بصر ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ظاہری اور باطنی آنکھیں برابر ہوکر رؤیت سے مشرف ہوتی ہیں اس لئے کہ بندہ اس وقت نورِ ربانی سے دیکھتا ہے وَھُوَ اللَّطِیْفُ ،، اور ایسا لطیف ہے کہ اُسے محدثات کی کوئی شئے ادراک نہیں کرسکتی اور نہ مخلوقات میں سے کوئی اسے لاحق ہوسکتا ہے۔ اَلْخَبِیْرُ ،، خبیر ہے کہ وہ مستحق کو جانتا ہے کہ یہ تجلیات کے لائق ہے یا نہ

---

[1] یہاں پر رویتِ الٰہی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دُنیا عالَمِ فانی ہے اور اس کی ہر شئی فانی اور فانی آنکھیں باقی کو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

اور اُس کی ابصار میں استعداد پیدا کرتا ہے تاکہ وہ رؤیتِ الٰہی کا مستحق ہو جائے۔

فائدہ : یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطافِ کریمانہ سے ہے کہ اُس نے عدم سے موجودات کو پیدا فرمایا ورنہ وہ وجود کے قابل کہاں تھے یہ صرف اس کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اُس نے انہیں نعمتِ وجود سے نوازا۔

فائدہ : انسان اس نعمتِ وجود کو واقعی نعمت سمجھتا تو وہ شکرِ الٰہی بجالاتا۔ اگر وہ اس نعمتِ عُظمٰی کا شکریہ ادا کرے تو اُس کی اس نعمت میں اضافہ ہو اور سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔ اس وجہ سے یہ نعمت عالمِ دنیا میں عوام پر حرام کر رکھی ہے۔ حدیث شریف لَنْ تَرَوا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوا تم اپنے ربِ کریم کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھو گے کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتمام نعمت یہی ہے کہ بطریق لائق اللہ تعالیٰ کے کے جلال کے شایان شان اُس کی زیارت سے شرفیابی نصیب ہو لیکن وہ بھی آخرت میں کیونکہ اس زیارت کا وعدہ دار الآخرۃ سے مخصوص ہے۔ دارِ دُنیا میں اُس کی زیارت محال ہے اس لئے کہ نصوص شرعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس دُنیا میں زیارت نہیں ہوگی بلکہ اس پر عُلمائے حق کا اجماع ہے اور شرعًا یہی مسئلہ یُوںہی ہے۔ البتہ عقلاً زیارتِ الٰہی کا دُنیا میں ہونا ممکن ہے (لیکن اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا)

مسئلہ : خواب میں رویت باریتعالیٰ ممکن ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جیسے سیّدنا ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی اور آن کی باہمی گفتگو بھی ہُوئی جیسے فقہاءِ کرام کی تاریخی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے منقول ہے کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی تو حضرت بایزید بُسطامی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین تیرے ہاں پہنچنے کا کونسا آسان راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انانیت کو مِٹا دو پھر میرے ہاں پہنچ جاؤ گے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور خواب میں تمام ... قرآن پڑھا جب " وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ " پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب سے فرمایا اے حمزہ تم بھی قاھر ہو۔

مسئلہ : یاد رہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ایک قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے جو صرف قلب سے متعلق ہوتا ہے اسے آنکھ سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍّ اَمْرَدَ " میں نے خواب میں اپنے ربِ کریم کو نوجوان بے ریش انسان کی شکل

میں دیکھا۔ (یہ حدیث متشابہات سے ہے)

نکتہ : اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ ربوبیت صورت انسانیہ میں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ انسانی صورۃ اجمع الحقائق ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے تمام دُنیا و آخرت کے خزائن کا اسے خاتم بنایا تو اسماءِ الٰہیہ کی جتنی صُورتیں تھیں وہ تمام نشاۃ انسانیہ میں ظاہر فرمائیں اس لئے کہ نشأۃ انسانیہ النشأۃ دُروحانیہ کی جامع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ "اِنَّ اللہَ خَلَقَ آدمَ عَلٰی صُورَتِہٖ"، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو اپنی صُورت پہ بنایا۔

سوال : اللہ تعالیٰ تو صُورت سے پاک ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی صورت بنائی گئی ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ پر لفظ صُورت کا اطلاق مجازاً ہے لیکن یہ بھی جواب اہلِ ظاہر کے لئے ہوگا اس لئے کہ اُن کے نزدیک لفظ صُورۃ کا اطلاق صرف محسوسات پر ہوتا ہے اگر معقولات پہ ہو تو مجازاً ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات محسوسات سے نہیں اس لئے اس پر صورۃ کا اطلاق مجازاً ہوگا۔ لیکن محققین کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق ذاتِ حق کے لئے مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے اس لئے کہ عالم کبیر کا مجموعہ حضرتِ الٰہیہ کی صورت ہی ہے اور عالم کبیر کا ذرّہ ذرّہ اسماء الٰہیہ مع حضرات جن کے تفصیلاً واجمالاً مظاہر ہیں اور انسان کامل تو اسماء الٰہیہ کا مجموعی طور مظہر ہے۔

سوال : انواع ادراک سے رؤیت اقوی ہے یا علم۔

جواب : رویت اقویٰ ہے اس لئے کہ اہلِ ایمان رؤیت سے زیادہ لذت یاب ہیں بہ نسبت معرفت کے۔

فائدہ : احیاء العلوم شریف میں ہے کہ رؤیت کشف وعلم کی ایک قسم ہے لیکن رؤیت علم سے اوضح واتم ہوتی ہے جب علم کو جہت وغیرہ کے تعلق کی ضرورت نہیں تو بطریق اولیٰ ہے کہ اُسے جہت وغیرہ کے تعلق کی حاجت نہ ہو پس جیسے علم کیف وصُورت کا محتاج نہیں ایسے ہی رؤیت کو بھی کیف و صُورت کی محتاجی نہ ہونا لازم ہے۔

مسئلہ : رؤیت معرفت سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ عارف ہمیشہ منازل وصال کے مشتاق رہتے ہیں بخلاف عارفین باللہ حضوری کے کہ انہیں وصال کے بعد منازلِ معرفت کا اشتیاق نہیں رہتا۔

(ف) بعض فرماتے ہیں کہ معرفت الطف اور رؤیت اشرف ہے۔

نکتہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ علماء کا وصالِ الٰہی علم واستدلال کے مطابق ہوگا اور عارفین کو مشاہدہ ومعاینہ کے مطابق ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ مشاہدہ ومعائنہ عام

اشیاء کے مشاہدہ و معائنہ کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیف و این سے منزہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ و معائنہ یہ ہے کہ بندہ کا وجود مضمحل ہو کر وجود حقیقی میں فانی ہو جائے تو پھر وجود حقیقی واضح او منکشف ہو۔

مسئلہ صوفیانہ : صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ جو بندہ اپنی خودی کو مٹا کر فانی فی اللہ ۔۔ اور باقی باللہ ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لے ورنہ ناجائز ہے ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث راگلیم

ترجمہ : جب اوصاف سے تجلی کرتا ہے تو وصف حادثات کا سارا سامان جل جاتا ہے۔

مثلاً سُورج جب اپنی پُوری جوانی پر ہو تو اُس کے دیکھنے کے وقت آنکھ چُندھیا جاتی ہے تو پھر ذاتِ حق کا دیکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اس میں بصیرت ہوتی ہے جو اسے شئے کے دیکھنے کا کام دیتی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عالمِ ملکوت اُمور وہمیہ یعنی زمان و مکان جہت کیفیت وغیرہ کے قیود سے پاک ہے اس لئے کہ یہ اُمورِ وہمیہ عالم ملک کے احکام سے ہیں۔ کجا عالم ملکوت و کجا عالم مُلک۔ اُن کو ایک دُوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ وُہی سمجھتا ہے جسے علم سلوک سے کچھ حصّہ نصیب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت نخست در شکن تنگ ازاں مکان گیرد

ترجمہ : حلاوت تو اُس نے ریاضت کے بعد پائی ؛ ورنہ پہلے تو ایسے دُکھ میں تھا کہ مکان کو اس سے عار تھی۔

(ف) لطیف وہ ہے جو مخفی امور کے دقائق و غوامض کو جانے اور جُملہ اُمور کے دقیق و ثقیل معاملات کو جاننے کی وجہ سے ضرورت مند کے ہاں اُس کی ضروریات، نرمی سے پہنچائے۔ سختی کا درمیان میں نام تک نہ ہو جب کسی کے فعل میں نرمی اور لُطف فِی الادراک ہو تو اُس وقت لطیف کا مَعنےٰ مکمل ہوتا ہے اور کمال فی العلم والفعل کا تصور صرف ذات باریتعالیٰ کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔

سبق : سالک کے لئے لطیف کا معنیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و شفقت سے پیش آئے اور انہیں دعوتِ الٰہی پیش کرے تو لطف کو مدِ نظر رکھ کر اور انہیں راہِ حق کی ہدایت دے اور سعادتِ ابدی کے لئے بُلائے لیکن اس میں سختی و دُرشتی کو درمیان میں نہ لائے اور نہ ہی کسی سے لڑائی کرے اور نہ ہی تعصب سے کام لے۔

فائدہ : وجود لطف سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان حق کو قبول کرتے ہُوئے اپنے میں اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ اور اعمال صالحہ پیدا کرے اس لئے کہ یہی امور زبانی جمع خرچ اور میٹھے میٹھے بول

بہتر ہزار درجہ بہتر ہیں۔

نکتہ : حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی صَلُّوْ کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ،، جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ایسے ہی نماز پڑھو ،، میں فعل کا حکم ہے نہ کہ قول کا اس لئے کہ فعل قول سے راجح ہوتا ہے؛ چنانچہ کسی نے کہا ؎

واذا المقال مع الفعال وزنتہ رجح الفعال وخف کل مقال

ترجمہ : قول وفعل کا موازنہ کیا جائے تو فعل قول سے بڑھ جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پند فعلے خلق را جذاب تر ؛ کہ رسد در جان ہر باگوش کر

ترجمہ : نصیحت مخلوق کے فعل کو کھینچتی ہے بہرے کان کو بھی جان بخش دیتی ہے ،،

اور خبیر وہ ہے کہ جس سے کوئی مخفی سے مخفی بات پوشیدہ نہ ہو۔ ملک وملکوت کا ہر حکم اسی کے امر سے جاری ہو اور ہر عالم کا ہر ذرہ اسی کے ایماء سے متحرک ہو۔ ہر نفس کو اس سے سکون نصیب ہو اور اگر کسی کو اضطراب ہو تو اسی سے اور کسی کو اطمینان اور چین ہو تو اس سے وہ جملہ امور کو جانتا ہو اور خبیر بمعنے علیم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جن امور کو امور مخفیہ سے تعلق ہو ان کے جاننے والے خبیر اور اس کے مصدر کو خبرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور بندے کو خبیر کہا جاتا ہے اس لئے کہ جو کچھ قلب اور بدن میں جاری ہوا اس سے وہ باخبر ہے اگرچہ قلبی امور کتنے ہی مخفی کیوں نہ ہوں بلکہ دل کے کھوٹ یا خیانت کا تقاضا اسی طرح دل کے جلا بخشنے والے کاموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شرور کو پوشیدہ اور نیکیوں کو ظاہر [illegible] اور اخلاص وافلاس کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ قلب کے امور سے متعلق ہیں۔ ان سے باخبر ہونا کسی زیرک انسان کا کام ہے بلکہ سمجھدار انسان اپنے نفس کی مکاریوں و غداریوں سے پورا واقف ہوتا ہے۔ ایسا انسان اپنے نفس کا خوب مقابلہ کرتا ہے اور اس کی چالاکیوں کا پورا قلع قمع کرتا ہے۔ اس لئے ایسے بندے کو خبیر کہنا موزوں ہے۔

تفسیر عالمانہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ ،، اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرمائیے بالخصوص اہل مکہ کو بے شک تمہارے ہاں آتے ہیں۔ ﴿بَصَآئِرُ﴾ ،، دلائل ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ ،، تمہارے رب کی طرف سے جن میں توحید کے دلائل کے علاوہ نبوت کی حقانیت کا بیان ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ بعثت ونشر اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا حق ہے۔

حل لغات : بصائر ،، بصیرۃ کی جمع ہے ہر وہ نور جس سے قلب اشیاء کو دیکھے جیسے بصر ہر اس نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھ دیکھتی ہے؛ لیکن عرف میں بصیرۃ اس قوت کو کہا جاتا ہے جو قلب معقولات کے ادراک کے لئے امانت رکھی گئی ہے اسے معلوم کرے تاکہ قلب معقولات کا ادراک

کر کے مقاصد کے لئے حجۃ بیّنہ تیار کر سکے چونکہ قوۃ مُودَعَہ اور قلب کی بینائی ہر دونوں ہی ادراک کا سبب ہیں۔ اسی لئے قوۃ مودعۃ پر استعارۃً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ ،، پس جو شخص ان دلائل کے ذریعے حق دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ فَلِنَفْسِہٖ تو وہ اُس کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ یعنی جس نے دلائل کو دیکھا ہے ان دلائل سے اس دیکھنے والے کو فائدہ ہوگا۔ وَمَنْ عَمِیَ ،، اور جس نے دلائل کے ظہور و وضوح کے باوجود انہیں نہ دیکھا۔ اور گمراہی کا راہ اختیار کیا۔

نکتہ : دلائل نہ دیکھنے کو اندھاپن (عمی) سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا فعل نہایت درجہ کا قبیح تھا اور اس کی قباحت سے پُورے طور نفرت کی جائے۔

فَعَلَیْھَا ،، پس اس بُرے فعل کا وبال اسی پر ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کے دل میں بصیرت امانت رکھی ہے جس سے ان حقائق غیبی اور کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے جو اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کو آنکھ عطا ہوئی کہ جس سے دُنیا کی ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔ یعنی ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات وغیرہ وغیرہ جو کچھ قلب کی بصیرت سے مراتب علویہ، اخرویہ، باقیہ کو (اسی طرح کمالات قرب اور وہ امُور جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے تیار ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا (اور نہ ہی کسی کے تصوّر میں آسکتا ہے) دیکھتا ہے تو ایسا شخص اُن کے حصُول کے لئے مشغول ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے راہ پر چلنے کی جدوجہد کرتا ہے اور وہ دُنیاوی اور باطل امُور سے رُوگرداں ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ دُنیا کی زینت اور اُس کے نقش و نگار اور اس کے شہوات فانیہ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی سعادت و کرامت ہوتی ہے جو اس کے نفس کو نصیب ہوتی ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمام عوالم کے جملہ امُور سے بے نیاز ہے اور جو ان امُور سے اندھا ہُوا اور اُسے بصیرت نصیب نہ ہو تو جسم کی آنکھ سے دیکھا اور دُنیا کے نقش و نگار اور اس کے شہوات میں مشغول ہو گیا اور اس کی لذتوں میں محو ہُوا اور حیوانوں کی طرح ان میں صرف کھانے پینے تک محدود رہا تو اُس کی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے دل کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ ایسے لوگوں کو شقاوت اور دائمی خسارہ نصیب ہُوا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ،، اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں بلکہ میں تو مُنذِر و مبلغ ہوں اللہ سب کا نگران ہے وُہی تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور وہی تمہیں اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔

تفسیر عالمانہ ۵۵ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ،، یعنی مذکورہ تعریف کی طرح ہم آیات کو پھیرتے ہیں جو عجیب معانی پر دلالت کرتی اور بہترین معانی واضح کرتی ہیں۔ یہ صرف سے ماخوذ ہے بمعنے نقل الشئ من حال الی حال یعنی شئ کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا۔ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ،، یہ محذوف کلام کی علت اور لام عاقبت کی ہے اور الدرس بمعنی القرأۃ والتعلم یعنی پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا۔ یعنی انجام کار یہ لوگ ہی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ باتیں کسی دوسرے سے سنی ہیں۔

شانِ نزول : قریش مکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ آپ یہ باتیں روم کے دو قیدیوں یعنی سیار و جبیر سے سن کر ہمیں پڑھ کر بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے اترا ہے۔

(ف) وہ قیدی رومی قریش کی قید میں تھے۔

وَلِنُبَيِّنَهٗ ،، اس کا عطف لِيَقُوْلُوْا پر ہے اور لام اپنے اصل پر ہے اس لئے کہ تبیین تعریف کا مقصود ہے۔

سوال : آیات تو جمع کا صیغہ ہے اور ضمیر واحد کی کیوں۔

جواب : آیات قرآن کی تاویل ہیں۔ بنابریں ضمیر بھی واحد کی ہے۔

۵۵ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ،، علم والوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ،، جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے۔ اس کی آپ اتباع کرتے رہیں یعنی قرآنی تعلیمات میں جو کہ ان میں عمدہ توحید ہے۔ اگرچہ کفار آپ پر جیسے ہی طعن تشنیع کرتے رہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج ،، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ : اور مشرکین سے روگردانی فرمائیے۔ اپنی قوم کی پرواہ مت کیجئے اور جو کچھ وہ بکتے ہیں۔ یا آپ کے متعلق غلط آراء قائم کرتے ہیں انہیں خیال میں نہ لائیے۔ اس لئے کہ جاہلین کی جہالت سے رسالت و نبوت کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سود مند　　　　و گر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں برآرد خروش　　　　کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ : وہ سخن بول جو سودمند ہے اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے
کہ کل پریشان ہو کر تو شور مچائے گا کہ افسوس میں نے حق کیوں نہ سنا

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ ،، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی توحید یعنی ان کا مشرک ہونا نہ چاہے۔ مَآ اَشْرَکُوْا تو وہ مُشرک نہ ہوتے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ مشرکین کی توحید و ایمان چاہتا ہی نہیں حالانکہ یہ تو نہایت قبیح امر ہے اور قبیح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حرام ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے نہ چاہنے کی نسبت اس وقت نہیں جبکہ کفار ایمان و توحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سے روکے۔ یہ معنیٰ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اختیار کو ایمان پہ صرف ہی نہیں کرتے بلکہ کفر پہ ڈٹے ہوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ایمان و توحید کا بھی ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ ،، یہ اور حَفِیْظًا اپنے ماقبل کے متعلق ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو ان پہ حفیظًا نگران اور محافظ نہیں بنایا کہ آپ ہماری طرف سے اُن کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں اور وَمَآ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْل نہ ہی آپ ان کے وکیل ہیں کہ اُن کے امور کا نظم و نسق سنبھال کر اُن کی مصلحتوں کی تدبیریں بناتے رہیں۔

حفیظ و وکیل میں فرق : آیت میں حفیظ وکیل دونوں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں میں معنوی فرق ہے اس لئے کہ حافظ و حفیظ وہ ہے جو کسی کو نقصان رساں شئے سے بچاتے اور وکیل وہ ہے جو کسی کو نفع رسانی کی تدبیر بنائے۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا حق وہ بدبخت قبول نہیں کرتا جو ازل سے بدبختی کا شکار ہُوا ہو۔ ایسے بدبختوں کے لئے اللہ تعالیٰ بھی ہدایت دینا اور ان کو سعادت مند بنانا نہیں چاہتا۔

ازلی بدبختی کی علامات :
(۱) آنکھیں کبھی خوفِ خُدا سے نہ روئیں۔
(۲) دل بہت سخت ہو۔
(۳) دنیا کی محبّت بہت زیادہ ہو۔
(۴) دنیوی آرزوؤں کی بہتات ہو۔

سعادت مند کی نشانیاں :
(۱) صالحین (اولیاء اللہ کی محبّت اور اُن کے قرب کی تمنّا
(۲) تلاوتِ قرآن مجید
(۳) شب بیداری
(۴) صُحبتِ عُلمائے (اہلسنت)
(۵) رقّتِ قلبی

حکایت : حضرت ابراہیم مہلب سیاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر کہہ رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھے محبت کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ میرا دل مجھے واپس لوٹا دے میں نے کہا بیٹی تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ بے نیاز تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اُس کی عنایتِ قدیمہ کے لشکر نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ پر بہت سا مال خرچ کر کے شرک کے علاقوں سے نکال کر توحید کے ملک میں پہنچایا اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر مجھے عرفان کے شہر میں بسایا۔ یہ اُس کی محبت و عنایت نہیں تو اور کیا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا :

؎ چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست　　آن بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ: جب حسن کا انجام ترک دنیا اور زہد ہے تو پھر یہی بہتر ہے کہ وہ اپنے کرم سے جس طرح چاہیں نجات دیں

سبق : نیک بندے پر لازم ہے کہ وہ نیکی کرنے میں سبقت کرے۔ اس لئے کہ اعمالِ صالحہ سعادت کی علامت ہیں اور نیک اعمال سے کتروانا اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مُبتلا رہنا بدبختی کی علامت ہے۔

حکایت : ایک عابد نے اللہ تعالیٰ سے آرزو کی کہ انہیں ابلیس کی اصلی شکل دکھائی جائے اسے جواب مِلا کہ آپ صرف اپنی عافیت کی خیر مانگئے اور بس، لیکن وہ اس پر مُصر رہے کہ ایک بار تو ابلیس کو ضرور دیکھوں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے سامنے کر دیا۔ ابلیس کو دیکھ کر اس عابد نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو ابلیس نے کہا اگر تم ایک سو سال زندگی بسر کرو تب بھی میں تمہیں گمراہ کر کے تو تباہی کے گڑھے میں ڈال دوں گا اس سے عابد کو غرور پیدا ہو گیا اور کہا کہ تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اگر کوئی گناہ کر لوں گا تو پھر توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لوں گا ؛ چنانچہ ایک مدت کے بعد شیطان ابلیس نے اس عابد کو گمراہ کر کے تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔

سبق : اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو لمبی آرزو تباہ و برباد کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی آفت ہے۔ صائب نے کہا ؎

در سرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست　؛　آشیاں کرد ست مارے در کبوتر خانہ

ترجمہ : ان غافلوں کے خیال میں طول امل کے سوا کچھ نہیں۔ کبوتر خانہ میں تو سانپ نے بسیرا کر لیا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ : رسُول علیہ السلام کے ذمّہ صِرف تبلیغ احکام ہے اور بس۔ صرف فرق اتنا ہے کہ عوام کو توحید کی طرف بُلاتے ہیں اور خواص کو وحدانیت

کی طرف اور خواص الخواص کو وحدۃ کی طرف۔ کچھ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے (جو انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں) لیکن ان مقامات پہ پہنچنا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں اور نہ ہی مرشد کے ارادہ پر ہے کہ جس کے لئے وہ چاہے تو اسی طرح ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت پر ہے، لیکن ان تمام مقامات کا اصل سرچشمہ توحید ہے کہ جس طرح مومن اس سے ہی مومن بنتا ہے تو کافر بھی اسی کے انکار سے کافر بنتا ہے۔ مومن مخلص وہ ہے جو توحید کے تکرار میں لگا رہے۔ اس لئے شرک جلی ہو یا خفی اس توحید سے ٹوٹتا ہے۔ مومن ناقص تو مشرک اور شرک جلی کو خیال میں لاتا ہے لیکن مومن کامل مشرک شرک خفی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ کفار سے اعراضِ حقیقی حاصل ہو تو اس کے ساتھ ظاہری اختلاط سے نقصان نہیں پہنچتا اس لئے کہ اگر یہ ظاہری اختلاط بھی نہ ہو تو پھر اُسے دعوت کس طرح دی جاسکے گی اور اس پر حجت کس طرح قائم کی جاسکے گی اور قیامت میں اُسے کس طرح ساکت کیا جاسکے گا۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ،، اللہ تعالیٰ صرف اسے اپنی دار السلام کی دعوت دیتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرتا ہے اور جو خواہش نفسانی کے درپے رہتا ہے اسے قیامت میں سخت ملامت اور رُسوائی نصیب ہوگی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ شکرہاست دریں شہر قانع شدہ اند　　　شاہبازانِ طریقت بمقام مگسے

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ ،، اے مومنو! گالی نہ دو۔ اَلَّذِیْنَ انہیں جو یَدْعُوْنَ ،، بتوں کو پرستش کرتے ہیں۔ یعنی انہیں پکارتے اور اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ،، درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں اُن سے کفارِ مکہ مُراد ہیں۔

(ف) مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بحیثیت عبادت کے انہیں گالی نہ دو مثلاً یُوں نہ کہو اے کافرو! تمہیں اور تمہارے معبودوں کے لئے خرابی ہو۔

فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا ،، تو وہ بھی حق سے متجاوز ہو کر تمہاری طرح وہ تمہارے معبود کو گالی دیں گے۔ (ف) عدوًا یا مفعول مطلق ہے اس لئے کہ سب بھی ایک قسم کی عداوت ہے یا وہ مفعول لہٗ ہے یعنی وہ تمہیں عداوت کی وجہ سے گالی دیں گے۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ ،، یہ فَیَسُبُّوْا سے حال ہے یعنی وہ گالی دیں گے۔ درآنحالیکہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور نہ ہی اُس کی شان کے وہ آداب جانتے ہیں اِس لئے کہ وہ نرے جاہل ہیں کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ مرتبت کا علم ہوتا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

سوال : وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح گالی دے سکتے جبکہ وہ شان الوہیت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انہیں اقرار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کی نیت پر کرتے۔

جواب : اگرچہ وہ صراحتہً اللہ تعالیٰ کو گالی نہ دیتے لیکن اُن سے اپنے بتوں کی غیرت سے ایسے امور سرزد کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کا پہلو نکلتا۔ جیسے انسان کی فطرت ہے کہ جب غیظ و غضب سے بھرپور ہوجاتا ہے تو اس سے ایسے امور سرزد ہوتے ہیں جن کا ارتکاب اس سے نہیں ہونا چاہیئے تھا، بلکہ انسان بسا اوقات شدتِ غضب سے کلماتِ کفریہ بھی بک جاتا ہے (العیاذ باللہ)

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ جو طاعت گناہوں کا سبب بن جاتی ہے اُسے ترک کردینا ضروری ہے اس لئے کہ جو شئے شر کا سبب بنے وہ بھی شر کہلاتی ہے۔ مثلاً بتوں کی مذمت اور انہیں گالی دینا اصول طاعات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے روک دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے گناہ کا سبب بنتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان گھٹانے اور اُنہیں گالی دینے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس سے سفاہت کا دروازہ کھُل جائے گا۔

مسئلہ : جب کوئی کسی کے متعلق یقین کرے کہ وہ اس کی نصیحت سے یعنی اسے ایک برائی کے روکنے سے وہ کئی دُوسرے بڑے گناہ میں مُبتلا ہوجائے گا تو ایسے انسان کو نصیحت نہ کرنا لازم ہے۔ بلکہ اُسے ویسے ہی حال پہ رہنے دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مجال سخن تا نیابی مگوئی　　چو میداں نہ بینی نگہدار گوئی

ترجمہ : سخن کا موقعہ نہ ہو تو نہ بول جب میدان نہ ہو تو سخن کو نگاہ رکھ اور گیند نہ پھینک۔

كَذٰلِكَ ،، یعنی اس تزیین قوی کی طرح اس سے کفار کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور اُن کی اصنام پرستی مُراد ہے۔ **زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ** ،، ہم نے زینت دی ہر اُمت کو اُن کے اعمال بھلے یا بُرے طاعت یا معصیت یعنی جب ان میں کسی ایک کو اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی طرف طبیعت کا میلان پیدا کر دیتا اور نیکی کی توفیق بخشتا یا بُرائی کا خوگر بناتا۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ ،، پھر اپنے ربِ کریم اور جُملہ امور کے مالک کی طرف **مَرْجِعُهُمْ** ان کا رجوع ہوگا۔ اس سے مرنے کے بعد اُٹھنا مُراد ہے۔ **فَيُنَبِّئُهُمْ** ،، پس وہ انہیں بلاتاخیر خبر دیگا۔ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝** بسبب اُن کے اعمال کے جو دُنیا میں دائمی طور کرتے اور وہ بُرے اعمال انہیں نہایت اچھے لگتے۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کسی کو سزا و عتاب سے ڈرائے۔ مثلاً کسی نے کسی دُوسرے

کو دھمکانا ہوتا تو کہتا سا خبرک بما فعلت ،، میں عنقریب تیری خبر لوں گا جو کہ تو نے فلاں کام کیا ہے۔ اس کی تجھے عنقریب سزا مل جائے گی۔

نکتہ : اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جو امور یہاں ہمیں بہتر اور بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ کل قیامت میں اُن کی مخالف صورت میں ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ گناہ انسان کے لئے زہرِ قاتل ہیں۔ اِس دُنیا میں تو نہایت حسین محسوس ہوتے ہیں (جو کہ عاصیوں کی نگاہوں میں بے نظیر نظر آتے ہیں) چنانچہ اس آیت کے ”زُیّنا“ کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت طاعات کی ہے کہ باوجودیکہ حسن و جمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں، لیکن بعض اوقات انسان کو قبیح محسوس ہوتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بہشت کے گرد مکارہ اور دوزخ کے گرد شہوات کھڑی کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مجرمین کو دُنیا میں بُرے اعمال (کفر وغیرہ) ایسے مزین نظر آتے ہیں کہ انہیں اُن کے سوا اور کوئی شئے اچھی نہیں لگتی، لیکن آخرت میں اُن کی حقیقت ایسے مکروہ منظر میں متبدل ہو جائیں گی جنہیں وہ دیکھ کر گھبرائیں گے۔ اِس پر انہیں کہا جائیگا یہ تمہارے وہی کرتوت ہیں جن کے تم دُنیا میں مرتکب ہوئے تھے جو آج اس قباحت کے ساتھ تمہارے سامنے ہیں اور اُن کی حقیقی اور اصلی شکل یہی ہے جنہیں تم دُنیا میں نہایت درجہ کے شکیل وجمیل صورت میں دیکھتے تھے اور تم کو اُس کی اطلاع دُنیا میں دی جا چکی تھی کہ ان برائیوں کی ظاہری شکل کو نہ دیکھو کہ ان کی حقیقت اور اصلی صورت بہت بڑی خراب ہے لیکن تم نے اس وقت کوئی بات نہ مانی (تفسیر الارشاد)

فائدہ : اللہ والوں کو یہی بُرے اعمال دُنیا میں ہی گندی صورت میں نظر آجاتے ہیں جنہیں وہ اچھی صورت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت شیخ ابوبکر ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک حسین جمیل شخص رہا کرتا تھا جو رات کو عبادت میں گزارتا اور دن کو روزے سے رہتا ایک دِن میرے ہاں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رات کو خواب کے ہجوم سے اوراد نہیں پڑھ سکا۔ نیند میں دیکھ رہا تھا کہ میرا حجرہ پھٹ گیا ہے اور میرے اس حجرے سے چند نوجوان حسین و جمیل لڑکیاں نکلی ہیں۔ ان میں ایک بدنما اور نہایت گندی شکل والی بھی ہے۔ میں نے اُن سے کہا تم کس کی لونڈیاں ہو اور یہ بدشکل کس کی ہے اُن سب نے کہا ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتا تھا اور یہ سیاہ فام تیری یہی رات ہے کہ جس میں تو نے اپنے اوراد و وظائف اور عبادت ترک کرکے نیند کر رہا ہے۔ اگر تو اسی رات مرجاتا تو یہی رات اس شکل میں تجھے نصیب ہوتی۔ پھر وہی بدنما گندی شکل والی نے یہ شعر پڑھے۔

اسئال لمولاك واردد نی الیٰ حالی فانت قبحتنی مِنْ بَیْنِ اشکالی
وقد اردت بخیر از وعظمت بنا ابشر فانت مِنَ المَولیٰ علی حال

ترجمہ : اپنے مالک و مولیٰ سے میرے متعلق سوال کیجئے تاکہ وہ مجھے اپنی اصلی صورت میں لوٹا دے اس لئے کہ تو نے ہی مجھے قبیح بنایا اور تم نے نونیکی کے ارادے کئے ہُوئے تھے اور اس کی تو ہمیں نصیحت دیتا ہے۔ اس پر تمہیں مبارک ہو کہ تو ہر حال میں ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر حسین شکل والیوں سے ایک نے یہ شعر پڑھا ؎

نحن اللیالی اللواتی کنت تسھرھا تتلوا القُراٰن بترجیع و اٰنات

ترجمہ : ہم تیری وہی راتیں ہیں جنہیں تو اچھے لہجے سے قرآن پڑھ کر زندہ رکھتا تھا۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نفس کے کسی ایک عیب کا انکشاف ملکوت کے انکشاف سے بہتر ہے اس لئے انسان کا مقصود طبیعت اور نفس کی اصلاح ہے اور اکل و شرب اور نیند صفات بہیمیہ سے ہیں اور طبیعت کے مقتضیات یہی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زینا لِکُلِّ اُمَّۃٍ الخ یعنی ہم ہر امّت کے مقبول لوگوں کے اعمال اہلِ قبور کے لئے سنوار رہے ہیں اور مردودوں کے اعمال اہل رد کے لئے مزیّن کئے ہیں۔ ثُمَّ اِلیٰ رَبِّھِمْ مَّرْجِعُھُمْ ،، پھر ان کا رجوع اس گروہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں گے۔ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا الخ ،، پس اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے اعمال کی خبر دے گا۔ اہل قبول تو اعمال صالحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لئے وہ صحیح راستہ پر چلیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے گا۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والے ہیں اور اہل ردّ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اس لئے وہ ہلاکت اور قہر کی وادی میں بھٹکتے ہُوئے حاضری دیں گے بنابریں عدل و انصاف کے طور انہیں گھاٹے اور خسارے میں ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ دُنیا میں بُرائیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ دانند ھیں اگر تو نگردی ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ : تمام کو معلوم ہے کہ اگر تو نے کوئی کام نہ کیا پھر یاد رکھ کہ جو کچھ بوئے گا وہی اُٹھائیگا۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو عبادت کرتے کرتے کوزہ پشت ہو چکی تھی۔ میں نے کہا آپ اپنے نفس پر نرمی کیوں نہیں کرتیں۔ اُس نے جواب دیا کہ اے شیخ تمہیں معلوم ہے کہ نفس کی نرمی اپنے مولیٰ سے دُ[illegible]ی کا سبب بن جاتا ہے اور جو اپنے مولیٰ سے دُور ہو جاتا ہے وہ دُنیا میں مشغول ہو کر خود کو مصائب و پرد[illegible] میں ڈا[illegible] دیتا ہے۔ میں

اپنے اعمال میں جد وجہد کروں تب بھی کچھ نہیں ہوں۔ پھر میرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ میں اعمال صالحہ میں کوتاہی کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ سباق کی حسرت اور فراق کا درد بہت سخت ہے سباق کی حسرت تو یہ ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے تو بعض حضرات وہ ہوں گے جو نُورانی سواریوں پر سوار ہو کر عزّ وجل کے محل میں پہنچیں گے اور اُن کے لئے محبتین کی منازل پیش کی جائیں گی اور مقربین کے گروہ میں شامل ہوجائیں گے اور جو اُن سے پیچھے رہ جائیں گے انہیں سخت حسرت ہوگی اور غم کے مارے اُن کے دل پھٹنے پر آجائیں گے افسوس کھائیں گے ندامت اور شرمساری سے اُن کے دل پگھل جائیں گے اور فراق کا درد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی آپس میں جُدائی ڈالے گا۔ یعنی تمام مخلوق کو میدانِ محشر میں ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ زور سے پکارے اے مجرمو! علیحدہ ہوجاؤ۔ اُس وقت متقین کو کامیابی نصیب ہوگی ؛ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے : وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ٥ اس وقت شوہر کو اپنی زوجہ سے اور بچے کو ماں سے اور دوست کو دوست سے جُدا کیا جائے گا۔ اُن میں سے ایک کو ریاض جنّت کی طرف نہایت اجلال واکرام سے لایا جائے گا۔ اور دوسرے کو پاؤں اور گردن میں بیڑیاں اور زنجیر ڈال کر عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور انہیں اس جُدائی اور فراق پر بہت سخت دُکھ اور درد پہنچے گا۔ جس سے وہ سخت روئیں گے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہوجائیں گی۔ ایک دُوسرے سے جُدائی کے وقت گویا یہ شعر پڑھیں گے ؎

لَوْ کنت ساعة بیننا ما بیننا ∗ و رأیت کیفَ نُکرّر التودیعا

لعلمت ان من الدموع لاجرا ∗ تجری وعاینت الدما دُمُوعًا

ترجمہ : اگر میں اس وقت ہوتا جبکہ ہمارے مابین جُدائی ڈالی جارہی تھی اور دیکھتا کہ کس طرح ہمیں جُدا کیا جارہا تھا تو مجھے معلوم ہوتا کہ بے شک اس وقت آنسو کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اس وقت آنسو کے بجائے خون کی نہریں جاری ہیں۔

تفسیر عالمانہ

۱۰۸ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ،، (شانِ نزول) مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے کہا یارسُولَ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ فرماتے ہیں کہ مُوسیٰ علیہ السلام کا عَصَا تھا جسے وہ زمین پر مارتے تو اس سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے۔ اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام نے اونٹنی پتھر سے نکالی تھی اور آپ بھی تو ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیے۔ اگر آپ ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیں گے تو بخدا ہم آپ کو ضرور نبی مان لیں گے اور اس پر بہت بڑا زور دیا اور قسمیں کھائیں۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو اُنھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ صفا پہاڑی کو سُونا بنادیں یا ہمارے بعض مردگاں کو زندہ کردیں تاکہ ہم اُن سے آپ

کے متعلق سوال کریں کہ کیا واقعی آپ سچے نبی ہیں یا فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے تاکہ وہ ہمیں گواہی دیں کہ آپ رسُول برحق ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر ان میں سے بعض باتیں پُوری کر دُوں تو تم واقعی مسلمان ہو جاؤ گے۔ اُنہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ مسلمانوں نے بھی رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور! آپ ضرور انہیں کچھ نہ کچھ دکھا دیں تاکہ یہ لوگ ایمان کی دولت سے نوازے جائیں۔ آپ اس سے ملول و حزیں ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اگر چاہیں تو مذکورہ بالا امُور ضرور ہو کر رہیں گے لیکن یہ بدبخت ایمان نہیں لائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کے انکار کو دیکھے گا تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ اُن کی جڑ کٹ جائے گی۔ اگر آپ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں تو ان میں سے بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہو گی۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قریش نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ **جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** ،، جہد مصدر ہے اور حال کے مقام پر واقع ہے۔ دراصل" جاہدین فِيْ اَيْمَانِهِمْ ،، یعنی درآنحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جدوجہد کرنے والے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی قسم کو تاکید اور سخت تاکید سے ظاہر کرے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ،، کہ اگر اُن کے مطالبہ پر کوئی معجزہ ظاہر ہو **لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا** ،، تو وہ ضرور مان لیں گے **قُلْ** محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمایئے۔ **اِنَّمَا الْاٰيٰتُ** ،، بے شک تمام آیات **عِنْدَ اللّٰهِ** ،، اللہ کے ہاں ہیں۔ وُہی اُن پر قُدرت رکھتا ہے۔ ان میں سے جنہیں چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ ان میں کوئی بھی شے میرے بس کی نہیں اور نہ ہی ذاتی طور پر اپنے ارادہ سے انہیں ظاہر کر سکتا ہوں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سُناتا ہوں۔

(ربط) مذکورہ بالا حکم سُنا کر اب اِن معجزات کے عدمِ ظہور کی حکمت بتاتے ہیں اور اہلِ اسلام کو مخاطب کر کے بتایا اے مسلمانو! **وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** اور کونسی شئے تمہیں بتاتی ہے کہ وہ اِن معجزات کو دیکھ کر ضرور ایمان لائیں گے بلکہ جونہی وہ معجزات دیکھیں گے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے سرِ مُو بھی نہیں ہٹیں گے۔ اس لئے کہ اُن میں کُفر و عناد کا مرض ہے۔ تم اے مُسلمانو! اس راز کو نہیں جانتے فلہٰذا ان معجزات کے ظہور کی تمنا مت کرو۔ صرف اِس ارادہ پر کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ اِشعار کا انکار سبب ہے [illegible] نفی کا مسبب یعنی شعور کی بطور مبالغہ نفی کی گئی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ کفار کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معجزات کو ظاہر بھی نہیں فرماتا۔ ہاں اُن کے لئے ظاہر نہیں فرماتا جو ازل سے

اُس کی رحمت سے محروم ہیں۔

۹۔ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ ،، اس کا لَا یُؤْمِنُوْنَ ،، پر عطف ہے یعنی اے مسلمانو! تمہیں کیا پتہ کہ میں اُن کے دل اُس وقت پھیر دیتا ہوں جس سے وہ حق سے رُوگردانی کر کے حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

وَ اَبْصَارَهُمْ ،، اُن کی آنکھوں کی روشنی چھین لیتا ہوں کہ جس سے وہ حق کو دیکھتے نہیں اس لئے وہ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ ،، جیسے کہ وہ پہلے آئی ہوئی آیات پر ایمان نہیں لائے۔

اَوَّلَ مَرَّةٍ ،، اس سے قبل جو اُن پر معجزات ظاہر ہوئے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ وَّ نَذَرُهُمْ ،، اُس کا عطف بھی لَا یُؤْمِنُوْن پر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی ہم انہیں چھوڑتے نہیں۔

فِیْ طُغْیَانِهِمْ ،، اُن کی گمراہی میں۔ یہ نَذَرُهُمْ کے متعلق ہے۔ یَعْمَهُوْنَ ،، حیران پھرتے ہیں کہ ہم انہیں ہدایت نہیں دیں گے۔ جیسے اہلِ ایمان کو ہدایت سے نوازا ہے۔ یہ نَذَرَهُمْ کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

فائدہ : اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ان کی استعداد بھی ختم کر دی گئی ہے اور وہ حق سے بالکل دُور ہو چکے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تو ہدایت کی طرف آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آنے نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب وہی ہے کہ چونکہ اُن کی استعداد ختم ہو چکی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی ہی نہیں دی ورنہ یہ تو اجبار محض ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کُلّی استعداد کے باوجود انہیں ہدایت نہیں دیتا تو وہ مقہور اور مجبور محض ہوں گے اور بحکم خداوندی اِن کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اس طرح سے یہ ظلم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان اور لطف کریمانہ سے بعید ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے۔ فللہ الحجۃ البالغۃ ومن اللہ الہدایۃ والتوفیق

اس پارہ ہفتم کے ترجمہ سے فقیر نے شب منگل ۱۲۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ تقریباً گیارہ بجے فراغت پائی۔ اس کی تصحیح ۲/۴ ۱۹ ھ سے فراغت پائی

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

(بہاول پور۔ پاکستان)

فہرست فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ہفتم